خونی کہاوت
ایم اے راحت

تجسس میں ڈوبی ہوئی بے مثال داستان

ایم اے راحت

DUA PUBLICATIONS

ناشر: وصی شاہ

اہتمام: زاہد شیخ

"اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما"

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں، پیاری کتابیں

اشاعت — 2007ء

ڈیزائن — عاطف اقبال

کمپوزنگ — ایمان کمپوزنگ سنٹر

مطبع — اشتیاق مشتاق پرنٹرز لاہور

قیمت — 170/- روپے

دُعا پبلی کیشنز

ہیڈ آفس: 25 ... لاہور۔ فون: 042-7325418

شوروم: ... لاہور۔ فون: 042-7233585

خوبصورت اور معیاری کتب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں۔ — زاہد شیخ: 0300-9476417

میجر سنگرام سنگھ ملٹری انٹیلی جنس میں ایک ایسا معتبر نام اختیار کر گیا تھا جس کی مثال مشکل سے ہی ملتی ہے۔ اس نے اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد بہت مختصر وقت میں دنیا کے اٹھارہ ملکوں میں اپنے ملک کے لیے گراں ترین خدمات سرانجام دی تھیں اور ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیئے تھے کہ سننے والے دنگ رہ جاتے تھے۔ انہیں اس کارکردگی کے عوض اسے بہت سے اعزازات مل چکے تھے لیکن پھر اسے نظر لگ گئی۔ ایک سنگین معرکہ سرانجام دیتے ہوئے اس کی بائیں ٹانگ گولیوں سے چھلنی ہو گئی۔ ہڈیاں اس طرح چور چور ہو گئیں کہ ٹانگ کو گھٹنے کے پاس سے کاٹنا پڑا۔ اس طرح عین جوانی اور ترقی کے عالم میں اس کا فوجی کیریئر ختم ہو گیا اور اسے فوج سے فارغ کر دیا گیا۔

"تو کیا میں اب ایک اپاہج شخص کی حیثیت سے زندگی گزاروں گا؟" اس نے اپنے اہل خاندان سے سوال کیا تھا۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں بیٹے۔"

"میں کر سکتا ہوں۔"

"کیا کرو گے؟"

"کر کے دکھاؤں گا، اس وقت بتاؤں گا۔"

اس کے بعد اس نے اپنے زخم ٹھیک ہونے کا انتظار کیا۔ اٹھارہ ملکوں میں اپنے کارناموں کے دوران اس نے بہت سے کام کے دوست بنائے تھے جن میں ناٹا رائے کا نام بھی شامل تھا۔ ناٹا رائے ہزاروں خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ ایک اعلیٰ سائنس دان تھا، اعلیٰ شاعر تھا اور بہت ہی خوش مزاج اور ہمدرد انسان تھا۔

"میں مصنوعی ٹانگ لگوانا چاہتا ہوں" سنگرام سنگھ نے اپنے دوست ناٹا رائے سے کہا۔

اور ناٹا رائے مسکرا دیا پھر بولا۔

''میں اس بارے میں لندن کی ایک ایسی فرم سے بات کر چکا ہوں جو مصنوعی اعضاء بنانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

''انھوں نے کیا کہا؟''

''فرم کے نمائندے دو تین دن میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔''

''یہاں؟'' سنگرام سنگھ نے حیرت سے کہا۔

''ہاں میں نے انھیں بلایا ہے'' نانا رائے نے کہا اور میجر سنگرام سنگھ تشکرانہ نگاہوں سے اپنے اس مخلص دوست کو دیکھنے لگے۔

خصوصی ٹانگ لگ گئی اور میجر اس سے چلنے کی مشق کرنے لگا۔ دن میں وہ سب کے سامنے یہ مشق کرتا تھا لیکن رات کو وہ کہاں جاتا یہ کسی کو نہیں معلوم تھا البتہ اس نے سب سے پہلے نانا رائے کو ہی سرپرائز دیا، جب اس نے ریس کے ایک میدان میں نانا رائے کو دوڑ کر دکھایا۔ نانا رائے ناقابل یقین نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میجر نے اتنے کرتب دکھائے کہ نانا رائے نے سر پکڑ لیا۔ پھر میجر سنگرام سنگھ ملٹری افسران کے سامنے پہنچ گیا۔

''میں اپنا عہدہ واپس لینا چاہتا ہوں۔''

''آپ بدستور میجر ہیں میجر سنگرام سنگھ!''

نہیں جناب میں اپنی ڈیوٹی جوائن کرنا چاہتا ہوں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے میجر۔''

تب میجر نے بہترین گھوڑ سواری کر کے، بہترین سوئمنگ کر کے، اور وہ سارے مراحل طے کر کے دکھائے جو فوجی زندگی کے لیے ضروری ہوتے ہیں اور فوجی حکام دنگ رہ گئے۔ ایک اہم میٹنگ ہوئی اور افسران نے فیصلہ دیا کہ بے شک میجر سنگرام سنگھ بڑے بڑے سورماؤں سے زیادہ ایکٹیو ہے لیکن فوج کے قانون میں ایسی گنجائش نہیں ہے کہ کسی اپاہج کو اس کی ڈیوٹی پر برقرار رکھا جائے۔

یہ فیصلہ میجر کو سنا دیا گیا۔ تب میجر نے ایک اور فیصلہ کیا اس نے ایک سرکاری اجازت نامہ حاصل کیا اور اپنا پرائیویٹ جاسوسی کا دفتر کھول کر بیٹھ گیا۔ خصوصی اجازت نامے کے تحت اسے ہر طرح سے پولیس اور دوسرے سرکاری محکموں کا تعاون حاصل تھا۔

اپنے اس دور کو بھی اس نے بخوبی نبھایا اور بہت مختصر وقت میں اس نے بے پناہ نام

کمایا۔ محکمہ پولیس سے اسے ایک لیڈی سارجنٹ ملی تھی جس کا نام پورنیا تھا لیکن میجر اس خوبصورت اور پھرتیلی لڑکی کو پورنا کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک انتہائی کارآمد نوجوان پردیپ کو اپنا اسسٹنٹ مقرر کیا اور دونوں کو بہترین تربیت دینے لگا۔

بہت ہی مختصر وقت میں میجر سنگرام سنگھ کے نام کا ڈنکا بجنے لگا، اور مشکل ترین کیسز میں پولیس بھی اس سے مدد لینے لگی۔ پولیس کے بڑے بڑے عہدے دار خفیہ طور پر اس سے ملاقات کر کے پیچیدہ کیسوں میں اس سے مدد مانگتے تھے، اور وہ ان کی مشکل منٹوں میں حل کر دیا کرتا تھا۔

اس دن بھی وہ اپنے دوست نانا رائے کے ساتھ بیٹھا خوش گپیاں لگا رہا تھا کہ اس کا اسسٹنٹ پردیپ اندر داخل ہو گیا۔

''جی مسٹر پردیپ فرمائیے؟'' میجر نے اسے شرارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پردیپ کسی قدر بوکھلا سا گیا۔

''سر.........وہ۔''

''کوئی شعر سنانا چاہتے ہیں آپ، اس وقت دراصل شعر و شاعری کی محفل ہی لگی ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہو جائے۔''

نہیں سر وہ۔ ایک راجہ صاحب آئے ہیں۔''

''راجہ؟'' میجر کے بجائے نانا رائے نے کہا۔

''آج کل راجے کہاں ملتے ہیں اب تو بس رات کے راجے رہ گئے ہیں۔'' میجر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ یا اندھوں میں کانے راجہ ملتے ہیں۔'' نانا رائے بولا۔ دونوں دوست ہنسنے لگے تو پردیپ جھینپ گیا۔ اس نے اپنی خفت مٹانے کے لیے کہا۔

''میں سچ کہتا ہوں کہ آپ سے ایک راجہ صاحب ملنے آئے ہیں۔''

''کہاں ہیں؟''

''گیٹ پر کار روکے کھڑے ہیں۔''

''کیوں؟ تم ان کو اپنے ساتھ لے آتے۔'' میجر نے کہا۔

''میں نے تو بہت اصرار کیا مگر وہ بہت ہی مہذب معلوم ہوتے ہیں۔ کہنے لگے کہ

میں وقت مقرر کیے بغیر چلا آیا ہوں۔ اس لیے اجازت کے بغیر ملنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہونہہ!" میجر کچھ سوچنے لگا۔

"ان کی کار کیسی ہے؟"

"پرانے ماڈل کی ہے مگر اس کی آن بان اب بھی باقی ہے۔"

"ان کو اندر لے آؤ۔"

اجنبی واقعی ایک راجہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ریشمی پگڑی باندھ رکھی تھی جس میں ایک ہیرا جگمگا رہا تھا۔ اس کے گلے میں موتیوں کا ہار تھا۔ کانوں میں گول گول بالیاں تھیں۔ سفید براق کرتہ گھٹنوں تک جھول رہا تھا۔ چوڑی دار پاجامہ پنڈلیوں پر خوب کسا ہوا تھا۔ پیروں میں طلے دار جوتی تھی۔ وہ ایک وجیہہ نوجوان تھا۔ سرخ سپید چہرہ۔ اس کی عمر اٹھائیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے خدوخال بہت ہی جاذب نظر تھے۔ اس کی چال میں تمکنت تھی۔ وہ بڑی شائستگی سے میجر کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔ پورنا بھی اس عجیب وغریب نوجوان کو دیکھ کر اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔ وہ نوجوان بہت ہی بے باک نظر آتا تھا اس نے گرمجوشی سے مصافحے کے بعد خود ہی اپنا تعارف کرایا۔

"میں ٹھاکر ویر سنگھ ہوں یہاں سے پچھتر کلومیٹر دور میری جاگیر ہے، چار گاؤں ساتھ ہی ساتھ ہیں اور میں ان کا مالک ہوں۔ جس گاؤں میں میری حویلی ہے اس کا نام جنا گڑھ ہے۔ میں میجر سنگرام سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

وہ نانا رائے اور میجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ ان میں میجر کون ہے۔

"فرمایئے۔ میں حاضر ہوں۔" میجر نے ایک کرسی اسے بیٹھنے کے لیے پیش کرتے ہوئے کہا۔ نوجوان کرسی پر بیٹھ گیا لیکن پورنا کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اور تعظیماً سر جھکا کر حیرت سے پورنا کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ میری اسسٹنٹ سارجنٹ پورنا ہیں۔" میجر نے کہا۔ نوجوان ٹھاکر نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کی پورنا یعنی پورنا نے بھی نمستے کا جواب نمستے سے دیا۔ جب تک وہ بیٹھ نہ گئی ٹھاکر ویر سنگھ کھڑا رہا۔ میجر تاڑ گیا کہ اس کا کسی ان پڑھ جاگیردار سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

میجر نے نانا رائے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے دوست نانا رائے ہیں۔ پرماتو شکتی کمیشن میں ایک ری ایکٹر کے انچارج بھی ہیں۔"

"آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔" ٹھاکر ویر سنگھ نے دوبارہ اٹھ کر نانا رائے سے ہاتھ ملایا اور پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ اس نے اپنے ماتھے پر سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا "یہاں آ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گیا ہوں۔"

"محفوظ ہاتھوں میں، کیا آپ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے؟ کیا آپ کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں؟" نانا رائے نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" ٹھاکر ویر سنگھ نے کہا اور پھر اس نے میجر کی طرف سے منہ پھیر کر کہا "میں غائبانہ طور پر آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں پورے تین دن سے یہ ارادہ باندھ رہا ہوں کہ مجھے جا کر آپ سے ملنا ہے لیکن یہ سوچ کر اپنا ارادہ ترک کرتا رہا کہ اگر میں آپ سے اپنی کہانی بیان کروں گا تو آپ میرا مذاق اڑائیں گے لیکن اب حالات کچھ ایسی ڈراؤنی صورت اختیار کر چکے ہیں کہ مجھے ہمت کرنی ہی پڑی۔ میرا نام بھی ویر سنگھ ہے۔" نوجوان ٹھاکر نے اپنی بات میں ظرافت کا رنگ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں دو روز سے برنا گڑھی میں آیا ہوا ہوں۔ اپنے خاندانی وکیل ہرنام سنگھ کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں انہی سے آپ کا پتہ ملا۔"

"اس سے پہلے کہ آپ اپنی کہانی بیان کریں میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کو پریشانی کیا ہے۔ کیا آپ ایسے مسئلے سے دوچار ہیں جس میں میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

"میں تو آپ کی مدد کی امید لے کر ہی آیا ہوں؟ اب رہا وہ مسئلہ جس سے دوچار ہوں، تو پہلی نظر میں وہ مسئلہ آپ کو مضحکہ خیز نظر آ سکتا ہے لیکن جب آپ اس پر غور کریں گے تو آپ میرے ہم خیال ہو جائیں گے" کہ معاملہ سچ میں گمبھیر ہے۔"

"معاملہ گمبھیر تھا تو آپ مقامی پولیس سے رجوع کر سکتے تھے۔"

"نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میرے گاؤں سے چند میل دور بستی ناگ گڑھ ہے۔ وہاں پولیس تھانہ بھی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر میں وہاں پولیس افسروں سے ملا ہوتا تو وہ

میری بات سن کر مجھے پاگل قرار دے دیتے۔ ٹھہریئے، میں اپنی اس بات کی وضاحت کرتا ہوں۔ اگر میں اچانک مرجاؤں اور میری موت ایک حادثہ نظر آئے تو آپ براہِ کرم یہ تحقیق کرنے کی کوشش کریں گے کہ مجھے کہیں قتل تو نہیں کیا گیا۔"

"کیا آپ کو یہ خیال ہے کہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔"

"ہاں۔" ٹھاکر ویر سنگھ نے اداس لہجے میں کہا۔ "پہلے میں بھی اپنے اس خیال کو ایک وہم سمجھتا تھا لیکن کچھ دنوں سے یہ وہم ایک حقیقت بنتا جا رہا ہے۔"

"اور وہ شخص کون ہے جو آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے؟"

"یہی تو مصیبت ہے کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا۔ میں آپ سے صرف اتنی درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میں اچانک مرجاؤں تو آپ میرے قاتل کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ اور اسے پھانسی کے پھندے پر لٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ اب میرے حالات بہت بدل چکے ہیں۔ تین مہینے ہوئے میرے بھائی کو قتل کر دیا گیا تھا۔ میرے بڑے بھائی ٹھاکر بلرام سنگھ کو۔ بڑے بھائی کی موت کے بعد میں جاگیر کا وارث بن گیا ہوں اور ٹھاکر کا لقب میرے حصے میں آ گیا ہے۔ یہ ہمارے خاندان کی ریت ہے کہ جب کوئی جاگیر کا وارث بنتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ٹھاکر کہلا سکتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔ یقین جانئے میں یہ ٹھاکر کا لقب پا کر بہت پریشان ہوں۔"

پورنا اور نارائے بڑی حیرت سے اس نوجوان کی باتیں سن رہے تھے۔

"آپ پریشان کیوں ہیں؟"

"اس لیے کہ ہمارے خاندان میں ٹھاکر کے لقب سے ایک بددعا بھی وابستہ ہے۔ میں اپنے خاندان کا اکیسواں ٹھاکر ہوں اور شاید آخری بھی۔"

"آپ یہ بات کیا کہہ رہے ہیں" میجر نے کہا "ابھی تک آپ کی تمام باتیں میرے لیے معمہ ہیں ٹھاکر صاحب!"

"ضرور ہوں گی، میجر صاحب! لیکن مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے۔ میں مرنا نہیں چاہتا، میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ شادی کے لیے یہی عمر تو بہترین ہوتی ہے۔"

"جی ہاں! لیکن میں اپنی خاندانی بددعا کا کیا کروں؟ آپ ہی کہیے کیا آپ یہ جانتے ہوئے کسی لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں کہ وہ بہت جلد بیوہ ہو جائے گی اور یہ جانتے ہوئے کہ اگر اس لڑکی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔"

میجر اس نوجوان کی باتوں پر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ایک لمحہ کے لیے وہ اسے واقعی پاگل نظر آیا لیکن فوراً ہی اس نے اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ ٹھاکر نے ابھی تک کوئی احمقانہ بات نہیں کی تھی۔ میجر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "آپ بار بار قتل کا لفظ کیوں استعمال کر رہے ہیں؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں تو پھر میں یہ کہانی زیادہ وضاحت سے بیان کر سکوں گا۔ آپ اس ماحول میں یہ کہانی اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔"

"یہاں سے آپ کی جاگیر کتنی دور ہے؟"

"پچھتر میل۔ میرے چار گاؤں ہیں۔ اُن کے گرد جنگلات ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری کہانی بہت ہی عجیب ہے۔ میرے بڑے بھائی کی موت نے میرے لیے پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ شادی کے خیال نے معاملے کو زیادہ الجھا دیا ہے۔"

"کیا آپ کو کوئی قتل کی دھمکی دے رہا ہے؟"

"نہیں کوئی نہیں۔"

"تو پھر آپ پریشان کیوں ہیں؟" میجر نے پوچھا۔

"کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں اپنے گھر سے فرار بھی ہو جاؤں تو خاندانی بددعا میرا پیچھا کرے گی، جس طرح رات دن کا تعاقب کرتی ہے۔ اگر میرے ہاں کوئی بیٹا پیدا ہوا تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔"

"آپ پھر وہی قتل کی بات کہہ رہے ہیں۔" نارائے بولا۔

"آپ کو یا آپ کے بیٹے کو قتل کون کرے گا؟" میجر نے پوچھا۔

"یہی تو جانتا نہیں ہوں۔ اسی لیے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ ایک نامور سراغ رساں ہیں آپ پاتال کی خبر لا سکتے ہیں۔ اگر آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں تو میں اس مسئلے کی عکاسی کر سکتا ہوں۔ جس سے میں دوچار ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ اگر میرے گھر

چلیں گے تو میں آپ کی اچھی خاطر تواضع نہیں کر سکوں گا۔"

"کیا آپ اکیلے رہتے ہیں؟"

"نہیں میرا ایک بوڑھا نوکر ہے۔ میں اس پر اعتماد کر سکتا ہوں۔ وہ آپ کو جو پیش کرے گا اسے آپ ناپسند نہیں کر پائیں گے۔"

میجر نے سگریٹ سلگایا اور ایک لمبا کش لگاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی باتوں نے میرے اشتیاق کو دو چند کر دیا ہے۔ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ کو یہ یقین دلانا ہوگا کہ آپ مجھے کہیں اندھیرے میں شکار کے لیے تو نہیں لے جا رہے ہیں؟"

نوجوان ٹھاکر مسکرایا۔ "مجھے آپ کے وقت کو ضائع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک مضحکہ خیز معاملہ نہیں ہے۔ اگر آپ میری اس دعوت کو ٹھکرا دیں گے تو ایک دن یقیناً آپ کو میری یہ گفتگو یاد آئے گی اور آپ کا ضمیر آپ کو ہمیشہ کچوکتا رہے گا۔"

"کیا آپ نے اپنی کہانی کسی اور سے بھی بیان کی ہے۔"

"کسی سے نہیں۔"

"آپ میری مدد کیا اس طرح حاصل کریں گے جس طرح ایک انسان انسان سے حاصل کرتا ہے، یا یہ ایک کاروباری سمجھوتہ ہوگا۔"

"دونوں باتیں ہو سکتی ہیں" ٹھاکر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب۔ ہم کل سہ پہر کو تین بجے آپ کے ہاں پہنچ جائیں گے۔ میں اکیلا نہیں آؤں گا میرے ساتھ سارجنٹ پورنا ہوگی اور میرا اسسٹنٹ پردیپ بھی۔"

"آپ ٹرین سے آئیں گے یا کار سے؟" ٹھاکر نے پوچھا۔

"کار سے۔"

"میں انتظار کروں گا۔"

یہ کہہ کر ٹھاکر دیر سنگھ رگی آداب بجالانے کے بعد چلا گیا۔

"یہ جاگیردار اور دولت مند لوگ سنکی ہوا کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم وہاں

جائیں تو جگ ہنسائی ہو۔" تا تارائے نے کہا۔

"کیا آپ بھی چلیں گے۔"

"ہاں سوچ تو رہا ہوں۔ اگر نوجوان ٹھاکر کی بات سچی ہے تو پھر اس کی کہانی واقعی دلچسپ ہوگی۔ کسی انوکھی بات کے لیے میں چھٹی لے سکتا ہوں۔"

"تو چلیے۔ اگر ٹھاکر کی بات غلط بھی ثابت ہوئی تو ذرا تفریح ہی رہے گی۔ کبھی کبھی آدمی کو کسی نئے ماحول میں بھی چند روز بسر کرنے چاہئیں۔"

"جی ہاں۔ ایک بڑے شاعر کا یہ شعر ضرب المثل ہے۔

"اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے"

یہ کہہ کر تا تارائے نے پورنا کی طرف دیکھا جو اپنی کرسی پر کسمسانے لگی تھی۔ میجر نے پورنا کی کسمساہٹ کو بھانپتے ہوئے مزید لطف لینے کی غرض سے کہا۔

"یہ شعر کیا ضرب المثل ہے۔ ہمارا شعر سنئے جو بوڑھوں کی زبان پر چڑھ کر بچوں کی زبان پر چڑھتا جا رہا ہے اور ان بچوں کے بچوں کی زبان پر چڑھے گا۔ عرض کیا ہے۔

مرغا تو کھایا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی
بھنا تنک لگا کے سر راہ کھائیے

دونوں دوست ہنسنے لگے۔ بات ایک ہی ہے، ایک اونچی سطح کی ہے اور دوسری نچلی سطح کی۔ دونوں شعروں کا یہی مفہوم ہے کہ آدمی کو ایک ہی ڈگر پر نہیں چلنا چاہیے۔

"یہ بات پورنا کو سمجھائیے جسے شاید گاؤں میں جا کر رہنا پسند نہیں آئے گا۔" میجر نے کہا جسے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ پورنا کہیں جنا گڑھ جانے سے انکار نہ کر دے۔

"کیوں پورنا ہمارے ساتھ چلو گی نا؟" تا تارائے نے پوچھا جو پورنا سے کافی بے تکلف ہو چکا تھا۔

"چلوں گی۔ مگر ایک شرط پر۔" پورنا نے جھلا کر کہا۔

"کس شرط پر؟"

"آپ لوگ وہاں شعر نہیں سنائیں گے؟"

"مار ڈالا۔" میجر نے اچھلتے ہوئے کہا۔ "شعر تو ہمارے لیے ٹانک کا کام دیتا ہے۔
پورنا یہ سراسر ظلم ہے۔ بچے کے منہ سے لالی پوپ چھیننے کے برابر ہے۔"
سنجیدگی کے باوجود پورنا کے منہ سے بے اختیار ہنسی نکل گئی۔

☆☆☆

میجر سنگرام سنگھ کی کار اگلے دن سہ پہر کو ٹھیک ڈھائی بجے بستی ناگ گڑھ پہنچ گئی۔ اب جنا گڑھ تک صرف آدھ گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ ناگ گڑھ میں انھوں نے ایک حلوائی کی دکان پر کچوریاں کھائیں۔ گرم گرم دودھ پیا۔ ایک مدت کے بعد باہر کھانا کھانے کا انھیں بہت مزہ آیا۔

ناگ گڑھ تک تو سڑک بہت اچھی تھی۔ جنا گڑھ کی جو سڑک شروع ہوئی وہ بہت اوبڑ کھابڑ تھی۔ اتنے ہچکولے لگے کہ ان کی پسلیاں درد کرنے لگیں۔ مگر دیہات کا منظر بہت دلفریب تھا۔ برگد اور املتاس کے پرانے پیڑ ایک عجیب سماں باندھ رہے تھے۔ آخر کار جنگل شروع ہو گیا۔ کار کو بڑی احتیاط کے ساتھ جنگل سے گزرنا پڑا۔ کار جب جنگل سے نکلی تو پرانے مندر کی طرز تعمیر جیسا ایک بہت بڑا پھاٹک نظر آیا جو لال پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ پھاٹک کے اندر چاروں طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ پھاٹک سے کافی دور سہ منزلہ حویلی تھی۔

کار کی آواز سن کر ٹھاکر ویر سنگھ حویلی کے برآمدہ میں نمودار ہوئے انھیں دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ انھوں نے ایک بہت ہی نفیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ اب وہ واقعی ایک انگریز معلوم ہوا۔ کار پگڈنڈی سے ہوتی ہوئی برآمدہ میں جا کر رک گئی۔

"نمستے۔ آپ اپنے وعدے کے مطابق پہنچ گئے۔" ٹھاکر ویر سنگھ نے کہا۔

سب نے ان کو نمستے کی۔

"اچھا تو آپ یہاں رہتے ہیں۔" میجر نے پُرشکوہ حویلی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ میرا گھر ہے۔" ٹھاکر ویر سنگھ نے جواب دیا۔

"کیا آپ اس کی مرمت نہیں کرواتے۔" میجر نے دوسری منزل پر چند اکھڑی ہوئی اینٹیں دیکھ کر کہا۔

"مرمت۔ اس حویلی کی مرمت کے لیے کم سے کم بیس ہزار روپیہ سالانہ چاہیے۔

میرے پاس اتنی دولت نہیں ہے۔"

"آپ راجہ ہیں۔ اور آپ کے پاس دولت نہیں ہے؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کہ میں دولت مند نہیں ہوں۔"

"اگر باقاعدگی سے اس کی مرمت نہیں ہوئی تو ایک دن یہ دھڑام سے نیچے آ رہے گی۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں، مجبور ہوں۔"

"آپ اسے بیچ کیوں نہیں دیتے۔"

"میں اسے بیچ بھی نہیں سکتا۔"

"کیوں؟"

"آپ جب میری پوری کہانی سن لیں گے تو سب کچھ سمجھ جائیں گے۔"

"آپ کا خاندان کب سے اس حویلی میں رہتا آیا ہے؟"

"بہت سالوں سے۔"

میجر کے ہونٹوں سے بے ساختہ ہنسی کی آواز نکل گئی۔ "اس حویلی میں کل کتنے کمرے ہیں؟"

"چھتیس، ویسے میں نے کبھی گنے نہیں۔ اور میں نے تمام کمرے دیکھے بھی نہیں ہیں۔"

"آپ کے نوکر کتنے ہیں۔ کیا نوکر ان کمروں کو صاف نہیں کرتے؟"

"میرا صرف ایک ہی نوکر ہے۔ بوڑھا سری رام۔ اس حویلی کے کئی کمرے برسوں سے بند پڑے ہیں۔ سری رام اکیلا اتنے کمرے صاف نہیں کر سکتا۔"

"آپ چار گاؤں کے مالک ہیں۔ ان کی کل ملا کر کتنی زمین ہوگی؟"

"چھ سو ایکڑ۔"

"کیا وہ گاؤں اتنے چھوٹے ہیں؟"

"جی ہاں۔ آپ یہ سب کچھ بعد میں پوچھیے گا۔ پہلے اندر تو چلیے۔" ویر سنگھ نے حویلی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر صاحب ان کو بہت بڑے کمرے میں لے گئے۔ جو بیٹھک بھی تھا اور خوابگاہ بھی۔ دیواروں پر دو دو جن کے لگ بھگ بڑی بڑی تصویریں ٹنگی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے چہروں

اور لباسوں سے راجے معلوم ہوتے تھے۔ ایک کونے میں مسہری نما بہت بڑا پلنگ تھا۔ وہ پلنگ بجائے خود ایک چھوٹی سی حویلی تھا۔ کمرے کے دوسرے کونے میں مخمل کے ڈوروں والا جھولا تھا۔ سامنے کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک اسٹیج سا بنا ہوا تھا جس پر گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ ٹھاکر ویر سنگھ نے ان سب کو اس اسٹیج پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

دو دیواروں کے اندر بڑی بڑی الماریاں لگی ہوئی تھیں۔ ان الماریوں میں پرانی اور نئی وضع کے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔

"آپ کی کل سالانہ آمدنی کتنی ہے؟" میجر نے گاؤ تکیے پر ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

اتنے میں میجر کا اسسٹنٹ پردیپ بھی اندر آ گیا جو کرو کوڈائل کو کسی موزوں درخت کے ساتھ باندھنے چلا گیا تھا۔ میجر نے اشارے سے پردیپ کو اپنے پاس بلا لیا اور اپنے سوال کے جواب کے لیے ویر سنگھ کی طرف دیکھنے لگا۔

"دو لاکھ روپے سالانہ سے زیادہ نہیں ہے۔" ٹھاکر نے کہا۔

"اتنی آمدنی میں تو آپ اس قدر ٹھاٹ باٹ قائم نہیں رکھ سکتے۔"

"جی ہاں۔"

"تو پھر آپ اس حویلی میں رہتے کیوں ہیں؟"

"مجھے یہاں رہنا پڑتا ہے۔ میری کہانی میں یہ بات بھی آئے گی۔"

"یہ حویلی کس نے بنوائی تھی؟"

"راجہ بھیم دیو کرنے بنوائی تھی۔ وہ یہاں شکار کھیلنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر وہ ایک دن اکیلے ہی جنگل میں نکل گئے۔ ان کا گھوڑا جب ان کو واپس لایا تو وہ اس کی پیٹھ پر اوندھے منہ پڑے تھے۔ ایک تیر ان کی پیٹھ میں گڑا ہوا تھا۔ وہ مر چکے تھے۔"

"کیا آپ مجھے یہ تو بتانا نہیں چاہتے کہ راجہ بھیم دیو کا بھوت آج بھی یہاں منڈلاتا رہتا ہے؟"

"منڈلاتا ہوگا۔ مگر میں نے ان کا بھوت کبھی دیکھا نہیں ہے۔ ان کا بھوت ہمارے سامنے آنے سے گریز کرتا ہے۔"

ایک ستر برس کا بوڑھا اپنے دونوں ہاتھوں میں چاندی کی بہت بڑی ٹرے لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اتنی عمر کے باوجود اس کی کمر سیدھی تھی۔ اس کا قد چھ فٹ سے

زیادہ وہ لمبا تھا۔ اس کا ڈیل ڈول پہلوانوں کے ڈیل ڈول کو بھی مات کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک بھی جھری نہیں تھی۔ اس کی بھنوئیں سفید تھیں۔ مگر بھنوؤں کے نیچے آنکھوں میں چمک ابھی تک باقی تھی۔ ٹرے میں بہت سی چیزیں اور چائے کا سامان تھا۔ چائے کی کیتلی چاندی کی تھی۔ جس کا ہینڈل کالے ہاتھی دانت کا تھا۔ پیالیاں چینی مٹی کی تھیں جو سنائی کا بہترین نمونہ تھیں۔

''سری رام بابا کیا لائے ہو؟'' ٹھاکر نے پوچھا۔

''چائے ہے۔ حضور! شاہی سموسے ہیں اور ارد کی دال کا حلوہ ہے۔''

''خوب۔ تم بہت سمجھدار ہو بابا!''

''سمجھداروں میں اپنی عمر جو کاٹ دی ہے۔'' سری رام بابا نے اسٹیج کے اوپر خالی جگہ پر ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔ ٹھاکر ویر سنگھ پورنا کی طرف دیکھنے لگے۔ پورنا ان کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی عورت چائے تیار کرکے سب کو پلائے۔ وہ چائے بنانے لگی۔

میجر کو حلوہ اور سموسے مرغوب نہیں تھے۔ اس لیے وہ طشتری کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ سری رام ایک کونے میں جاکر کھڑا ہو گیا تھا۔

''آپ کھانے پینے کا سامان تو بستی ناگ گڑھ سے لائے ہوں گے۔'' تارا نے پوچھا۔

''جی ہاں میں کار میں ایک ہفتہ میں دو بار وہاں جاتا ہوں۔''

میجر اپنے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ بے خیالی میں اس نے طشتری میں سے ایک سموسہ اٹھالیا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈال لیا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارا سموسہ کھا گیا۔ اور طشتری میں سے دوسرا سموسہ اٹھالیا۔ کہاں وہ ایک سموسہ بھی نہیں کھانا چاہتا تھا اور کہاں اب تک وہ چار سموسے کھا چکا تھا پورنا حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چائے بنا کر جب پورنا نے سموسہ کھایا تو وہ بھی اسے ختم کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''بابا تم سموسے کیا بناتے ہو غضب ڈھاتے ہو۔'' میجر نے کہا۔ ''ایسا سموسہ تو بڑے بڑے ہوٹل میں بھی نہیں مل سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا بھر کی لذتیں اس سموسے میں جمع کر دی گئی ہوں۔''

ٹھاکر ویر سنگھ میجر کی اس تعریف پر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے بلند آواز میں کہا۔

''بابا سری رام اندر آؤ اور ان کو بتاؤ کہ تم ہمارے گھر میں نوکر کیسے ہوئے تھے؟''

''حضور میں یہ قصہ اتنی بار مہمانوں کو سنا چکا ہوں کہ اب اسے دہراتے ہوئے شرم آتی ہے۔'' سری رام بابا نے قریب آ کر کہا۔ ''مگر مالک کا حکم کون ٹال سکتا ہے۔ میں خانساماں کی نوکری کی تلاش میں تھا۔ بڑے ٹھاکر صاحب یعنی مالک کے دادا جی نے مجھے دیکھا تو ان کو اعتبار نہ آیا کہ میں خانساماں بھی ہو سکتا ہوں۔

بہر حال انھوں نے مجھے آزمانے کی ٹھان لی۔ حکم ہوا کہ میں رسوئی میں جا کر دوپہر کا کھانا تیار کروں، سب سے پہلے وہ کھا کر دیکھیں گے۔ حضور کھانا پک گیا۔

ٹھاکر صاحب کھانے کے لیے بیٹھ گئے میں نے نوکرانی کے ہاتھ تھالی پروس کر بھجوائی۔

تھالی میں صرف دال کی کٹوری اور پراٹھے تھے۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ رسوئی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہی ہوا جس کی مجھے امید تھی۔ بڑے ٹھاکر صاحب نے بار بار دال منگوائی حتیٰ کہ ان کا پیٹ بھر گیا۔ وہ رسوئی میں آئے اور بولے۔

''میں تو صرف دال ہی کھاتا رہا۔ باقی چیزیں جو تم نے پکائی ہوں گی وہ تو پڑی رہ گئیں۔ میں نے صرف ایک ہی برتن ان کے آگے رکھ دیا جس میں دال تھی اور کہا۔ ''میں نے اور کچھ نہیں بنایا سرکار صرف دال ہی بنائی تھی اور اس یقین کے ساتھ بنائی تھی کہ آپ اس کے سوا اور کوئی چیز مانگ نہیں سکیں گے۔ میری پیٹھ پر بڑے ٹھاکر نے تھپکی دی اور اسی دن سے میں اس گھر کا ملازم چلا آ رہا ہوں۔'' سری رام بابا نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ میجر کی نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی تو وہ حیرت سے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگا۔ سری رام بابا نے میجر کی آنکھیں اپنے ہاتھوں پر جمی ہوئی دیکھی تو اس نے اپنے ہاتھ فوراً پیٹھ کے پیچھے چھپا لیے۔

چائے ختم ہو گئی۔ اور سری رام بابا ٹرے میں برتن سمیٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے جاتے ہوئے میجر پر تجسس آمیز نظریں ڈالی تھیں۔

چند منٹ تک خاموشی طاری رہی۔ ٹھاکر نے سکوت توڑتے ہوئے کہا'' میجر صاحب آپ تو وہم پرست تو نہیں ہیں۔

''بالکل نہیں۔'' میجر نے جواب دیا۔

''میں بھی نہیں ہوں۔ کیا آپ اتفاق اور اتفاقی مطابقت پر یقین رکھتے ہیں۔'' ٹھاکر

صاحب نے دوسرا سوال کیا۔

"زیادہ نہیں مگر کسی حد تک!" میجر نے جواب دیا۔ "لیکن آپ مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"اس لیے کہ آپ کو یہاں توہمات پر یقین لانا ہوگا نا اتفاقات پر۔"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ کو اپنی کہانی بیان کر دینی چاہیے۔" میجر نے کہا۔

"ہاں میری کہانی لمبی ہے۔ میں پہلے ہی سے آپ کو خبردار کردوں کہ آپ کو میری کہانی پر اعتبار نہیں آئے گا۔"

"کہانی لمبی ہے تو کیا ہوا۔ ہم تو یہاں اپنا بوریا بستر ساتھ لے کر آئے ہیں۔" تاتا رائے نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ میں اپنی کہانی سناؤں میں چاہتا ہوں کہ آپ ان واقعات کی فضا سے مانوس ہو جائیں جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آپ دیواروں پر نظر ڈالیے یہ تمام تصویریں میرے بزرگوں کی ہیں۔"

"جی ہاں۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے اس بات کا علم ہو گیا تھا۔"

"یہ تصویریں ہمارے خاندان کی چار سو آٹھ برس کی تاریخ کا مرقع ہیں۔ پہلی تصویر میرے اس بزرگ کی ہے جس کی قسمت کا ستارہ چمکا اور مقامی مہاراجہ دوارکا ناتھ نے جسے راجہ کا خطاب دیا اور دو گاؤں انعام میں دیے۔ باقی دو گاؤں میرے دوسرے بزرگوں نے حاصل کیے۔ آپ ان تصویروں میں ایک عجیب بات دیکھیں گے۔ زمانے کے مطابق ان کے لباس تبدیل ہوتے رہے ہیں مگر ان کے چہروں میں آپ کو زیادہ فرق نظر نہیں آئے گا۔ ایک بات ان سب کے چہروں میں مشترک ہے اور وہ ہے غم، رنج و ملال۔ ان سب ہی بزرگوں کا بڑا بیٹا بڑی اندوہ ناک موت سے دوچار ہوتا تھا۔ میرے بڑے بھائی کا بھی یہی انجام ہوا۔ ہم اسے خاندانی بددعا کا نام دیتے چلے آ رہے ہیں۔"

ٹھاکر ویر سنگھ کے اس بیان پر وہاں موجود لوگوں کے دل بھی افسردہ اور ملول ہو گئے۔

☆☆☆

چند لمحوں کے توقف کے بعد ٹھاکر ویر سنگھ نے اپنی کہانی شروع کی۔ "میرے خاندان کی اصل تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب راجوں اور مہاراجوں کے درمیان حسد و رقابت کی ایک نفرت انگیز لہر چل رہی تھی۔ بڑے بڑے راجا چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور جاگیروں کو ہڑپ کرنے کی ٹوہ میں رہتے تھے۔ یہ باہمی لڑائیوں کا دور تھا۔ شمشیر زنی، تیر اندازی اور شہسواری ایک ممتاز ترین پیشہ سمجھی جاتی تھی۔ مغل شہنشاہ ان باہمی جھگڑوں سے فائدہ اٹھا رہے تھے اور اپنی سلطنت کی سرحدوں کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جا رہے تھے۔ عجیب زمانہ تھا۔ ذاتی خواہش اور رنجش کی بنا پر جنگ چھڑ جاتی تھی۔ انسانوں کو سنگدلی سے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ ان کو ذرا ذرا سی بات پر پھانسی دے دی جاتی تھی۔ غداریوں، ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی وبا عام تھی۔

بعض اوقات بھائی بھائی سے اور بیٹا باپ کے خلاف لڑتا تھا۔ جنگ آخر دم تک لڑی جاتی تھی۔ کوشش یہی ہوتی تھی کہ دوسرے فریق کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دیا جائے۔ دشمن کو بہت کم قیدی بنایا جاتا تھا۔ اسے تیغ پر رکھ لیا جاتا تھا۔ اس کا سینہ تیروں سے باندھ دیا جاتا تھا۔ رحم و کرم کو کمزوری تصور کیا جاتا تھا۔

راجہ دوارکا ناتھ کافی بڑے علاقے پر حکمرانی کرتے تھے۔ مگر ان کا علاقہ مہاراجہ نجوگ کی نظروں میں ہمیشہ کھٹکتا رہتا تھا۔ وہ دوارکا ناتھ کے خوشحال علاقے کو غصب کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ اندر ہی اندر تیاریاں کر رہے تھے۔ مہاراجہ نجوگ کی نیت میں فتور تھا اور وہ اپنی طاقت بڑھا کر مغل شاہی خاندان سے سودا کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ مغلوں کی اطاعت قبول کر لینے سے ان کا اپنا اقتدار قائم رہے۔

دوارکا ناتھ، مہاراجہ نجوگ کی اس چال سے آگاہ تھے۔ ایک فیاض، ذہین اور بہادر سپاہی تھے۔ بظاہر مہاراجہ نجوگ کے ساتھ تھے لیکن در پردہ وہ محتاط رہتے تھے۔ میرا یہ بزرگ

بھی جس کا نام جیون سنگھ تھا مہاراجہ تجوگ کی فوج میں پانچ سو سپاہیوں کی کمان کرتا تھا۔ مہاراجہ تجوگ کی حرص وہوس رنگ لائی اور اس نے راجہ دوارکا ناتھ پر حملہ کر دیا۔

''یہاں سے پچاس میل دور گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس میں سینکڑوں جاگیردار مارے گئے۔ دن بھومی انسانوں کے لہو سے سرخ ہوگئی۔ عین اس وقت جب کہ راجہ دوارکا ناتھ کی شکست یقینی نظر آ رہی تھی پانسہ پلٹ گیا۔ بہت سے جاگیردار اور بہادر جرنیل اپنی اپنی فوجوں کے ہمراہ راجہ دوارکا ناتھ سے جا ملے کیونکہ وہ مغل شہنشاہوں کے غلام اور باجگوار بننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ میرا یہ بزرگ جیون سنگھ بھی ان جرنیلوں میں شامل تھا جو راجہ دوارکا ناتھ سے جا ملے تھے۔

راجہ تجوگ کو ابھی اس حادثے کا علم نہیں تھا کہ اس کے بہت سے ساتھی اسے چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ وہ راجہ دوارکا ناتھ کے ہاتھی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور راجہ دوارکا ناتھ کو مقابلہ کے لیے پکار رہا تھا۔ عین اس وقت میرے بزرگ نے گھوڑا آگے بڑھا دیا اور مہاراجہ تجوگ کے مقابلے پر جا ڈٹا۔

اس نے چند منٹ ہی میں مہاراجہ کا سر اپنی تلوار پر رکھ لیا۔ مہاراجہ تجوگ کو شکست ہوئی اور اس کی جگہ راجہ دوارکا ناتھ مہاراجہ بن گیا۔ اس نے میرے بزرگ جیون سنگھ کو راجہ کا خطاب دیا اور دو گاؤں انعام میں بخش دیے۔ اس جنگ سے ہمارے خاندان کے اچھے دن شروع ہوئے۔ میرے بزرگ کو جو دو گاؤں انعام میں ملے تھے وہ چوپڑا ناتھ کے تھے۔ اس نے چونکہ جنگ میں مہاراجہ تجوگ کا ساتھ دیا تھا اس لیے مہاراجہ دوارکا ناتھ کے مشیروں نے اس سے انتقام لیا۔ اسے جلاوطن کر دیا گیا اور اس کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا گیا۔

اور اس کے دو بیٹوں کو کال کوٹھری میں پھینک دیا گیا۔ آج آپ جس حویلی میں بیٹھے ہیں۔ وہ چوپڑا ناتھ کے بزرگ راجہ بھیم دیو نے بنائی تھی۔ یہ حویلی میرے بزرگ جیون سنگھ کے ہاتھ آئی۔ مہاراجہ دوارکا ناتھ نے اپنے مشیروں کے مشورہ پر جب یہ حویلی اور جاگیر میرے بزرگ کو عطا کی تو وہ جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ بادشاہ کسی کے چاہے کتنے ہی ممنون کیوں نہ ہوں کوئی چیز مفت نہیں دیا کرتے۔ مہاراجہ دوارکا ناتھ نے بھی اس جاگیر کے ساتھ چند شرائط وابستہ کر دیں۔''

''وہ شرائط کیا تھیں؟'' میجر نے پوچھا۔

''ایک شرط تو یہ تھی کہ جب تک اس جاگیر کا مالک مہاراجہ کا وفادار رہے گا یہ جاگیر اس کی ملکیت رہے گی ورنہ اس سے یہ جاگیر چھین لی جائے گی۔ دوسری شرط یہ تھی کہ جاگیردار کو اس حویلی میں سال بھر موجود رہنا ہوگا۔ اگر وہ پندرہ دن سے زیادہ عرصے تک اس حویلی سے باہر رہے گا تو اسے اس کے حق ملکیت سے محروم کر دیا جائے گا۔ میرے بزرگ قول کے بڑے پکے تھے۔ آج بھی ان شرائط کی پابندی کی جا رہی ہے۔''

''میرے خیال میں آپ نے اچھی تعلیم پائی ہے۔ آپ فرسودہ روایات پر کیوں عمل کرتے ہیں۔ آج یہ شرائط بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں۔ آپ اس حویلی سے جب تک جی چاہے غیر حاضر رہ سکتے ہیں۔''

''میں جب تک مکمل ٹھاکر نہیں بنا تھا تب تک مجھ پر یہاں رہنے کی پابندی عائد نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں سات برس تک لندن میں رہا۔ میں نے وہیں تعلیم پائی۔ میرا یہ سوٹ لندن ہی کا سلا ہوا ہے۔ مجھے لندن سے واپس آئے صرف ایک سال ہوا ہے۔ بھائی کی موت کے بعد میں مکمل ٹھاکر بن گیا ہوں۔ یہ سوٹ صرف گھر میں پہن سکتا ہوں۔ باہر جاؤں تو اپنا روایتی لباس پہننا پڑتا ہے۔ اسی لیے تو میں آپ کے یہاں راجہ بن کر گیا تھا۔ میں دراصل کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں اب اپنی خاندانی روایات کو توڑ کر اپنے بزرگوں کی روحوں کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔''

''دوسرے لفظوں میں کمبل تو آپ کو چھوڑ رہا ہے لیکن آپ کمبل کو نہیں چھوڑنا چاہتے۔'' میجر کی اس بات پر نادارائے کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ٹھاکر صاحب بہت کھسیانے ہوئے۔ نادارائے نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنی ہنسی روک لی۔

''آپ اپنی بات جاری رکھئے۔ میں اب بہت کم دخل دوں گا۔'' میجر نے کہا۔ ٹھاکر دیر تک خاموش رہے۔

میجر نے دیواروں پر ٹنگی ہوئی تصویروں کی طرف دیکھ کر کہا یہ تصویریں اچھے آرٹسٹوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ میری معلومات تو یہی کہتی ہیں کہ ان کو اگر فروخت کیا جائے تو کافی رقم مل سکتی ہے۔''

''میرے نزدیک ان تصویروں کو بیچنا ان کی روحوں کو بیچنے کے مترادف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان تصویروں کو دیکھیں۔ اسی لیے میں نے آپ کو یہاں آنے کی دعوت دی

تھی۔ ''مجھے امید تھی کہ جب میں آپ کو بتاؤں گا کہ ان بزرگوں کا بڑا بیٹا اندوہناک موت سے دوچار ہوا تھا تو آپ واقعی میری کہانی کی خطرناک نوعیت کو محسوس کرنے لگیں گے۔ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ میرے ان بزرگوں کے ہر بڑے بیٹے کو قتل کر دیا جاتا تھا۔''

''قتل.........؟'' میجر کے منہ سے نکلا۔

''اگر اسے قتل نہیں تو پھر اتفاق کہنا پڑے گا۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا۔

''کیا ہمیشہ بڑے بیٹے کی موت ہوتی تھی؟''

''کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بڑے بیٹے کی موت کے بعد دوسرے بیٹے کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔''

''میں سمجھ گیا، آپ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اب آپ اپنی خاندانی بددعا کا شکار ہو سکتے ہیں۔'' نانارائے نے کہا۔

''جی ہاں میں یہ خطرہ محسوس کر رہا ہوں، میرا خاندان کبھی کا مٹ گیا ہوتا لیکن حسن اتفاق سے میرے بزرگوں کے ہاں دو یا دو سے زیادہ بیٹے پیدا ہوتے رہے ہیں اس لیے یہ خاندان چلتا رہا۔ اگر مجھے قتل کر دیا گیا تو اس خاندان کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔''

''آپ کہتے ہیں کہ آپ کے بھائی کو قتل کیا گیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ حادثہ کیا تھا؟''

''اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ پولیس آئی تو اس نے میرے بھائی کی موت کو ایک حادثہ قرار دے دیا لیکن صرف میں جانتا تھا کہ میرے بھائی کو قتل کیا گیا ہے میں اس کی موت کے لیے تیار بھی تھا۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ میں نے ایک گدھ کو چیختے ہوئے سنا تھا۔'' ٹھاکر نے کہا۔

''گدھ...... کیسا گدھ؟'' میجر نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا لیکن مجھے اتنا معلوم ہے کہ جب ہمارے آس پاس کوئی گدھ چیختا ہے، تو گھر کے بڑے آدمی کی موت ہو جاتی ہے۔''

''کیا ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے؟''

''جی ہاں........ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا آیا ہے۔ آپ گدھ کی چیخ کو خطرے کی گھنٹی کہہ

سکتے ہیں۔''

''کیا آپ نے کبھی اس گدھ کو دیکھا ہے؟'' میجر نے پوچھا۔

''نہیں کبھی نہیں، اس علاقے میں کوئی گدھ نہیں ہے۔''

''عجیب بات ہے۔''

''اس گھر میں بہت سی عجیب باتیں ہو رہی ہیں۔''

''کیا گدھ کی چیخ کی وجہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے؟''

''نہیں میرے پاس اتنے ثبوت ہیں کہ آپ مان جائیں گے کہ میرے بھائی کو قتل کیا گیا۔''

''اگر آپ کے پاس یہ ثبوت موجود تھے تو آپ نے پولیس کے سامنے پیش کیوں نہ کیے؟''

''پولیس میرا بیان سننے سے پہلے ہی اپنا فیصلہ صادر کر چکی تھی کہ میرے بھائی کی موت حادثہ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس لیے اگر میں کوئی بیان دیتا تو مجھے پاگل سمجھا جاتا۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا۔ ''ایک بات اور بھی تھی۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرے خاندان کی بات پھیلے۔ میں شہرت یا بدنامی سے گھبراتا ہوں۔''

''اگر یہ بات ہے تو آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟ کیا آپ نے ہمیں قاتل کو ڈھونڈنے کے لیے نہیں بلایا۔''

''نہیں۔ میں نے آپ کو یہاں صرف مشورے کے لیے بلایا ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ میری جگہ ہوتے تو آپ کیا کرتے؟ میں اپنے خاندان کا آخری فرد ہوں۔ اگر میں شادی کر لوں تو میرے ہاں بیٹا پیدا ہو سکتا ہے کیا آپ ایسی حالت میں کسی لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں جب کہ آپ پر اور اس لڑکی کے سر پر ننگی تلوار لٹکی ہوئی ہو۔''

''اس سے پہلے کہ میں آپ کے سوال کا جواب دوں، میں آپ سے ایک سیدھی سی بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے بتایا تھا کہ آپ کی سالانہ آمدنی اس قدر قلیل ہے کہ آپ اپنے یہ ٹھاٹ باٹ قائم نہیں رکھ سکتے۔''

''جی ہاں...... میں اب بھی کہنے کے لیے تیار ہوں۔''

''تو پھر آپ شادی کس برتے پر کر رہے ہیں؟'' میجر نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کو اب سب کچھ بتانا پڑے گا۔'' ٹھاکر صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''میں جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ میری مالی حالت سے اچھی طرح واقف ہے۔ میں اسے بچپن سے جانتا ہوں وہ ایک دولت مند لڑکی ہے۔ اس کی ماں اس کے لیے کافی روپیہ چھوڑ کر گئی ہے۔ میں اس کی دولت کے لیے اس سے شادی نہیں کر رہا ہوں۔ وہ بھی اس بات کو جانتی ہے اور اصرار کرتی ہے کہ میں ہونے والی بیوی کی دولت پر پلنے کی جھجک کو ترک کر دوں۔ وہ بڑے سہانے خواب دیکھتی ہے کہ وہ کیسے اس حویلی کو سجائے اور اس کی مرمت کرانے پر روپیہ خرچ کرے گی۔ اگر مجھے اس سے محبت نہ ہوتی تو میں ہرگز اس سے شادی نہ کرتا۔ اس کو معلوم ہے کہ میں اس پر جان چھڑکتا ہوں، وہ مجھ پر اکثر الزام لگاتی ہے کہ میں غلط قسم کے خاندانی غرور میں مبتلا ہوں۔''

''آپ واقعی پریشان کن مخمصے میں مبتلا ہیں۔ اگر بددعا کا خیال آپ کے ذہن میں چھایا ہوا نہ ہوتا تو آپ اس لڑکی سے شادی کر چکے ہوتے۔''

''جی ہاں۔''

''آپ کے چاچا جی کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی؟''

''وہ جنگ میں ہلاک ہو گئے تھے۔''

''جنگ میں۔''

''جی ہاں۔ وہ انگریزوں کی فوج میں کرنل تھے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران وہ افریقہ میں ہٹلر کے جرنیل کے تحت دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے کہ لاپتہ ہو گئے۔ ان پر کچھ بھی گزر سکتا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے۔ بددعا وہاں بھی ان کا پیچھا کرتی رہی ہو گی۔''

''کیا آپ کو یہ پختہ یقین ہے کہ آپ کے خاندان کے ہر بڑے کو قتل کیا گیا؟''

''جی ہاں۔''

''کیا آپ سے پہلے کسی کو بھی یہ شک نہیں ہوا تھا کہ ہر مرنے والے کو قتل کیا جاتا ہے۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ان شکوک کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔''

''اگر آپ کی بات مان لی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کی ہر نسل کے زمانے میں ایک نیا قاتل پیدا ہوتا تھا۔ آپ اس کی وضاحت کیسے کریں گے؟''

''میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ اس وضاحت کا تو میں آپ سے طلب گار ہوں۔''

''اچھا تو آپ یہ بتایئے کہ مبینہ قتل کی وارداتیں کیسے ہوئیں؟''

''تو آپ آیئے اور ان تصویروں کا غور سے مطالعہ کیجیے۔'' ٹھاکر ویر سنگھ یہ کہہ کر سامنے کی دیوار کی طرف بڑھے۔ جب میجر ان کے قریب آ گیا تو انھوں نے تصویروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ٹھاکر خاندان کے بزرگ ہیں۔ میں ان سب کو نہیں جانتا ہوں، اس خاندان کی کوئی تحریری تاریخ موجود نہیں ہے۔ جتنی باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں۔ وہ سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں۔ باپ نے بیٹے کو بتائیں اور بیٹے نے اپنے بیٹے کو بتائیں۔ میں چونکہ اس خاندان کا آخری فرد ہوں۔ اس لیے اس کی تاریخ کو دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

''کہیں آپ مجھے یہ تو نہیں بتانا چاہتے کہ آپ کے یہ تمام بزرگ خوفناک اموات سے دوچار ہوئے ہیں؟'' میجر نے کہا۔ ''کیا ان بزرگوں کو موت نے اس گھر میں آ گھیرا یا باہر؟''

''موت کے مقامات مختلف ہیں۔ میرے اس سے پہلے بزرگ کی مثال لیجیے۔ ان کے معاملے میں حادثے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ گھر میں بیٹھے رات کے کھانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اس حویلی کے باغ میں ایک چیخ سنائی دی۔ وہ ہڑبڑا کر باہر نکلے اور باغ کی طرف جاتے ہوئے انھوں نے اپنی بیوی سے کہا۔ شاید کسی عورت پر حملہ ہوا ہے۔ یہ ان کے آخری الفاظ تھے۔ انھوں نے دیوار پر لٹکی ہوئی تلوار اتاری اور باغ کی طرف بڑھے۔ وہ واپس نہ آئے۔ ایک گھنٹے کے بعد ان کی لاش ایک جھاڑی میں ملی، ان کی گردن پر تلوار کا گہرا زخم تھا، ان کی شہ رگ کٹ گئی تھی۔''

''کیا قاتل کا کچھ پتہ نہ چلا؟''

''نہیں مہاراجہ کے آدمیوں نے تحقیقات کی، جتنے منہ اتنی باتیں کوئی بھی سراغ نہ مل سکا۔''

اب ٹھاکر ویر سنگھ ایک اور تصویر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ ایک نوجوان کی تصویر تھی جس نے ایک بھڑکیلا لباس پہن رکھا تھا۔

"یہ بھی میرے ایک بزرگ ہیں ٹھاکر پرویر سنگھ۔ یہ کلیان پہنچے۔ وہاں انگوروں کی شراب لانا چاہتے تھے۔ انھوں نے بازار میں ایک دکان کے اندر بیٹھ کر شراب پی۔ پھر یہ ایک ایسے ٹھکانے پر گئے جہاں جوا خانہ تھا۔ جوا کھیلتے ہوئے انھوں نے ایک شخص پر جعلسازی اور مکاری کا الزام لگایا۔ اس شخص نے ان کو للکارا۔

ٹھاکر پرویر سنگھ بہت زیادہ شراب پیے ہوئے تھے۔ دونوں میں شمشیر زنی کا مقابلہ ہوا۔ میرے بزرگ دو چار ہاتھ دکھانے کے بعد ہی گر پڑے۔ ان کے حریف کی تلوار کی نوک ان کے سینے کو چیرتی ہوئی پیٹھ سے باہر نکل گئی تھی۔ ان کا حریف کون تھا۔ اس کا کوئی پتہ بھی نہیں لگا سکا۔"

ٹھاکر ویر سنگھ تیسری تصویر کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ وہ ادھیڑ عمر کے ایک دراز قد شخص کی تصویر تھی۔ "کیا میں ان تصویروں کی کہانی جاری رکھوں یا اتنی مثالیں کافی ہیں۔"

"ان بزرگوں کی کہانی جاری رکھیے۔" میجر نے کہا۔

"یہ میرے بزرگ ٹھاکر دھرمان سنگھ ہیں۔ نیزہ بازی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ نیزہ لیے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر یہ شیر کا شکار کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ جنگل میں شیروں کے پیچھے بھاگے، ان کے ساتھی ان سے پیچھے رہ گئے۔ شیر جھاڑیوں میں جا چھپا اور ان پر جھپٹنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ ان کا گھوڑا جب جھاڑیوں کے نزدیک پہنچا تو شیر نے ہلا بول دیا۔ میرے بزرگ نے شیر کو ڈھیر کرنے کے لیے نیزہ تان کر ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ جھاڑیوں میں سے ایک نیزہ آیا اور وہ شیر کے جسم میں لگنے کے بجائے میرے بزرگ کے جسم کے آر پار ہو گیا۔ وہ نیزہ پھینکنے والا کون تھا کسی کو اس کا پتہ نہ چل سکا۔ میرے بزرگ کی لاش بھی نہ مل سکی۔ ان کی لاش کو شیر اٹھا کر لے گیا۔ بہت دنوں کے بعد ان جھاڑیوں میں ان کا نیزہ پڑا ہوا ملا جسے زنگ لگ چکا تھا۔"

"میرے خیال میں اتنی ہی مثالیں کافی ہیں۔" میجر نے کہا۔

شام کے سائے رات میں تبدیل ہو چکے تھے۔ بوڑھا سری رام بابا فانوسوں کی موم بتیاں روشن کرنے کے لیے آ پہنچا۔ حویلی میں بجلی نہیں تھی۔ بجلی ابھی اس دیہات تک نہیں پہنچی

تھی۔ بوڑھا سری رام موم بتیاں روشن کر چکا تو اس نے ٹھاکر کی طرف منہ پھیر کر کہا۔ "سرکار ایک گھنٹے تک کھانا تیار ہو جائے گا۔"

کھانے پر بہت کم گفتگو ہوئی۔ ایک تو ہر چیز بہت ہی لذیذ بنی ہوئی تھی۔ اور دوسرے کوئی بھی ابھی تک ٹھاکر ویر سنگھ کے خاندان کی کہانی کے اثر سے نجات نہیں پا سکا تھا۔ میجر تو گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس خاندان کے کتنے ہی بزرگ عجیب و غریب حالات میں موت کا شکار ہوئے تھے۔ نانا رائے بھی ان اسباب کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا جو ٹھاکر خاندان کے بزرگوں کی موت کا باعث ہو سکتے تھے۔ کسی کو کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی۔ پپ بڑی محویت سے کھانا کھا رہا تھا اور پورنا اس حویلی کے مالک کی طرف دیکھ رہی تھی جس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ شاید موت کے خیال نے اس کے دن کا آرام اور رات کا سکون چھین لیا تھا۔ اس کی کہانی سچی معلوم ہو رہی تھی۔

آدھ گھنٹے کے بعد بوڑھا سری رام برتن اٹھا کر لے گیا تو میجر نے سگریٹ سلگایا اور بڑے اطمینان کے ساتھ ایک کش لگاتے ہوئے بولا۔

"اب آپ ہمیں یہ بتایئے کہ موت سے پہلے کیا آپ کے بزرگوں کو خطرے کا احساس کا نہیں ہوتا تھا؟ کیا ان کو اس خطرے سے کوئی خبردار نہیں کرتا تھا۔"

"ان سب کو خطرے کا احساس رہتا تھا ورنہ وہ اپنے بیٹوں کو خاندانی بددعا کی کہانیاں کیوں سناتے۔ میرے بزرگ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسے اس دنیا میں زیادہ دنوں کے لیے نہیں رہنا ہے۔"

"کیا آپ کے پتاجی نے آپ کے بڑے بھائی بلرام سنگھ کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا تھا؟"

"جی ہاں!" ٹھاکر صاحب نے کہا۔ "انھوں نے مجھے اس بددعا کی کہانی سنائی تھی۔"

"جب یہ کہانی آپ کو سنائی گئی تھی تو آپ نے اس کے بارے میں کیا سوچا تھا؟"

"سوچنا کیا تھا چند روز تک ہم پر یہ نفسیاتی اثر رہا تھا اور پھر ہم اسے بھول گئے تھے۔ میرے بڑے بھائی بلرام سنگھ کی عمر تیس سال تھی وہ بھی شادی کرنے کا خواہاں تھا۔ مگر اسے بھی یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ اگر اس نے شادی کی اور اس کے ہاں بیٹا پہلے ہوا تو وہ بھی بددعا کا شکار ہو جائے گا۔ یہ خیال اسے شادی کرنے سے روکتا تھا۔ اس لیے وہ کسی کے پاس نہیں جاتا

تھا۔ عورتوں سے ملنے جلنے سے گریز کرتا تھا۔ میرا بڑا بھائی خوش نصیب تھا کہ اسے کوئی ایسی عورت نہیں ملی تھی جس سے وہ محبت کرتا۔ میرا قصہ بالکل ہی مختلف ہے۔ میں ایک لڑکی سے محبت کرتا ہوں اور اسی اذیت ناک کشمکش و پیچ میں مبتلا ہوں کہ شادی کروں یا نہ کروں۔"

"آپ ذرا تفصیل کے ساتھ بتائیے کہ آپ کے بھائی کی موت کیسے ہوئی؟" میجر نے پوچھا۔

"انھیں گولی مار کر ہلاک کیا گیا۔ اس علاقے کے جنگل میں جو یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ وہ اپنے ساتھ بائیس بور کی رائفل لے گئے تھے تاکہ خرگوش کا شکار کر کے لائیں۔ انھیں خرگوش کا گوشت بہت مرغوب تھا۔ میں اس وقت ترکاریوں کی کیاریوں میں بھنڈیاں توڑ رہا تھا تاکہ اس رات بھنڈی گوشت کا انتظام کیا جا سکے۔ جب میں نے ایک لمبی بھنڈی توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں نے گدھ کے چیخنے کی آواز سنی۔ میں نے گدھ کو پہلی بار چیختے ہوئے سنا تھا۔ میرے بدن میں جھرجھری دوڑ گئی۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ کہ میں نے گولی چلنے کی آواز سنی اور فوراً ہی دوسری گولی چلنے کی آواز سنی۔ مجھے یہ بہت عجیب سی بات محسوس ہوئی۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میرے بھائی کے پاس جو رائفل تھی۔ اس میں سے بیک وقت ایک ہی کارتوس نکل سکتا تھا۔ بندوق میں دوسرا کارتوس بھرنے میں کچھ وقت لگتا ہے، اور میں نے دو گولیاں بیک وقت چلتی ہوئی سنی تھیں۔ مجھے اب احساس ہوا کہ کوئی غلط بات ظہور میں آئی ہے۔ میرا دل کانپ رہا تھا۔ وہ ایک خطرہ جو میرے لاشعور میں کھٹک رہا تھا کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے بھنڈیاں وہیں پھینک دیں اور جنگل کی طرف دوڑا۔"

"کیا آپ نے کسی گدھ کو دیکھا؟"

"نہیں میں نے اپنے بھائی بلرام سنگھ کو اوندھے منہ گرے ہوئے دیکھا۔ اس نے میری آغوش میں ہی ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جان کنی کے عالم میں اس نے کہا تھا۔

"ویر سنگھ، تین ستاروں سے ہوشیار رہنا۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ موت نے اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔" ٹھاکر ویر سنگھ کا گلا بھرا گیا اس نے رقت انگیز لہجے میں کہا۔

"میرے بھائی نے گولی چلائی تھی۔ خالی کارتوس اس کے پاس پڑا ہوا تھا۔ کارتوس کی موجودگی اسے ظاہر کرتی تھی کہ وہ حادثے کا شکار ہوا ہے۔ پولیس نے بھی میرے بھائی کی موت کو حادثہ قرار دیا۔ پولیس نے اسے خودکشی کی واردات بھی بتایا لیکن میں اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ میرے بھائی کو قتل کیا گیا ہے۔"

"اگر آپ یہ جانتے تھے تو آپ نے پولیس کے فیصلے کو چیلنج کیوں نہیں کیا۔"

"میں کہہ تو چکا ہوں کہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ بات آگے بڑھے اور بددعا تک جا پہنچے۔ لوگ میرا مذاق اڑائیں اور میری محبوبہ مجھے پاگل سمجھنے لگے۔ میری خاموشی کی ایک اور وجہ بھی تھی۔"

"وہ وجہ کیا تھی؟"

"اس وقت تک میں اپنی محبوبہ کو یہ بات نہیں بتانا چاہتا تھا کہ ایک دن یہ خاندانی بددعا مجھے بھی موت کے منہ میں دھکیل دے گی۔"

"آپ کو یہ یقین کس طرح ہوا کہ آپ کا بھائی حادثے کا شکار نہیں ہوا ہے۔"

"اس لیے کہ جس گولی سے بلرام سنگھ ہلاک ہوا وہ اس کی رائفل سے نہیں نکلی تھی۔ اسے تو کسی ایسے شخص نے گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ جو جھاڑی چھپ کر کھڑا تھا وہ میرے بھائی کی عادتوں سے واقف تھا۔ وہ قتل کی سوچی سمجھی سازش تھی۔ میں جانتا تھا کہ میرا بھائی کتنی جلدی بندوق میں دوسری گولی بھر سکتا تھا۔ وہ پھرتیلا نہیں تھا۔ اس نے اپنی رائفل میں دوسری گولی نہیں بھری تھی۔ اس نے ایک گولی کسی چیز پر چلائی تھی۔ دوسری گولی جھاڑی میں سے آئی تھی جس نے اسے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ اگر اس نے رائفل میں دوسری گولی بھری ہوتی تو دوسرا خالی کارتوس بھی اس کے قریب ہی پڑا ہوا ہوتا۔"

"کیا آپ نے دوسرا خالی کارتوس ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔"

"ہاں میں نے اس کے آس پاس زمین کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ آپ دوسری بات پر بھی غور کیجیے۔ گدھ کی چیخ سنائی دی تھی۔ وہ اس بات کا اعلان تھا کہ کوئی خطرناک بات ظہور پذیر ہونے والی ہے۔ اور پھر میرے بھائی کے وہ الفاظ یاد کیجیے تین ستاروں سے ہوشیار رہنا۔

کیا یہ بات ثابت نہیں کرتی کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔''

''ان باتوں سے یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ آپ کے بھائی کو قتل کیا گیا ہے ممکن ہے کہ مرتے وقت اسے انوکھی چیزیں دکھائی دے رہی ہوں۔ اگر اسے کسی نے قتل کیا ہوتا تو اس نے اس کا نام کیوں نہیں لیا۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے قاتل کو دیکھا ہی نہ ہو یا دیکھا ہو تو اسے پہچان نہ سکا ہو۔''

''یہ گدھ والا معاملہ ذرا عجیب سا ہے۔'' میجر نے کہا۔

''حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس کے آس پاس کسی گدھ کو نہیں دیکھا۔ یہ کیا بات ہے کہ جب ہمارے خاندان میں سے کسی کی موت آتی ہے تو گدھ کی چیخ سنائی دیتی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میرے خاندان کے کسی فرد کو مرنا ہوتا ہے تو گدھ اس علاقے میں پہنچ جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بددعا اور گدھ میں کوئی تعلق ہو۔ آج کل جادو ٹونے پر یقین نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود واقعات میں گدھ موجود ہے۔''

میجر کچھ سوچ رہا تھا اس نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے خاندان کو بددعا کس نے دی ہے۔ اور کیوں دی ہے۔''

''میں تمام تفصیلات سے آگاہ نہیں ہوں۔ ایک کہاوت ہے کہ جب اس حویلی سے اس کے اصل مالک کو نکال دیا گیا اور یہ حویلی میرے بزرگ جیون سنگھ کو دی گئی تو چند روز بعد ایک آدمی ایک خط لے کر ٹھاکر جیون سنگھ کے پاس آیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت عجیب و غریب آدمی تھا۔ اس نے مندر کے پجاری کا بھیس بدل رکھا تھا۔ اس نے وہ خط میرے بزرگ کو دے دیا اور غائب ہوگیا۔ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی۔ مگر وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔''

''اس خط میں کیا لکھا تھا؟''

''لکھا تھا کہ اس حویلی پر بددعا کا اثر ہے۔ جو کوئی بھی اس گھر میں آکر رہے گا اس پر خدا کا قہر نازل ہوگا۔ خاندان کی جائیداد اور خطاب کا وارث زندہ نہیں بچ سکے گا؟''

''کیا وہ خط موجود ہے؟''

''نہیں!'' ٹھاکر نے کہا۔ ''شاید کہیں پڑا بھی ہو۔ میں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کیا اس خط کا ذکر آپ سب پر خوف طاری کرتا رہا ہے؟''

''نہیں۔''

''اچھا تو ٹھاکر صاحب! آپ یہ بتایئے کہ اگر آپ شادی نہیں کریں گے تو اس گھر کا کیا بنے گا۔ میرا مطلب ہے کہ اگر بے اولاد مر جائیں گے تو کیا حویلی کسی رشتے دار کو ملے گی۔''

''میرا کوئی رشتے دار نہیں۔ میری موت کے بعد یہ حویلی سرکاری ملکیت ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ سرکار اسے کسی عجائب گھر میں تبدیل کر دے۔''

''اچھا تو اب میرے ایک ضروری سوال کا جواب دیجئے۔'' میجر نے کہا۔ ''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ بددعا کے ڈر سے اس حویلی کو چھوڑ کر کہیں چلے جائیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' ٹھاکر نے کہا۔

''میجر صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں کوئی شخص ڈرا دھمکا کر آپ کو اس حویلی سے نکالنا تو نہیں چاہتا ہے؟'' تارا نے کہا۔

''نہیں۔ ابھی کسی شخص نے مجھے کسی قسم کی کوئی دھمکی نہیں دی۔''

''کاش وہ خط آپ کے پاس ہوتا۔ جس میں بددعا درج ہے۔'' میجر نے کہا۔ ''اسے ڈھونڈنے کی کوشش کیجئے۔''

''آپ اس خط کو کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟''

''اس سے کوئی سراغ مل سکتا ہے۔''

''اگر وہ خط آپ ڈھونڈنا چاہتے ہیں تو میری طرف سے کھلی چھٹی ہے۔ چند کمروں میں بہت سے پرانے صندوق پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں کچھ کاغذات ہو سکتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔ میں پردیپ کو اس کام پر مامور کرتا ہوں۔ آپ اس کی مدد کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں؟''

''اس وقت تو ممکن نہیں۔ رات کافی ہو چکی ہے۔ آپ آرام کیجئے۔ آپ نے لمبا سفر کیا ہے، اور میری کہانی ضرورت سے زیادہ طویل ہوگئی ہے۔ بوڑھے سری رام بابا نے آپ کے لیے کمرے صاف کر دیے ہوں گے اور بستر لگا دیے ہوں گے۔''

میجر ٹھاکر ویر سنگھ کی کہانی کی سحر آفرینی میں اس قدر کھو گیا تھا کہ اسے کرا کو ڈائل کا

خیال تک نہیں آ رہا تھا۔ اسے اپنی بے خیالی پر بہت غصہ آیا۔ ''پردیپ تم بہت لاپرواہ ہو۔ کراکو واقعی بھوکا ہوگا۔''

ٹھاکر دریر سنگھ مسکرائے۔

''گھبرایئے نہیں۔ مری رام بابا ایک باہوش اور باخبر انسان ہے۔ اس نے آپ کے کتے کو بھوکا نہیں رہنے دیا ہوگا۔''

''پردیپ تم جاؤ اور پتہ لگاؤ کہ اس نے کچھ کھایا ہے کہ نہیں؟'' میجر نے حکم دیا اور پردیپ چلا گیا۔

''کل صبح میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں آپ کے بھائی نے دم توڑا تھا۔''

''ضرور۔''

''اچھا تو کل صبح ملاقات ہوگی۔'' میجر نے کہا۔

''چلیے۔ میں چل کر آپ کو یہ دکھاؤں کہ آپ کے سونے کا انتظام کہاں کیا گیا ہے۔''

وہ سب ٹھاکر دریر سنگھ کے پیچھے پیچھے چل دیے۔

☆☆☆

حویلی کے اندر چھوٹی سی تنگ گلی تھی۔ جس کے فرش پر کافی موٹا نمدا غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ اس گلی کے آمنے سامنے کمروں کی قطاریں تھیں۔ ٹھاکر دریر سنگھ نے آمنے سامنے کے چار کمرے ان چاروں کے لیے صاف کروائے۔ دو کمرے پردیپ اور نانا رائے کے لیے اور دو کمرے میجر سنگرام اور پورنا کے لیے۔ وہ آپس میں ملے ہوئے کمرے تھے۔ ان کے دروازے بھی ایک دوسرے میں کھلتے تھے۔

ٹھاکر دریر سنگھ ان کے لیے دو کمرے دکھا کر واپس چلے گئے۔ پردیپ سنگھ، نانا رائے اور پورنا میجر کے کمرے میں آ بیٹھے۔ میجر نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ سونے سے پہلے مل کر سارے قصے پر غور کریں گے۔

''آپ نے ٹھاکر دریر سنگھ کا افسانہ سن لیا اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' نانا رائے نے پوچھا۔

''میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہوں۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک بہت ہی انوکھا افسانہ ہے۔ بعض اوقات مجھے یہ وہم ہوتا ہے کہ ٹھاکر دریر سنگھ ایک نہایت ہی پیچیدہ نفسیاتی بیماری کا شکار ہے اور بعض اوقات میں یہ سوچتا ہوں کہ ٹھاکر کے بزرگوں کی موت میں محض اتفاقی مشابہت ہے۔''

''کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان حادثات میں اتفاقات کو دخل ہے۔'' نانا رائے نے کہا۔

''فی الحال ہمیں یہ ہی تسلیم کرنا پڑے گا ورنہ ہمیں یہ خیال پریشان کرے گا کہ اس خاندان کی ہر نسل کے زمانے میں نیا قاتل کہاں سے آ گیا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ٹھاکر صاحب کے بزرگ کی پیدائش پر نیا قاتل پیدا ہوا ہو۔''

''ہم اسے اتفاق کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ مقتول اور قاتل ساتھ ساتھ پیدا ہوئے اور چار

سو برس تک ایک ساتھ پیدا ہوتے رہے۔ نانا رائے بولا۔ ''ٹھاکر صاحب کے بیان کے مطابق ان کے پہلے بزرگ کو چار سو سال پہلے قتل کیا گیا۔''

''اگر یہ تمام واقعی قتل کی وارداتیں تھیں تو چار سو برس کی تاریخ کا لامثال واقعہ ہے کہ مقتول، مقتول پیدا کرتا ہے اور قاتل قاتل کو جنم دیتا ہے۔''

''قتل کی ان وارداتوں کے پیچھے کیا مقصد ہو سکتا ہے؟''

''اگر قتل کیا گیا ہے تو اس کے پیچھے مقصد ضرور ہوگا۔ ہمیں اس مقصد کو ڈھونڈنا پڑے گا۔''

''ہمیں کہاں سے ابتدا کرنا ہوگی؟''

''یہ میں آج رات سوچوں گا۔''

پرویپ اور نانا رائے اٹھ کر چلے گئے۔

☆☆☆

اگلے دن موسم بہت اچھا تھا۔ میجر اور نانا رائے ناشتے کے بعد تیار ہو کر ٹھاکر صاحب کا انتظار کر رہے تھے۔

''آپ شاید رات بھر سوچتے رہے ہیں۔'' نانا رائے نے کہا۔

''ہاں........ کل رات میں کافی دیر تک جاگتا رہا۔ ایسی کہانی سن کر کون سو سکتا ہے۔''

''کوئی سراغ ملا؟''

''ایک دو باتیں میرے ذہن میں آئی ہیں۔''

''مثلاً۔''

''ٹھاکر بلرام سنگھ نے مرتے ہوئے تین ستاروں کا ذکر کیا تھا وہ تین ستارے ایک گہرا بھید ہو سکتے ہیں۔ ان کا کوئی مطلب ہو سکتا ہے میں یہ جاننے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں کہ ان کا مطلب کیا ہے۔'' میجر نے کہا۔

''بعض اوقات آدمی بے خبری میں تشبیہ سے کام لیتا ہے اور بعض اوقات وہ ایسے الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے جس کا مفہوم ادھورا رہ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بلرام سنگھ نے تین ستاروں کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا ہو۔ مثلاً تین ستاروں والا مکان تین ستاروں والا لباس۔''

میجر، نانا رائے کی اس تاویل پر بہت خوش ہوا۔ وہ اس کی دوستی پر فخر کرنے لگا۔

''یہ بات تو مجھے سوجھی ہی نہیں تھی۔ بلرام سنگھ کی مراد تین ستاروں والی تلوار سے بھی ہو سکتی تھی۔''

''ہاں۔''

''ہمیں تنہائی میں اس بات کو ذرا اور آگے بڑھانا ہوگا۔'' میجر بولا۔ اور پھر اس نے

کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''میں نے ٹھاکر صاحب کے بھائی کے مبینہ قتل پر بھی غور کیا ہے۔ بلرام سنگھ کو چھوٹی رائفل کی مدد سے ہلاک کیا گیا۔ چھوٹی رائفل کا استعمال دو باتیں سمجھاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ گولی کافی نزدیک سے چلائی گئی۔ دوسری یہ کہ جس شخص نے وہ رائفل استعمال کی وہ ایک بے نظیر نشانہ باز تھا۔ ایسی رائفل کی گولی، دل یا دماغ میں لگنے ہی سے کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر وہ شخص واقعی بلرام سنگھ کو قتل کرنا چاہتا تھا تو درست نشانہ لگانا بے حد ضروری تھا میں سمجھتا ہوں کہ قاتل کو اپنے نشانے پر پورا بھروسہ تھا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاتل کافی مشق کرتا رہا ہوگا۔ اس کی ٹانگ یا بازو پر گولی چلانا بالکل بیکار تھا۔ اگر پہلی گولی ہی بلرام سنگھ کو ہلاک نہ کر سکتی تو بلرام سنگھ نے قاتل دیکھ لیا ہوتا اور گھر آ کر پولیس کو اطلاع دی ہوتی۔''

''اگر آپ کو یقین آ چکا ہے کہ بلرام سنگھ کو قتل کیا گیا ہے تو ہمیں اس علاقے میں اپنی آنکھیں کھول کر چلنا ہوگا۔''

''آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔ وہ شخص اس جگہ کا رہنے والا ہو سکتا ہے۔ پولیس کے اس فیصلے کے بعد کہ بلرام سنگھ کی موت ایک حادثہ کا نتیجہ تھی اس شخص کے دماغ پر سے سارا بوجھ اتر چکا ہوگا اور اب وہ آزادی سے گرد و نواح میں گھوم رہا ہوگا۔ مجھے ٹھاکر صاحب سے ابھی ایک دو سوالات پوچھنے ہیں۔''

''وہ کیا؟''

''ٹھاکر صاحب کی کہانی کے پس منظر میں ایک عورت بھی ہے۔ ان کی محبوبہ۔ ٹھاکر صاحب کی محبوبہ کو ان کے خاندان کے کس قدر حالات معلوم ہیں۔ اگر وہ اس کہانی سے واقف ہے جو ٹھاکر نے ہمیں سنائی ہے تو وہ لڑکی اپنی کیا رائے رکھتی ہے۔ عورت کا دل بہت حساس ہوتا ہے۔ وہ برق انداز میں سوچتی ہے۔ وہ مرد کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھ سکتی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی چھٹی حس بیدار ہوتی ہے۔''

اتنے میں ٹھاکر ویر سنگھ تیار ہو کر آ گئے۔

میجر، ٹھاکر صاحب کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کے دروازے پر ایک شیلڈ لگی ہوئی تھی۔ اس شیلڈ پر تلوار اور ڈھال بنی ہوئی تھی۔ ڈھال پر کنول کا پھول کھلا ہوا تھا۔ ٹھاکر صاحب قریب آئے تو میجر صاحب نے پوچھا۔ کیا یہ شیلڈ آپ کا خاندانی نشان ہے؟''

''جی ہاں۔''

''کیا یہ شیلڈ ہمیشہ یونہی رہتی ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شیلڈ کو جان بوجھ کر بگاڑا گیا ہے۔ اس کے نقوش مٹا دیے گئے ہیں۔''

''میرے پردادا کے وقت ڈاکوؤں نے اس حویلی پر حملہ کیا تھا۔ یہ انہی کا کارنامہ ہوگا انھوں نے اسے کھرچ کر دیکھا ہوگا کہ اس کے نیچے سونا تو نہیں ہے۔ ان ڈاکوؤں نے ہمارے اسلحہ خانے کو بھی توڑ کر دیکھا ہوگا کہ شاید اس میں کوئی سونے یا چاندی کی تلوار مل جائے۔''

''کیا اس حویلی میں آپ کے خاندان کا اسلحہ خانہ بھی ہے۔''

''جی ہاں۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا۔ ''کل رات آپ نے میری کہانی پر غور کیا ہوگا۔ کیا آپ اس معاملے کو سمجھ پائے ہیں؟''

''میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس معمے کو سلجھانے میں کافی وقت لگے گا لیکن میں آپ سے ایک دو سوالات پوچھنا چاہتا ہوں، اور وہ حالیہ واقعات سے متعلق ہیں۔''

''پوچھئے۔ میں آپ کو درست جواب دینے کی کوشش کروں گا۔''

''کیا آپ کے بھائی کا کوئی دشمن بھی تھا؟ آپ سوچ کر بتایئے کہ کیا ایسا کوئی شخص تھا جو آپ کے بھائی کو گزند پہنچانا چاہتا تھا؟''

''نہیں۔ میرے بھائی کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ بلرام سنگھ ایک معقول انسان تھا اس کا کبھی بھی کسی سے جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ اگر اس کا کبھی کسی سے کوئی جھگڑا ہوا ہوتا تو اس نے اس کا ذکر مجھ سے ضرور کیا ہوتا۔''

''اب میں آپ سے ایک نجی سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کو پورا پورا اختیار ہے۔''

''جس لڑکی سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کون ہے؟''

''اس کا نام یوگیتا ملہوترا ہے۔ شاید وہ آج مجھ سے ملنے آئے۔ آج کے دن وہ قصبے

میں جاتی ہے۔"

"تو کیا وہ نزدیک ہی رہتی ہے؟"

"جی ہاں۔ اس کے چاچا جی کی جاگیر یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کا نام پروندر ملہوترا ہے۔ وہ بستی ناگ گڑھ میں سرکاری بینک کے منیجر ہیں۔ یوگیتا خود مختار ہے۔ اس کے پاس اپنی دولت ہے۔ جو اس کی ماں اس کے نام پر چھوڑ گئی تھی۔ یوگیتا گریجویٹ ہے۔ اس سال وہ ایم اے۔ (ہسٹری) میں داخلہ لے گی۔"

"کیا اس سے آپ کی منگنی ہو گئی ہے؟"

"نہیں اور اس کی وجہ میں بیان کر چکا ہوں۔"

"جو کہانی آپ نے ہمیں سنائی ہے کیا اسے بھی سنا چکے ہیں۔"

"کیا آپ کا مقصد خاندانی بددعا سے ہے؟"

"ہاں۔"

"نہیں میں نے اس کا ذکر اس سے نہیں کیا ہے۔" ٹھاکر صاحب نے اداسی سے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے پاگل سمجھنے لگے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اس سے ابھی اس کا ذکر نہ کیجئے گا۔" میجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا اور بھی کوئی اس بددعا کے راز سے واقف ہے۔"

"نہیں کوئی نہیں۔"

"خاموش ہی رہیے گا۔ کسی سے بھی اس کا ذکر نہ کیجئے گا۔"

"میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"آیئے چلیں۔ سب سے پہلے میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے بھائی کو قتل کیا گیا ہے یا نہیں۔"

"چلیے۔"

"کیا آپ کے پاس وہ رائفل موجود ہے جو آپ کے بھائی نے خرگوش کا شکار کرنے کے لیے استعمال کی تھی؟" میجر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"آپ کو زحمت تو ہوگی وہ رائفل اپنے ساتھ لے چلیے۔ آپ اپنی جیب میں ایک یا دو کارتوس بھی ڈال کر لے آئیں۔ ہمیں ان کی ضرورت تو نہیں پڑے گی لیکن شاید ہمیں کوئی تجربہ کرنا پڑے گا۔"

ٹھاکر ویر سنگھ رائفل لانے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مطلوبہ رائفل کے ساتھ واپس آ گئے اور جنگل کی طرف بڑھے۔

میجر نے راستے میں پوچھا۔ "کیا بلرام سنگھ ایک اچھے نشانہ باز تھے؟"

"بہت اچھے نشانہ باز تھے۔ ان کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ وہ اپنے شکار کو زخمی کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب ان کو یقین ہو جاتا تھا کہ ان کی گولی سے شکار زندہ نہیں بچ سکے گا۔ تبھی وہ گولی چلایا کرتے تھے۔ اس جنگل میں خرگوش بہت ہیں۔"

آخر کار وہ اس جگہ پر پہنچ گئے۔ جہاں تین مہینے پہلے بلرام سنگھ کی موت واقع ہوئی تھی۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں میں نے اپنے مرتے ہوئے بھائی کو اپنی گود میں بٹھا لیا تھا؟ میں اس منظر کو عمر بھر فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ منظر ہمیشہ میری آنکھوں میں گھومتا رہے گا۔"

"کیا آپ ہمیں زمین پر لیٹ کر یہ بتا سکتے ہیں کہ بلرام سنگھ کس طرح پڑے ہوئے تھے۔"

"کیوں نہیں۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔ "کیا ایسا کرنا بہت ضروری ہے؟"

"جی ہاں۔ اگر ضروری نہ ہوتا تو میں ایسی گستاخی ہرگز نہ کرتا۔ میں دراصل اس منظر کو پھر سے تازہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے جو کچھ ہمیں سنایا ہے۔ اس پر کم از کم مجھے اعتبار آ چکا ہے۔ میں آپ کے خلوص پر شک نہیں کرتا۔ بات یہ ہے کہ جب تک مجھے اس بات کا پتہ نہ چل جائے کہ وہ واقعی قتل کی واردات تھی تو میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آپ براہ کرم اسی انداز میں لیٹ جائیے جس میں بلرام سنگھ لیٹے ہوئے تھے۔"

ٹھاکر ویر سنگھ کچھ سوچ کر زمین پر لیٹ گئے۔ انھوں نے لیٹنے کے بعد ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا اور بولے۔ "رائفل ادھر پڑی ہے۔"

"شکریہ اب آپ اٹھ کر کھڑے ہو جائیے۔"

ٹھاکر صاحب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"آپ کہتے ہیں کہ اس دن دو گولیاں چلائی گئیں۔ آپ کے بھائی نے پہلی گولی چلائی ہوگی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ گولی لگنے کے بعد انھوں نے گولی چلائی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے گولی کس پر چلائی؟ آپ کہتے ہیں کہ وہ بہت اچھے نشانہ باز تھے۔ اس لیے ہمیں فرض کرنا ہوگا کہ جس پر انھوں نے گولی چلائی وہ اس کے ضرور لگی۔ چلیے ہم قیاس بھی کرتے ہیں کہ انھوں نے کسی خرگوش کو نشانہ بنایا۔ آپ کے کہنے کے مطابق بلرام سنگھ یہاں لیٹے ہوئے تھے۔ جب کسی آدمی کو گولی لگتی ہے تو وہ سامنے کی طرف گرتا ہے۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ خرگوش یا پرندہ جس پر بلرام سنگھ جی نے گولی چلائی ان سے زیادہ دور نہیں ہوگا۔

"آیئے ہم اس کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں شاید اس کا کوئی بچا کھچا پنجر ادھر ادھر پڑا ہو تین مہینے گزر چکے ہیں۔ پھر بھی کوئی حصہ مل سکتا ہے۔" یہ کہہ کر میجر ایک طرف چل پڑا وہ آہستہ آہستہ قدم رکھ رہا تھا۔ تارا رائے، اور ٹھاکر صاحب دوسری طرف چل پڑے۔ ابھی ٹھاکر صاحب بمشکل پچاس گز دور گئے ہوں گے کہ انھوں نے چونکتے ہوئے کہا۔ "میجر صاحب آپ کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ میرے سامنے جو ایک گلی سڑی اور سکڑی ہوئی چیز پڑی ہے وہ کسی خرگوش کا ڈھانچہ معلوم ہوتا ہے۔"

میجر نے قریب آ کر اس ڈھانچے کی طرف دیکھا۔ "واقعی خرگوش کا ڈھانچہ ہے۔ اب تو اس کی صرف کھال باقی رہ گئی تھی۔" اس کھال پر بھورے بھورے بال تھے۔ جو مٹی سے لتھڑے ہوئے تھے۔ اس کھال کے گرد کچھ گھاس بھی اُگ آئی تھی۔

"اب گولی ملنی چاہیے اگر گولی خرگوش کے پیٹ میں لگی ہوگی تو جسم سے پار ہو گئی ہوگی۔" میجر نے کہا۔

"میرا بھائی ہمیشہ سر کا نشانہ لگایا کرتا تھا۔ وہ دو باتوں کا قائل تھا۔ گولی چلاؤ تو شکار کے ضرور لگنی چاہیے۔ ورنہ ہوا میں گولی چلاؤ۔ خرگوش کے پیٹ میں گولی مارنا بیکار ہوتا ہے وہ چوکڑیاں بھرتا ہوا کسی جھاڑی میں جا گرتا ہے۔"

میجر گھٹنے کے بل جھک گیا۔ اس نے خرگوش کی کھوپڑی اپنے ہاتھ میں اٹھائی اور اسے مٹھی میں مسلنے لگا۔ کھوپڑی کی ہڈیاں چورہ چورہ ہو گئیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک سخت چیز سی رہ گئی۔ وہ گولی کا سیسہ تھا۔ "لیجیے گولی بھی مل گئی۔ اب بات کچھ آگے بڑھنے لگی ہے۔ اس سے

ثابت ہوتا ہے کہ بلرام سنگھ نے خرگوش پر گولی چلائی۔ دوسری گولی انھوں نے خود نہیں چلائی۔ اب اگر وہ دوسری گولی مل جائے تو معاملہ صاف ہو جائے آیئے ہم اس جگہ واپس چلیں جہاں آپ نے اپنے بھائی کو لیٹا ہوا دیکھا تھا۔"

وہ سب دوبارہ اس جگہ واپس آ گئے۔

"ٹھاکر صاحب یوں کیجیے۔ رائفل میں گولی بھر لیجیے اور اس جگہ گولی چلا دیجیے جہاں ہمیں خرگوش پڑا ہوا ملا ہے۔ جب آپ گولی چلا چکیں تو بے حس و حرکت کھڑے ہو جایئے۔"

ٹھاکر صاحب نے رائفل میں گولی بھری۔ شست لگائی اور گولی چلا دی اور پھر بے حس و حرکت کھڑے رہے۔

"یہ وہ لمحہ تھا جب کسی نے بلرام سنگھ پر گولی چلائی۔" میجر نے کہا۔ "گولی اس طرف سے آئی ہوگی۔ جس طرف بلرام سنگھ نے گولی چلائی تھی۔" میجر نے انگلی سے ایک سمت میں اشارہ کیا۔ "آیئے اب ہم دوسری گولی تلاش کریں۔ پاؤں زمین پر دبا کر نہیں رکھیے گا۔"

وہ میجر کی بتائی ہوئی سمت پر چل پڑے۔ درختوں کے نیچے زیادہ پتے نہیں گرے ہوئے تھے۔ تینوں آگے بڑھتے رہے۔ ایک درخت کے نیچے ان کو سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا ملا۔ وہ سگریٹ کا رک ٹیڈ تھا۔

میجر نے اس سگریٹ کے ٹکڑے کا بغور معائنہ کیا اور پھر سگریٹ کا وہ ٹکڑا ایک کاغذ میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"قاتل اس درخت کے نیچے کھڑا رہا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بلرام سنگھ سے زیادہ دور نہیں تھا۔" میجر نے خیال آرائی کی۔ "گولی واقعی نزدیک سے چلائی گئی۔" اس کے بعد میجر نے ٹھاکر ویر سنگھ سے پوچھا۔ "آپ کے بھائی کو گولی کہاں لگی تھی؟"

"سینے میں۔"

"پھر تو گولی اس کے سینے سے پار ہو گئی ہوگی۔ ہمیں اس جگہ واپس چلنا چاہیے جہاں بلرام سنگھ لیٹے ہوئے تھے۔ اس جگہ کے پیچھے کہیں دوسری گولی ہوگی۔"

تارا رائے پہلے ہی اس سمت چل پڑا تھا۔ اسے نہ جانے کیا چیز نظر آ گئی تھی۔ وہ دوڑنے لگا تھا۔ اس نے جھک کر کوئی چیز اٹھائی اور میجر کے نزدیک آ کر اس نے اپنی مٹھی کھول دی تھی۔ "یہ لیجیے۔ دوسری گولی بھی۔"

"آج تو فتح ہمارے قدم چوم رہی ہے۔" میجر کے منہ سے نکلا۔

"اب مجھے یقین آ چکا ہے کہ بلرام سنگھ کو قتل کیا گیا ہے۔ ٹھاکر صاحب آپ کا خیال بالکل درست تھا قاتل اس درخت کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ وہ آپ کے بھائی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ کوئی سنگ دل انسان تھا۔ اس میں اتنا حوصلہ تھا کہ وہ انتظار کرتے ہوئے سگریٹ بھی پی سکتا تھا۔ میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ سگریٹ پینے والے شخص کے لیے چھپنا آسان نہیں ہوتا۔ اس نے بلرام سنگھ کو آتا ہوا دیکھا تو سگریٹ پھینک دیا۔"

"اب تو آپ کو اطمینان ہو گیا کہ میرے بھائی کی موت حادثہ کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی؟"

"بالکل اطمینان ہو گیا ٹھاکر صاحب! اب میں زیادہ سرگرمی کے ساتھ کام کر سکوں گا۔ مجھے اس بات کا خیال بھی آتا ہے کہ یہ دونوں گولیاں ایک ہی آدمی نے چلائی تھیں۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ حملہ آور کے پاس بھی بائیس بور کی رائفل تھی۔ قاتل نے بائیس بور کی رائفل اس لیے استعمال کی کہ اسے معلوم تھا کہ بلرام سنگھ کے پاس بائیس بور کی رائفل ہے۔ ایک ہی جیسی رائفل استعمال کرنے کا مقصد پولیس کو دھوکا دینا تھا اور قتل کی واردات کو ایک حادثہ قرار دینا یا اقدام خودکشی ظاہر کرنا تھا۔ کوئی بہت ہی چالاک قاتل ہے۔ ہمیں اس کو سات پردوں سے بھی ڈھونڈ نکالنا ہوگا۔ ایک بات پر غور کرنا باقی ہے کہ قتل کرنے کا مقصد کیا تھا۔ لوگ کسی کو یوں ہی قتل نہیں کیا کرتے۔"

میجر نے سگریٹ سلگایا اور لمبے لمبے کش لگاتا ہوا کچھ سوچنے لگا۔ "آپ کہتے ہیں کہ آپ کے بھائی متحمل مزاج انسان تھے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو قتل کیوں کیا گیا؟ کسی نے دیدہ دانستہ ان کو قتل کیا لیکن کیوں؟ یہ ایک پریشان کن سوال ہے۔ ٹھاکر صاحب یہ بتایئے گدھے کے چیخنے اور آپ کے یہاں پہنچنے میں کتنا وقت لگا ہوگا؟"

"دو تین منٹ سے زیادہ نہیں لگا ہوگا۔"

"کیا آپ کے بھائی نے گدھا چیختا ہوا سنا ہوگا؟"

"ضرور سنا ہوگا۔"

"گدھا چیختا ہوا سن کر اس کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی؟" میجر نے کہا۔ "اگر آپ اپنے بھائی کی جگہ ہوتے تو اس وقت آپ کیا کرتے؟"

"میں ان کی جگہ ہوتا تو میں گدھے کی طرف دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا۔"

"اسے آپ دیکھ نہ پاتے تو آپ کیا کرتے؟"

"میں اپنا کام کرتا رہتا۔"

"یعنی آپ وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرتے۔"

"بالکل نہیں۔ کوئی گدھے کو دیکھ کر بھاگ کھڑا نہیں ہوتا۔ میں تو یہ دیکھنے کی کوشش کرتا کہ گدھا کہاں ہے؟"

"مجھے تو ایسا خیال آ رہا ہے کہ کوشش کے باوجود آپ اسے دیکھ نہ سکتے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" ٹھاکر صاحب نے فوراً حیرت سے پوچھا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں کوئی گدھا نہیں ہے۔"

"مگر میں تو اسے چیختا ہوا سن چکا ہوں۔"

"آپ نے اسے چیختا ہوا سنا مگر دیکھا نہیں۔" میجر نے کہا۔ "گدھے کی آواز نکالنا مشکل نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ آواز کسی انسان کے منہ سے نکلی ہو۔ اس انسان کے منہ سے جو درخت کے پیچھے کھڑا تھا اور جس نے آپ کے بھائی کو گولی کا نشانہ بنایا۔ اگر میرا قیاس غلط نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ قاتل کو آپ کے خاندان کی بددعا کا علم تھا۔"

"اوہ...... میرے بھگوان۔ اس بات پر تو میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

"چلیے ہم یہاں سے ابتدا کرتے ہیں کہ آپ نے گدھے کو چیختے ہوئے سنا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ گدھے کی حقیقی چیخ تھی یا مصنوعی چیخ تھی اہم بات تو یہ ہے کہ وہ چیخ آپ نے سنی بلرام سنگھ نے سنی۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر آپ بلرام سنگھ کی جگہ ہوتے تو آپ نے گدھے کو ڈھونڈا ہوتا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ بلرام سنگھ نے بھی گدھے کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"گدھے کی چیخ کا مقصد سننے والے کو ہراساں کرنا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ جو شخص اس منحوس بددعا سے واقف تھا۔ وہ اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اور جو شخص گدھے کی چیخ کے نتائج سے واقف تھا اس کا خوف زدہ ہونا قدرتی عمل تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ گدھے کی چیخ کا ایک اور مقصد بھی تھا۔"

"وہ مقصد کیا تھا؟"

"قاتل اس چیخ سے اپنے شکار کو اپنے قریب کھینچنا چاہتا تھا۔"

"اوہ...... میرے بھگوان آپ کی ہر بات مجھے قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔"

"آپ جب جنگل کی طرف دوڑے تو کیا آپ نے کسی کو دیکھا تھا۔"

"کسی کو نہیں۔"

"کیا آپ نے کسی کو دیکھنے کی کوشش کی تھی؟"

"نہیں۔ مجھے تو اپنی پڑی ہوئی تھی میں تو اپنے بھائی کو اوندھا گرا دیکھ کر ہی حواس باختہ ہو گیا تھا۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"صدمے نے مجھے مفلوج کر دیا تھا۔ مجھے تو یہ نہیں معلوم کہ میں کیا کچھ کر رہا تھا لیکن مجھے اتنا یاد ہے کہ دوڑتا ہوا واپس حویلی میں گیا تھا۔ تاکہ وہاں سے سری رام بابا کو لاؤں اور بھائی کی لاش اٹھا کر لے چلوں۔"

"کیا سری رام بابا حویلی میں موجود تھے؟"

"جی ہاں۔"

"قاتل اتنی دیر میں فرار ہو سکتا تھا۔" میجر نے کہا۔ "سنئے ٹھاکر صاحب، آپ آئندہ جب بھی گدھ کو چیختا ہوا سنیں تو آپ اس طرف ہرگز نہ جائیں۔ جس طرف سے وہ آواز آ رہی ہو۔ آپ آنکھ اٹھا کر ضرور دیکھیں مگر اس سمت میں ہرگز نہ جائیں۔ مجھے آپ کی حویلی کے گرد و پیش کا بھی معائنہ کرنا ہو گا۔"

"کیوں، یہاں تو کوئی چیز بھی قابل دید نہیں۔"

"نہ سہی۔ میں پرندوں کے گھونسلے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا گدھ کا بھی کوئی گھونسلا ہوتا ہے؟" ٹھاکر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"دوسرے پرندوں کا تو ہوتا ہے۔"

"آپ کی کئی باتیں بالکل میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

وہ ایک گھنٹہ تک حویلی کے ارد گرد گھومتے رہے۔ میجر کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ اس جگہ درختوں پر پرندوں کے بہت کم گھونسلے تھے۔

"ہمیں آپ کی مہربانی کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ آپ کافی تھک گئے ہوں گے۔ اب واپس چلتے ہیں۔ میں اکیلا ہی اس علاقہ کی سیر کا پروگرام بناؤں گا۔"

وہ جب واپس آئے تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد وہ دنیا کے مختلف مسائل پر بحث کر رہے تھے۔ نانا رائے اگرچہ سائنس دان تھا لیکن خشک موضوع سے جلد اکتا جاتا تھا اور وہ موضوع بدلنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ کوئی لطیفہ سنانے کا موقع پیدا کر لیتا تھا۔

اب بھی اس نے لطیفہ سنانے کی راہ ہموار کر لی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ایک چھریرے بدن کا دھان پان آدمی ایک ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ اور ڈاکٹر کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اسے قبض کی شکایت ہے۔ ڈاکٹر نے اسے قبض کشا دوا دے دی لیکن دوسرے دن وہ آدمی پھر ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے شکایت کی کہ اسے دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر نے دوا بدل دی۔ تیسرے دن وہ پھر ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اور ایک دفعہ پھر شدت سے شکایت کی کہ وہ دوا بھی بالکل بے کار ہے۔ ڈاکٹر نے اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور جھنجھلا کر کہا۔ "میں نے جو دوا دی ہے وہ اگر گھوڑے کو بھی دیتا تو اسے بھی پیچش ہو جاتی۔" پھر نجانے کیوں ڈاکٹر کو خیال آیا تھا اس نے اس شخص سے پوچھا۔

"آپ کام کیا کرتے ہیں۔" اس شخص نے بڑی مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

"میں شاعر ہوں۔" ڈاکٹر مسکرایا۔ اور اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس شخص کی ہتھیلی پر دو روپے رکھتے ہوئے بولا۔

"جاؤ بھیا پہلے جا کر کھانا کھاؤ۔ قبض کی شکایت خود بخود ختم ہو جائے گی۔"

سب نے زوردار قہقہے بلند کیے۔ ٹھاکر صاحب کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ اتنے میں باہر برآمدے میں کسی کار کے رکنے کی آواز سنائی دی۔

"میرے خیال میں یوگیتا آئی ہے۔" ٹھاکر صاحب نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

اب ہلکے ہلکے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور دوسرے لمحے ایک نوجوان لڑکی نے کمرے میں قدم رکھا اور وہاں اجنبی لوگوں کو دیکھ کر فوراً پلٹ پڑی۔

"آؤ...... یوگیتا یہ لوگ میرے دوست ہیں۔"

"سب یوگیتا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ بائیس برس کی ایک حسین لڑکی تھی۔

چہرے پر دوشیزگی کی صباحت بہت نمایاں تھی۔ اس نے ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ اس کا جسم سڈول اور بازو بہت دل آویز تھے۔ اس کے ایک ایک انگ سے نسوانیت جھلک رہی تھی۔ اس کا چہرہ بیضوی تھا۔ آنکھیں سیاہ، اور ابر و خمدار تھے۔ وہ ایک مصور کا حسین شاہکار معلوم ہو رہی تھی۔

ٹھاکر صاحب نے اس کا تعارف کرایا اور پھر انھوں نے کہا۔

''آج تم دیر سے آئی ہو یوگیتا۔''

''مجھے بستی ناگ گڑھ میں دیر ہو گئی۔ میں جلد واپس پہنچنا چاہتی ہوں تمھیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔''

''نہیں شکریہ، چائے یا کافی نہیں پیو گی؟''

''نہیں بہت دیر ہو جائے گی۔ اور پھر اس نے اپنے محبوب کے مہمانوں کی طرف منہ پھیر کر کہا۔'' کیا آپ لوگ کچھ دن یہاں ٹھہریں گے؟''

''دو چار روز تو رہیں گے ہی۔'' میجر نے جواب دیا۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ سب کل یا پرسوں میرے یہاں آ کر کھانا کھایئے۔'' یوگیتا نے ٹھاکر صاحب کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا۔'' ان کو کسی شام میرے گھر لے آنا۔''

''کوشش کروں گا۔''

''اچھا تو میں چلتی ہوں۔'' یوگیتا نے سب کو ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا اور ایک چھلاوے کی طرح باہر چلی گئی۔ اس نے کمرے سے باہر جا کر کہا۔

''اپنا خیال رکھنا۔''

میجر نے ٹھاکر صاحب کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا۔'' یوگیتا کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ اپنا خیال رکھنا۔''

''وہ اکثر یوں ہی کہا کرتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہمارے خاندان کو اکثر کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا رہتا ہے۔'' ٹھاکر صاحب نے کھسیانا ہو کر کہا۔

''اور میں نے آپ کی بات پر اعتبار کر لیا تھا کہ آپ نے بد دعا والی بات یوگیتا کو نہیں بتائی۔'' میجر نے کہا۔

''میں نے اسے کچھ بھی نہیں بتایا ہے۔ اس علاقے میں اکثر یہی چہ میگوئیاں ہوتی

رہتی ہیں۔ اس کے کانوں میں بھی بھنک پڑ گئی ہو گی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ دیہات کے لوگ بے پر کی اُڑاتے ہیں۔''

میں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔ مگر میں پھر ایک بار آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپ بد دعا والی بات کسی کو مت کہیے گا۔''

''میں آپ کو وچن دے چکا ہوں۔ ہم لوگ اپنے قول کو نبھانے کے عادی ہیں۔'' ٹھاکر صاحب نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ کی کیا رائے ہے۔ کیا میری زندگی واقعی سخت خطرے میں ہے۔ کیا میں اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لوں۔''

''ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف احتیاط کرنی ہو گی۔ میں نے ابھی ابھی آپ کو بتایا ہے کہ اگر آپ گدھ کو چیختا ہوا سنیں تو اس کی پرواہ کیجیے گا۔ اسے چیخنے دیجیے گا۔ اسے دیکھنے یا ڈھونڈنے جانے کی ضرورت نہیں۔'' میجر نے کہا۔

''اب رہی یہ بات کہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں اختلاف رائے کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ ہی تو اکثر یہ کہتے رہتے ہیں کہ آپ اس خاندان کے آخری فرد ہیں۔ اگر آپ پر کوئی حادثہ گزرا تو آپ کے خاندان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔''

کیا........ کیا........؟ ٹھاکر صاحب کی گھگھی بندھ گئی۔

''میجر صاحب کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص یا بہت سے اشخاص یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے خاندان کا نام و نشان مٹ جائے۔'' نانا رائے نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر صاحب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔'' وہ لوگ میرے خاندان کا نام و نشان کیوں مٹانا چاہتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔''

''میں ابھی سارے معاملے پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔ ویسے میں یہ سمجھتا ہوں کہ کوئی بڑی دیر سے اپنے اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟'' ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

''آپ ہی نے تو مجھے بتایا ہے کہ آپ کے خاندان میں جو موتیں ہوئی ہیں وہ دراصل قتل کی وارداتیں تھیں اور ہم نے آج یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے خاندان میں یہ آخری موت یعنی آپ کے بڑے بھائی کی موت بھی قتل کی واردات تھی۔ آپ خود ہی سوچیے کہ قتل کی یہ

وارداتیں کیوں ظہور میں آ رہی ہیں۔ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی یا چند لوگ آپ کے خاندان کو حرف غلط کی طرح مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

ٹھاکر صاحب خاموش رہے۔

"اگر یہ نام نہاد حادثے اصل میں قتل ہیں تو ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد ضرور کارفرما ہے اور نئے قتل کو روکنے کے لیے اس مقصد کی تلاش ضروری۔ ورنہ یہ قتل اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک اس خاندان کا ایک بھی فرد زندہ ہو گا۔"

"ایک مہذب ملک میں قتل کی واردات کے پیچھے زیادہ مقاصد نہیں ہوتے ہیں۔ کیا آپ کے بھائی کی کوئی چیز چرائی بھی گئی تھی؟"

"اس کے پاس چرانے کے قابل کوئی چیز تھی ہی نہیں۔"

"اس کے دیگر بزرگوں کا کچھ چرایا گیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے، لیکن اس کا ذکر کبھی نہیں آیا۔"

"کیا آپ کے گھر میں کبھی چوری ہوئی یا نقب لگائی گئی ہے۔"

"اس گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو چرانے کے قابل ہو۔"

"اچھا ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ قتل کا مقصد چوری نہیں تھا۔ کیا ان وارداتوں کے پیچھے حسد کارفرما ہے۔ اگر ہم حسد یا رقابت پر غور کریں تو اس کا مطلب ہے کہ ان وارداتوں میں عورت کا ہاتھ ہے۔ کیا بلرام سنگھ کسی عورت سے ملتے تھے؟ یا کوئی عورت بلرام سنگھ کی طرف ملتفت تھی؟"

"میں صرف ایک ہی عورت کو جانتا ہوں۔ جو اپنی ماں کے ساتھ ہمارے ہاں چلی آئی تھی اس کی ماں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ہماری دور کی رشتہ دار ہے۔ اس کا نام سنتو تھا۔ وہ جب آئی تھی تو میرے بھائی کے گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ اب ایک برس سے میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ شاید وہ بلرام سنگھ کی طرف سے مایوس ہو چکی تھی۔ سنتو کے سوا بلرام سنگھ کو میں نے کسی عورت یا لڑکی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"ہوں۔" میجر نے کہا۔ "ان قتلوں کا مقصد معلوم کرنا ایک ٹیڑھا مسئلہ نظر آ رہا ہے۔ دیکھیے میں آپ کو محتاط رہنے کی ہدایت اس لیے کر رہا ہوں کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے یہاں ہوتے ہوئے دشمن آپ کو بھی ٹھکانے لگا دے۔ میں عمر بھر اپنے آپ کو معاف نہیں کر

سکوں گا۔"

میں اس حویلی میں کب تک اپنے آپ کو بند رکھوں گا۔ ٹھاکر صاحب نے کہا۔

"آپ اس حویلی میں رہیں گے اور کوئی آپ پر حملہ کرے گا تو پھر پولیس کے لیے یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ آپ کو حادثہ پیش آیا ہے۔" میجر نے کہا۔ اور پھر اس نے میز پر اپنی دو انگلیاں بجاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اس علاقے میں آس پاس کوئی بازار یا کوئی دکان نہیں ہے؟"

"بازار تو نہیں ہیں۔ مگر اب چونکہ ان دیہات میں لاریاں اور بسیں چلنے لگی ہیں۔ اس لیے گاؤں کو جانے والے ہر موڑ پر ایک نہ ایک چائے کی دکان ضرور ہوتی ہے۔"

"میں ایک بات اور بھی سوچ رہا ہوں۔ آپ نے بتایا تھا کہ آپ کے چار دیہات کی زمین چھ سو ایکڑ ہے۔ مگر آمدنی صرف دو لاکھ روپے سالانہ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"آپ شاید بھول چکے ہیں کہ جاگیرداری ختم ہو چکی ہے۔ میں اپنے پاس بتیس ایکڑ زمین رکھ سکا ہوں۔ بتیس ایکڑ زمین میں نے بابا سری رام کے نام رکھی ہے۔ اس طرح میں چونسٹھ ایکڑ زمین کا مالک رہ گیا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔" میجر نے کہا "اس وقت ہمیں کوئی اور کام نہیں ہے۔ اب ہمیں اپنے کمرے میں لے چلیے۔ جہاں آپ کے خاندان کے کاغذ پڑے ہوئے ہیں۔ ان کاغذات سے بھی کام کی کوئی بات ہاتھ آ سکتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ خط ان کاغذات میں مل جائے۔ جو اس حویلی میں آپ کے خاندان کے بزرگ جیون سنگھ کی آمد کے بعد بھیجا گیا تھا۔ میرا مطلب اس خط سے ہے۔ جس میں بددعا درج تھی۔"

"میں آپ کو اس کمرے میں تو لے جاؤں گا۔ مگر وہ گرد سے اٹا ہوا ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں ہمیں اپنا کام کرنا ہے۔ پردیپ ہماری مدد کرے گا۔" میجر نے کہا تا نارائے۔ ٹھاکر ویر سنگھ، پردیپ اور میجر خاندانی دستاویزات والے کمرے میں چلے گئے راستے میں میجر نے ٹھاکر سے پوچھا۔ "آپ کی اس جاگیر میں اپنا مندر اور اپنا شمشان گھاٹ ہونا چاہیے۔"

"مندر بھی ہے اور شمشان گھاٹ بھی ہے۔ مندر بہت شکستہ ہے۔ اس کی دیکھ بھال پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ کیونکہ ہم دونوں بھائی دھرم سے زیادہ لگاؤ نہیں رکھتے ہم دونوں نے

مغرب میں تعلیم حاصل کی تھی۔ شمشان گھاٹ کی تھوڑی بہت دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ بلرام سنگھ کو وہیں چتا کے شعلوں کی نذر کیا گیا تھا۔"

دستاویزات والا کمرہ کھولا گیا تو اس سے مٹی کی عجیب بو آئی۔ میجر نے ناک پر رومال رکھتے ہوئے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کمرے کو برسوں سے کھولا نہیں گیا ہے۔"

"بلرام سنگھ نے ایک بار کھولا تھا۔ وہ بھی خاندانی کاغذات دیکھنا چاہتا تھا لیکن جلدی مایوس ہو گیا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کمرے میں بڑے صندوق میں بے شمار کاغذات ہیں۔ مگر ایک بھی کام کا نہیں ہے۔ ٹھاکر نے ایک بہت بڑا چابیوں کا گچھا اپنے کوٹ کی جیب سے نکالا۔ کچھ چابیاں زنگ آلود تھیں۔ "یہ لیجئے یہ اس صندوق کی چابیاں ہیں بڑی چابی بڑے صندوق کی ہے۔"

اس کمرے میں پرانا اسلحہ بھی دیواروں سے ٹنگا ہوا تھا۔

"ان ہتھیاروں کے مالک کون تھے؟" میجر نے پوچھا۔ "یہ تو میں جانتا ہوں کہ یہ ہتھیار آپ کے بزرگوں کے ہی ہوں گے۔ مگر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کچھ ہتھیار ان لوگوں کے بھی یہاں موجود ہیں جو حویلی کے اصلی مالک تھے۔"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا ان ہتھیاروں کی کوئی قیمت نہیں۔"

"اگر ان کی کوئی قیمت ہوتی تو میں ان کو کب کا بیچ چکا ہوتا۔"

میجر ایک پرانے صندوق کی طرف بڑھا وہ لکڑی کا صندوق تھا لیکن امتداد زمانہ کی وجہ سے سیاہ پڑ چکا تھا۔ اس صندوق پر پیتل کی پتیاں جڑی ہوئی تھیں اور پیتل کی وہ پتیاں بھی سیاہ پڑ چکی تھیں۔

ٹھاکر صاحب نے آگے بڑھ کر اس صندوق کا تالا کھولنا چاہا تو میجر نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "ٹھہریئے اس صندوق کو ہاتھ نہ لگایئے۔"

"کیوں...... کیا بات ہے؟"

"اس صندوق کو پہلے کب کھولا گیا تھا؟"

"بلرام سنگھ نے ایک برس پہلے کھولا تھا۔ آپ نے یہ سوال مجھ سے کیوں پوچھا ہے؟"

"اس لیے پوچھا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس صندوق کو حال ہی میں کھولا گیا ہے۔" سنگرام سنگھ نے جھک کر اس صندوق کے تالے کا معائنہ کیا۔ پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اس تالے کو کھولنے کے لیے ایک لیور کا استعمال کیا گیا ہے۔ آپ تالے کی دھات پر لیور کی ڈالی ہوئی خراشیں دیکھ سکتے ہیں اور یہ خراشیں تازہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ چمک رہی ہیں۔"

ٹھاکر صاحب نے تالے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نے اس تالے کو چھیڑا ہے۔"

"آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کے ہاں کبھی چوری نہیں ہوئی۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن میں یہ کہوں گا کہ آپ کے ہاں چوری ہوئی ہے۔ سنگرام نے صندوق کے اوپر دیوار کی کھڑکی کی طرف مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر نے بھی کھڑکی پر نگاہ ڈالی اور بولے۔ "اس حویلی میں تقریباً دو سو کھڑکیاں ہیں۔ اتنی کھڑکیوں کی نگرانی کون کرتا ہے۔ کوئی بھی ان کھڑکیوں کے راستے اندر داخل ہو سکتا ہے۔ کھڑکیوں کو محفوظ بنانا بھی ناممکن ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ جو کوئی بھی اس کے اندر آیا۔ وہ آخر کیا غرض لے کر آیا۔ اس گھر میں زیورات نہیں، نقدی نہیں۔ میرے جواہرات نہیں میرے پاس بیک وقت ہزار دو ہزار سے زیادہ رقم بھی نہیں ہوتی۔"

"کیا آپ کا کوئی خاندانی کاغذ بیش قیمت ہو سکتا ہے؟" نانا رائے نے پوچھا۔

"اگر کوئی کاغذ قیمتی ہوگا تو میرے لیے ہوگا۔ دوسرے شخص کا اس سے کیا سروکار میرے اور سری رام بابا کے سوا کسی کو علم بھی نہیں ہے کہ اس صندوق میں خاندانی کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔"

"اچھا تو سری رام بابا بھی جانتے ہیں کہ اس صندوق میں کیا ہے۔"

"جی ہاں...... ٹھاکر صاحب نے کہا۔ "سری رام بابا نے اپنی ساری عمر اس گھر میں بسر کی ہے۔ ان کا ایک ماموں بھی اس گھر میں ملازم رہ چکا ہے۔ وہ اپنے ماموں ہی سے پتہ پوچھ کر اس گھر میں ملازمت کے لیے آئے تھے۔ سری رام بابا ایک وفادار نوکر ہیں۔ اس گھر کی غلامی ہمیشہ ان کے مدنظر رہی ہے۔"

"کیا آپ کے نزدیک اس حویلی کی ملکیت کے کاغذات ضروری نہیں ہیں۔" سنگرام سنگھ نے پوچھا۔

"بہت ضروری ہیں اگر یہ بھید کھل جائے کہ میرے پاس وہ کاغذات نہیں ہیں تو اس حویلی کے اصل مالکوں کے وارثوں سے کوئی ایک وارث اس حویلی پر اپنی ملکیت کا حق جتا سکتا ہے۔ وہ کاغذ ہی میرے پاس اس بات کا واحد ثبوت ہیں کہ میں اس حویلی کا جائز مالک ہوں۔"

خیر ایک بات آپ کو بتا دوں۔ جو شخص اس صندوق کو کھولنے آیا وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگر وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو تالا دوبارہ بند نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت تالا ہمیں کھلا ہوا ملتا۔ آپ آج کے بعد چابیوں کے اس گچھے کو چھپا کر رکھ دیجئے۔ اس صندوق کا پرانا تالا مضبوط ہے۔ اس کو کھولنا آسان نہیں ہے ضروری کاغذات بھی آپ کو محفوظ جگہ رکھنے ہوں گے۔ آپ ان کو اپنے بینک کے لاکر میں رکھ سکتے ہیں۔"

"کسی کو یہ کیسے پتہ چلا کہ ضروری کاغذات اس صندوق میں ہیں؟ میں اس بات پر ابھی تک اپنا سر پٹک رہا ہوں۔ ٹھاکر صاحب نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ کسی کو یہ گمان ہے کہ اس صندوق میں قیمتی چیز ہے۔"

"اس صندوق میں روپیہ نہیں ہے۔"

"چور کو یہ الہام نہیں ہوتا کہ اس صندوق میں روپیہ نہیں ہے۔ وہ تو صندوق کو جب کھول کر دیکھتا ہے تو پھر پتہ چلتا ہے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے ہاں جو چور آیا ہو وہ روپیہ کی تلاش میں نہ آیا ہو۔"

"پھر تو اس صندوق کو کھولنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

"جی ہاں....... اور معاملہ ہمیں کہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ میں اس واقعہ کے بعد ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔ چور جب چاہے اپنی مرضی سے اس گھر میں داخل ہو سکتا ہے۔ اگر اسے یہ پتہ چل جائے کہ آپ کی خوابگاہ کہاں ہے۔ تو اس گھر کے اندر ہی کوئی اندوہناک حادثہ ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اپنی خوابگاہ کا دروازہ بند کر کے سوتے ہیں؟"

"نہیں....... میں ایسا کیوں کروں۔"

"آج سے آپ کو اپنی خوابگاہ کا دروازہ بند کر کے سونا ہوگا۔ میں آپ کی بہتری کی

بات کر رہا ہوں۔ خیر صندوق کھولیے۔"

ٹھاکر صاحب نے بڑی بے چینی سے چابی لے کر صندوق کا تالا کھول دیا۔ صندوق کا ڈھکن بہت بھاری تھا۔ اسے اٹھانے میں پردیپ نے ٹھاکر صاحب کی مدد کی۔ صندوق کے اندر سے ایک غبار اٹھا۔ وہ صندوق کاغذات سے اٹا ہوا تھا۔ میجر سنگرام سنگھ نے مخمل میں منڈھا ہوا ایک کمبل اٹھایا۔ اسے دیوار سے ٹکرا کر جھاڑا۔ اسے کھولا، اس کمبل میں سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ایک موٹا کاغذ تھا۔

"کیا آپ اسے پڑھ سکتے ہیں۔" میجر سنگرام سنگھ نے وہ موٹا کاغذ جس پر ایک بہت بڑی مہر کا نشان تھا۔ ٹھاکر ویر سنگھ کی طرف بڑھا دیا۔

"آہ....... یہ شاہی اقرار نامہ ہے جس کی رو سے یہ حویلی میرے بزرگ جیون کے نام منتقل کی گئی تھی۔"

سنگرام سنگھ نے دوسرے کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔ "کیا آپ ان کو پڑھ سکتے ہیں؟"

"جی ہاں!" ٹھاکر صاحب نے جواب دیا اور وہ صندوق میں پڑے ہوئے کاغذوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ یہ بیع نامے ہیں۔ لوگوں کو دیے گئے قرضوں کے کاغذات ہیں۔ عدالتوں کے فیصلے ہیں۔ میرا ایک بزرگ منصف تھا۔ وہ جو فیصلے صادر کرتا تھا ان کی نقل اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ ایک دفعہ میرے پتا ایک دیوان کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس دیوان کو یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ تمام کاغذات کو تاریخ وار ترتیب دے۔ ان کاغذات میں سولھویں صدی کے مشہور ڈاکو بھیراج سنگھ پر مہاراج کی عدالت میں چلائے گئے مقدمے کی پوری کہانی بھی ہے۔ جسے "ریچھ ڈنڈ" دیا گیا تھا۔ یہ کہانی ہمارے پتا جی نے ہمیں سنائی تھی۔"

"ریچھ ڈنڈ....... کیا مطلب؟" میجر سنگرام سنگھ نے پوچھا۔

"اس زمانے میں مجرموں کو سزا دینے کے لیے عجیب و غریب طریقے اپنائے جاتے تھے جب کسی کو سزا دینا مقصود ہوتا۔ جو پکڑا نہ جاتا ہو تو اس کی جگہ جنگل سے ایک ریچھ پکڑ لیا جاتا اس ریچھ کو ایک درخت سے باندھ دیا جاتا تھا اور اس کی قیمت مقرر کر دی جاتی تھی۔ یہ قیمت اس وقت تک بڑھتی رہتی تھی۔ جب تک مطلوبہ مجرم ہتھے نہ چڑھتا تھا۔ شہر میں ہر پندرہ بیس دنوں کے بعد اعلان کیا جاتا تھا کہ جو شخص مطلوبہ شخص کو زندہ پکڑ کر لائے گا یا اس کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اسے ریچھ کی قیمت کے برابر انعام دیا جائے گا۔ اور اگر وہ مجرم کا ساتھی بھی

ہوگا۔ تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایک دن مطلوبہ مجرم کا ساتھی اپنی جان بچانے اور انعام حاصل کرنے کے لیے اس کا سر کاٹ کر لے آتا تھا یا اسے زندہ پکڑوا دیتا تھا۔"

"انسان کی تاریخ میں جرائم روکنے کے لیے کیا کیا تدبیریں اختیار کی گئی ہیں۔" نانا رائے نے کہا۔

ٹھاکر صاحب صندوق کے اندر کاغذات کا الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ اس صندوق کو کھنگالنے میں دو گھنٹے صرف ہو گئے۔

"یہ بے کار کاغذات ہیں گھر کے اخراجات سے متعلق ہیں۔"

"چلیے زیادہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کاغذات سے کام کی کوئی بات ہاتھ نہیں لگی۔"

جب ٹھاکر کاغذات صندوق کے اندر دوبارہ پھینک رہے تھے تو ایک پلندہ میں سے نیلے رنگ کے دوہرے اور دبیز کاغذ کا ایک لمبا لفافہ باہر گرا۔ اس لفافے کے ایک کونے پر چھوٹا سا ریشمی فیتا بندھا ہوا تھا۔ سنگرام سنگھ نے اس دبیز اور دوسرے کاغذ کو کھول کر دیکھا۔ اس کے اندر سے ایک کورا کاغذ نکلا۔ جس پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا۔ میجر نے اس کاغذ کو روشنی کے آگے لے جا کر غور سے دیکھا۔

"یہ تو ایک کورا کاغذ ہے۔" سنگرام سنگھ نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کاغذ میں کوئی اور کاغذ لپٹا ہوا تھا۔ شاید اس میں وہ کاغذ ہوگا جس کی ہمیں تلاش تھی۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ خط اس میں نہیں ہے۔ اس لفافے پر کسی جاگیردار گھرانے کا نشان ہے۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟" میجر سنگرام نے لفافہ ٹھاکر صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

"اب نانا رائے اس لفافے کو دیکھنے لگا۔ یہ رتھ کے پہیے کا نشان تھا۔ اس پہیے کے اندر تین چھوٹی چھوٹی مچھلیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہر قومی یا خاندانی نشان کا کوئی نہ کوئی مفہوم ہوتا ہے۔ یہاں رتھ کے پہیوں اور مچھلیوں سے کیا مراد ہے۔"

"ایسے نشانوں کی تشریح کے لیے ان علاقوں کی تاریخ پر پورا عبور ہونا چاہیے۔ جہاں سے نشان ملتے ہیں۔" میجر سنگرام نے کہا۔ "زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت نہیں۔"

ٹھاکر صاحب صندوق میں شاہی اقرار نامہ دوبارہ رکھنے لگے تو میجر سنگرام نے کہا۔

"اسے کہیں اور چھپا کر رکھ دیجیے۔ اس صندوق میں نہ رکھیے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ اقرار نامہ اس صندوق میں زیادہ محفوظ رہے گا میری یادداشت کمزور ہے۔ میں اسے کہیں رکھ کر بھول جاؤں گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

ٹھاکر صاحب نے وہ شاہی اقرار نامہ اسی صندوق میں رکھ دیا۔ پھر اس پر انھوں نے تالا لگا دیا اور اپنے ہاتھ کی مٹی جھاڑتے ہوئے بولے۔

"چلیے اب چل کر چائے پیتے ہیں۔ میں ابھی کلی کر کے آتا ہوں کچھ مٹی اڑ کر میرے منہ میں چلی گئی ہے۔ آپ بیٹھک میں چل کر بیٹھیے۔"

ٹھاکر صاحب اس کمرے کو بند کرنے کے بعد غسل خانے کی طرف چلے گئے۔

میجر نے بیٹھک میں داخل ہونے سے پہلے ٹھاکر صاحب کے کمرے کے دروازے کے اوپر لگے ہوئے خاندانی نشان کو دیکھا۔

"آپ اس خاندانی نشان میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں؟" نانا رائے نے پوچھا۔

"اس شیلڈ کی سطح ناہموار ہے۔" میجر سنگرام نے نانا رائے کے سوال کا جواب نہ دیتے ہوئے کہا۔ "ایک جگہ تھوڑا سا گڑھا پڑا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گڑھے میں کوئی چیز جڑی ہوئی تھی۔ جسے نکال لیا گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے یہاں کوئی قیمتی ہیرا جڑا ہوا ہو۔" نانا رائے نے کہا۔

"ممکن ہے آؤ بیٹھک میں چلیں۔" میجر نے کہا اور پھر پردیپ سے مخاطب ہوا۔

"جاؤ پورنا کو بلا لاؤ۔"

پورنا کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے پیچھے پیچھے سری رام ہوا طشتری میں چائے کا سامان لیے ہوئے پہنچ گئے۔

"آج میں نے آپ کے لیے مچھلی کباب بنائے ہیں۔ آپ نے بڑے بڑے ہوٹلوں میں کھائے ہوں گے۔ ذرا ان کو بھی کھا کر دیکھیے۔"

مچھلی کے کباب واقعی لاجواب تھے۔

☆☆☆

ٹھاکر صاحب غسل خانے سے ابھی واپس نہیں آئے تھے۔ پورنا نے سب کے لیے دوبارہ چائے بنائی۔

''آخر وہ کون شخص ہے جو کھڑکی کے راستے اس حویلی کے کمرے میں داخل ہوا اور جس نے بڑا صندوق کھولنے کی کوشش کی؟'' نانا رائے نے پورنا کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے کہا۔

''وہ آدمی کوئی عام چور بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر عام چور نہیں تھا اور خاص طور سے وہی صندوق کھول کر کوئی کاغذ حاصل کرنے کے لیے آیا تھا تو پھر ٹھاکر صاحب کی زندگی بھاری خطرہ میں ہے۔ ٹھاکر صاحب شادی کرنا چاہتے ہیں اور ان کی یہ خواہش ہے کہ ان کے یہاں جو بیٹا ہو وہ زندہ رہے۔ ٹھاکر صاحب یہ نہیں سوچ رہے کہ کوئی ان کی شادی کے دن سے پہلے ان پر حملہ کر سکتا ہے۔''

''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ٹھاکر صاحب پر حملہ ہوگا؟''

''ضرور ہوگا۔ ان کے بڑے بھائی کی موت حادثہ سے نہیں ہوئی۔ ان کو قتل کیا گیا اس لیے قاتل چھوٹے بھائی پر بھی حملہ کرے گا۔ گدھ پھر چیخ سکتا ہے۔ کس قدر عجیب معاملہ ہے کہ جب گدھ چیختا ہے تو اس گھر میں کوئی نہ کوئی مر جاتا ہے۔'' سنگرام سنگھ نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''میں اسے ایک اتفاقی مطابقت نہیں مان سکتا۔''

''دوسرے الفاظ میں آپ یہ سوچتے ہیں کہ وہ گدھ ایک پرندہ نہیں بلکہ ایک انسان بھی ہو سکتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے اگر ٹھاکر صاحب گدھ کو چیختا ہوا سنیں گے تو ان کو بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔''

اتنے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ٹھاکر صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔

''خوب...... آپ نے اچھا کیا کہ میرا انتظار نہیں کیا اور چائے پی لی۔'' ٹھاکر صاحب بیٹھ گئے اور انھوں نے میجر سنگرام کی طرف دیکھا۔ اور بولے۔ ''آپ کچھ پریشان نظر آتے ہیں۔''

''ہاں مجھے یہ بات پسند نہیں آئی کہ کوئی آدمی جب چاہے اس گھر میں گھس سکتا ہے۔''

''ہم اسے روک نہیں سکتے۔ اگر کھڑکیوں کو بند کروایا جائے تو اس کام پر کافی خرچ آئے گا۔''

''کیا آپ ڈرتے نہیں ہیں کہ قتل کی ایک نئی واردات بھی ہو سکتی ہے۔''

''میں بالکل نہیں ڈرتا۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میرے خاندان میں جو واقعات ہوئے ہیں۔ انھوں نے مجھے تقدیر پرست بنا دیا ہے۔ آپ تقدیر کے چنگل سے بچ نہیں سکتے۔ جب میرا وقت آئے گا تو میں مر جاؤں گا۔ اس پہلے نہیں!''

''یہ دلیل مضبوط ہے۔ مگر میں اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

''کوئی کیا کر سکتا ہے۔ بددعا آج تک کارگر ثابت ہوئی ہے۔ کیا وہ میرے معاملے میں کارگر ثابت نہیں ہوگی۔''

''آپ کو بددعا سے ہلاک نہیں کیا جائے گا آپ کو کسی ہتھیار سے ہلاک کیا جائے گا۔ میں اب چونکہ یہاں آ چکا ہوں اس لیے میں پوری کوشش کروں گا کہ اس حادثہ کو ٹال سکوں۔ آپ بھول رہے ہیں کہ آپ کے بڑے بھائی کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا اور ایسی رائفل سے ہلاک کیا گیا جیسی رائفل ان کے پاس تھی۔ یہ جاننے کے بعد بھی آپ بددعا اور تقدیر کی باتیں کر رہے ہیں۔''

''میں مجبور ہوں۔''

''بعض اوقات آپ کا رویہ مجھے حیرت میں ڈال دیتا ہے۔'' میجر سنگرام نے کہا۔ ''آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے بھائی کو رائفل کو گولی سے ہلاک کیا گیا ہے۔ مقامی پولیس تھانوں میں ان آدمیوں کی فہرست ہوتی ہے جن کے پاس اسلحہ رکھنے کا لائسنس ہوتا ہے اور مقامی پولیس میں یہ فہرست بھی موجود ہوتی ہے کہ کس شخص کے پاس کس قسم کا اسلحہ ہے۔ یعنی اس کے پاس رائفل ہے یا پستول، کیا آپ نے پولیس تھانہ جا کر یہ پوچھنے کی زحمت گوارا کی

تھی کہ بائیس بور کی رائفل اس علاقے میں کس کس کے پاس ہے؟''

''نہیں۔''

''آپ نے پتہ کیوں نہیں کیا؟''

''مجھے اس وقت اس کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ اس پوچھ گچھ کا کوئی فائدہ بھی نہ ہوتا اس علاقے میں درجنوں اشخاص کے پاس اس قسم کی رائفلیں ہو سکتی ہیں۔ اور پھر یہ بھی کیا ضروری ہے کہ قاتل نے اپنے اسلحہ کا لائسنس حاصل کیا ہو۔''

''آپ نے اس گھر میں کسی اجنبی کو داخل ہونے سے روکنے کا انتظام بھی نہیں کر رکھا۔'' میجر نے کہا۔

''میں کیا انتظام کر سکتا ہوں۔''

''آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ کیسے کسی کو اس گھر میں داخل ہونے سے روکا جا سکتا ہے۔ آپ کے گھر میں چور آیا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ یعنی وہ چیز نہ لے جا سکا۔ جس کی تلاش میں وہ آیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ پھر بھی آ سکتا ہے۔ اب کے وہ آئے گا تو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے پوری تیاری کر کے آئے گا۔ میں اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اگر آپ اسے گھر میں داخل ہونے سے روک سکے یا اسے ایک نظر دیکھ سکیں گے تو میں بہت خوش ہوں گا۔''

''آپ چائے ختم کر لیجئے۔ اس کے بعد مجھے چل کر یہ بتایئے کہ باہر کی طرف اس کمرے کی کھڑکیاں کہاں ہیں۔ جس میں خاندانی کاغذات والا صندوق پڑا ہے۔'' میجر نے کہا۔

ٹھاکر صاحب نے حویلی کے باہر درختوں کے جھنڈ کے پاس کھڑے ہو کر دو کھڑکیوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ ''یہ اس کمرے کی کھڑکیاں ہیں۔''

میجر نے ماحول پر نظر ڈالی۔ ان کھڑکیوں کے سامنے ایک لمبا سا پیڑ تھا۔ اس پیڑ اور کھڑکیوں کے درمیان ایک گز کا فاصلہ تھا۔ اس پیڑ کی ایک شاخ تو دائیں کھڑکی کو چھو رہی تھی۔

''اس کمرے میں چور کے لیے داخل ہونا کتنا آسان ہے۔ بس ایک خیال پریشان

کن ہے، چور نے ان دو کھڑکیوں کا انتخاب کیا اس نے صندوق کھولنے کی کوشش اور اپنی کوشش میں ناکام رہا اب وہ مسلح ہو کر آئے گا۔ آپ کی خوابگاہ کہاں ہے؟'' میجر سنگرام نے ٹھاکر سے پوچھا۔

''اس کمرے سے تھوڑی ہی دور ہے۔ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ ان کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں لگوانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

''نہیں۔ آپ کا چور کسی اور کھڑکی سے حویلی کے اندر داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک یا دو دن میں ہم کتنی کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں لگوا سکیں گے۔ اس خیال کو ترک کر دینا ہوگا۔ ایک بات اور بھی ہے۔ اگر ہم کاغذات والے صندوق کے کمرے کی کھڑکیوں کو بند کروا دیں گے تو آپ کے چور کو پتا چل جائے گا کہ اس کی کارروائی کا ہم لوگوں کو علم ہو چکا ہے۔ ہمیں کوئی انوکھا ہی جال بچھانا پڑے گا۔ یعنی ایک ایسا جال بچھانا ہوگا کہ چور کو کچھ پتا نہ چلے۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہو جائے مگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ وہ اس گھر کے اندر داخل ہو چکا ہے۔ اس طرح ہمیں دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں ایسا جال بچھانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

''آپ کے خیال میں کیا چور ہی میرے بھائی کا قاتل ہے؟''

''میں اتنا بڑا قیاس میں نہیں لگا سکتا۔ وہ کوئی بھی ہو میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ اس صندوق میں گہری دلچسپی رکھتا ہے۔ میرا خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی معمولی چور ہو۔ بہر حال جال بچھانا ہوگا، اس سے ہمیں پتہ چلے گا کہ وہ کیسا چور ہے۔ مجھے جال بچھانے کے لیے زیادہ سامان کی ضرورت نہیں۔ دھاگے کی ایک ریل، چند چھلے اور چند کیلیں چاہئیں۔''

''کیا یہ جال گھر کے اندر بچھایا جائے گا یا گھر کے باہر؟'' ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

''گھر کے اندر، چلیے اندر چلیں۔'' میجر سنگرام سنگھ نے کہا۔

''آپ کو مطلوبہ سامان مل جائے گا۔'' ٹھاکر نے اطمینان دلایا۔

ایک گھنٹے تک میجر اپنے کام میں مصروف رہا۔ باقی سب لوگ اسے کام کرتا ہوا دیکھتے رہے۔ میجر سنگرام سنگھ نے کھڑکی کی چوکھٹ میں لگی ہوئی دو کیلوں میں دھاگے ڈال دیے پھر ان دھاگوں کو کھڑکی کے اوپر سے نکال کر کمرے کے دروازے تک لے آیا۔ دروازے کے

نیچے سے دھاگے نکال کر وہ ان دھاگوں کو اس کمرے میں لایا جہاں اس کے سونے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس نے وہ دھاگا اپنی ایک کتاب پلنگ کے پاس پڑی تپائی پر کھڑی کر کے اس کے گرد لپیٹ دیا۔ جب وہ یہ کام کر چکا۔ تو اس نے کہا۔ "چور جب کھڑکی کھولے گا۔ تو یہ دھاگا میرے کمرے میں پڑی ہوئی کتاب کو ٹوٹنے سے پہلے گرا دے گا اور مجھے پتہ چل جائے گا کہ کمرے میں چور آ چکا ہے۔"

"اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ چور اسی کھڑکی سے کمرے میں داخل ہوگا جس سے دھاگا باندھا گیا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے لیکن اگر وہ اس کھڑکی سے داخل ہوا تو ہمیں پتہ چل جائے گا۔ دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں۔ ایک بات اور کرنی ہوگی مجھے اپنی کار جھاڑیوں میں چھپا دینی ہوگی۔ تاکہ چور کو یہ پتا نہ چلے کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔" اس کے بعد میجر، پورنا سے مخاطب ہوا۔ "پورنا جب تمھیں کتاب گرنے کی آواز سنائی دے تو ٹارچ لے کر میرے پاس آ جانا۔" پورنا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر آج رات کوئی نہ آیا تو کل آپ کیا کریں گے؟" نانا رائے نے پوچھا۔

"کل میں اس علاقے کا دورہ کروں گا۔"

"کیا آپ کسی خاص بات کی تلاش میں نکلیں گے؟" ٹھاکر ویر سنگھ نے پوچھا۔

"مندر اور شمشان گھاٹ کا معائنہ کروں گا۔"

"وہاں...... آپ کو کیا ملے گا؟"

"کچھ بھی مل سکتا ہے۔ اور کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ ایک سراغ رساں کسی بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی خاندانی بددعا کے پیچھے کوئی آدمی ہے۔ بددعا بجائے خود کوئی چیز نہیں ہوتی۔ دھمکی کسی انسان کو قتل نہیں کر سکتی مگر دھمکی دینے والا قتل کر سکتا ہے۔ بددعا یا دھمکی پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ آپ ذرا سوچئے اگر آپ کو بددعا کا احساس نہ ہے تو آپ اپنے آپ کو کس قدر آزاد اور مسرور سمجھیں گے۔"

"یہ تو ہے۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

رات ابھی گہری سیاہی میں تبدیل نہیں ہوئی تھی سب لوگ کھانا کھا کر آرام سے بیٹھے تھے زندگی کے تلخ اور شیریں حقائق پر تبصرہ کیا جا رہا تھا۔ نانا رائے حسب عادت اس موضوع

سے اکتا کر وہ لطیفے سنا چکا تھا اور تیسرے کی تیاری کر رہا تھا کہ باہر سے ایک ایسی آواز آئی جس نے میجر سنگرام سنگھ کو چونکا دیا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اسے اپنے طاقتور بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا ہو۔ وہ آواز گدھ کی چیخ تھی۔ ہولناک اور دلدوز اسے سن کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سارے جسم پر چیونٹیاں رینگ رہی ہوں۔

"ٹھاکر صاحب، آپ یہیں بیٹھے رہیے۔ پورنا اور نانا رائے آپ کے پاس رہیں گے۔" میجر سنگرام نے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "پردیپ تم میرے ساتھ چلو۔ میں اس حویلی کے عقب میں جاتا ہوں تم اس حویلی کے سامنے پہنچ جاؤ۔"

میجر اندھا دھند دوڑتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ اس انداز سے دوڑ رہا تھا کہ قدموں کی آواز نہیں ہو رہی تھی۔ پلک جھپکنے میں وہ حویلی کے عقب میں پہنچ گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا اس نے درختوں کی طرف دیکھا۔ اسے کسی بھی درخت پر کوئی گدھ بیٹھا ہوا نظر نہ آیا۔ وہ کافی دور تک نکل گیا اور سڑک پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک نوجوان کو موٹر سائیکل پر جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے بعد ایک کار آئی۔ جس میں ایک مرد اور ایک عورت اپنے بچوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ کار کے پیچھے ایک ٹرک تھا۔ جو اینٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ سڑک پر اسے کوئی راہ گیر دکھائی نہیں دیا۔ میجر سنگرام نے دس منٹ تک وہاں انتظار کیا اور پھر گرد و پیش پر نظریں دوڑاتا ہوا واپس چل پڑا۔

اس نے حویلی کے اندر پہنچ کر دیکھا کہ پردیپ اس سے پہلے واپس آ چکا تھا اور ٹھاکر صاحب سے باتیں کر رہا تھا۔ ٹھاکر صاحب بالکل پریشان یا خوفزدہ نہیں تھے۔

"کیا تم نے کچھ دیکھا؟" میجر سنگرام نے پردیپ سے پوچھا۔

"مجھے تو کوئی گدھ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ کیا آپ نے اسے دیکھا؟"

"نہیں۔ میں نے صرف کار، موٹر سائیکل اور ایک ٹرک دیکھا۔"

"میں نے ایک عورت کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا؟" پردیپ نے بتایا۔

"کیا وہ عورت خوبصورت تھی؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"ہاں...... وہ عورت خوبصورت تھی اور اس کی عمر تیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔" پردیپ نے کہا۔

"کیا آپ اس عورت کو جانتے ہیں؟" میجر نے پوچھا۔

''ہاں...... میں نے اکثر اسے گھوڑے پر سوار ادھر سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ ایک گاؤں میں اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہے۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا۔ ''میجر صاحب آج آپ نے اپنے کانوں سے گدھ کی آواز سن لی۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''بڑی لرزہ خیز چیخ تھی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں اس گدھ کو چھوڑوں گا نہیں۔ اس کی چونچ توڑ دوں گا۔'' میجر سنگرام سنگھ نے اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنے دائیں ہاتھ کا مکا مارتے ہوئے کہا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اسے پکڑنے نکلیں اور وہ میری گردن توڑ دے۔'' ٹھاکر صاحب بولے۔

''دیکھا جائے گا کہ پہل کون کرتا ہے۔''

اتنے میں سری رام بابا نے دروازے میں کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ ''میں نے بستر لگا دیئے ہیں۔''

میجر سنگرام کو امید تھی کہ اس رات چور ضرور آئے گا لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی دن نکلنے والا تھا اور اس کے پلنگ کے سرہانے پڑی ہوئی تپائی پر رکھی کتاب ابھی تک فرش پر نہیں گری تھی۔

اس نے صبح اٹھتے ہی کتاب سے بندھے دھاگے کی طرف دیکھا وہ دھاگا صحیح سلامت تھا۔ ''کوئی بات نہیں۔ جب بھی وہ آئے گا۔ بچ کر نہیں جائے گا۔'' میجر سنگرام نے اپنے آپ کو یقین دلایا۔

ناشتہ کرتے ہوئے ٹھاکر صاحب نے میجر سنگرام سے پوچھا۔ ''آپ کا چور تو آیا نہیں اس لیے آج آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔''

''اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ آپ حویلی کے آس پاس رہیں گے یا حویلی کے اندر رہیں گے اور گدھ کی چیخ سننے پر بھی قدم گھر سے باہر نہیں نکالیں گے تو میں تھوڑی دیر کے لیے اس علاقے کا دورہ کروں گا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل رات ہم نے جس گدھ کو چیختے ہوئے سنا تھا۔ وہ زیادہ دور نہیں رہتا۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں گھر سے باہر نہیں نکلوں گا۔ مجھ سے بہتر کون جانتا ہے کہ

گدھ کی چیخ کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ میں عمر بھر نہیں بھول سکتا کہ چیخ سن کر بلرام سنگھ کا کیا حشر ہوا تھا۔ کیا آپ کوئی خاص چیز دیکھنا چاہتے ہیں؟''

''کوئی خاص جگہ نہیں دیکھنا چاہتا۔'' میجر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے سب کی نظریں بچا کر پردیپ کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ کہ وہ اس کے ساتھ ذرا باہر چلے۔

پانچ منٹ کے بعد میجر اور پردیپ ایک جھاڑی میں کھڑے تھے۔ جہاں کرا کو ڈائل ایک درخت سے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ یہ ایک بہت ہی وفادار کتا تھا وہ نجانے کب سے اس درخت سے ساتھ بندھا ہوا تھا لیکن وہ ایک بار بھی نہیں بھونکا تھا۔ وہ یہ سمجھتا رہا کہ اس کے مالک نے اسے ایک خاص مقصد کے لیے باندھ رکھا ہے۔ وہ درخت کے اردگرد گھوم کر رفع حاجت کرتا رہا تھا۔

''اس کی زنجیر کھول دو۔''

پردیپ نے کتے کی زنجیر کھول دی۔ تو وہ سنگرام سنگھ کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

ٹھاکر صاحب بھی ٹہلتے ہوئے ادھر آ نکلے۔

''کیا مندر میں کسی پجاری کا بھی کوئی کمرہ ہے۔'' میجر سنگرام سنگھ نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ ہمارے مندر میں بہت سے کمرے ہیں۔''

''یہ مندر کہاں ہے؟''

''حویلی کے پورب میں ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔''

''آپ کو وہاں گئے ہوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟''

''میں جب سے ولایت سے آیا ہوں کبھی ادھر نہیں گیا۔ جب میں چھوٹا سا لڑکا تھا تو میرے چاچا جی اکثر وہاں سے لے جایا کرتے تھے۔''

''یہ مندر کیسا ہے؟''

''مندر کے اندر دن کو بھی اندھیرا رہتا ہے۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا۔ ''اس مندر کے اندر صرف بھگوان کرشن کی ایک مورتی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ چھت سے پیتل کی دو چار گھنٹیاں لوہے کی زنجیروں سے لٹکی ہوئی ہیں۔''

''کچھ بھی ہو۔ میں اس مندر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''مندر کا دروازہ مدت سے بند ہے۔''

”کیا مجھے اس تالے کی چابی مل سکتی ہے؟“

”میرے خیال میں تو مندر کی چابی سری رام بابا کے پاس ہوگی۔“ ٹھاکر صاحب نے کہا۔ ”ہاں ایک اور بات یاد آ گئی۔ مندر کے ساتھ ایک ملحقہ کمرے میں کسی بہادر سپاہی کی مورتی بھی ہے اور جس کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہے۔ وہ کسی کی یاد میں بنائی گئی مورتی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بہادر سپاہی ہمارے خاندان کا تھا یا اس خاندان کا تھا۔ جس کی حویلی میرے بزرگ جیون سنگھ کو ملی تھی۔“

”کیا آپ ہمیں اس مندر کی چابی لا کر دے سکتے ہیں؟“

”کیوں نہیں۔“

”ہم تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر آپ سے چابی لے لیں گے۔“

میجر سنگرام سنگھ اور پروپ اپنے کتے کے ساتھ ایک پگڈنڈی پر چل رہے تھے ان کا کتا کراکوڈائل دور بھاگ جاتا اور پھر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ واپس آ کر میجر سنگرام کے گھٹنوں سے اپنا سر رگڑنے لگتا تھا۔ چاروں طرف درختوں کے جھنڈ تھے جو دیہات میں عام طور پر سے ملتے ہیں۔ دور بیل گھاس چر رہے تھے۔ سڑک پر ایک کار نظر آئی۔ اس کار میں ایک عورت ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے پہچاننا مشکل تھا۔ میجر نے دیکھا کہ کار کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ اب وہ کچھ قریب بھی آ چکی تھی۔ میجر نے کار چلانے والی عورت کو پہچان لیا۔ وہ یوگیتا تھی۔ ٹھاکر ویر سنگھ کی محبوبہ۔ یوگیتا نے بھی انھیں پہچان لیا تھا۔ اس نے کار سڑک کے کنارے روک دی تھی۔ وہ کار میں سے نکل کر میجر کے قریب آ گئی اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”نمستے! آج موسم بہت اچھا ہے۔“

”جی ہاں۔ اسی لیے تو گھر کے اندر بیٹھنے کو دل نہیں چاہا۔“

”ٹھاکر صاحب کی طبیعت کیسی ہے آج؟“ یوگیتا نے پوچھا۔

”اچھی ہے آپ کا کیا خیال تھا کہ ان کی طبیعت خراب ہوگی؟“ میجر نے پوچھا۔

یوگیتا ایک لمحہ کے لیے جھجکی اور پھر اس نے کہا۔ ”ہاں مجھے یہ وہم تھا۔ کیا میں آپ سے ایک سیدھا اور صاف سوال پوچھ سکتی ہوں۔“

”پوچھیے۔“ میجر سنگرام نے کہا۔ ”اگر میں جواب دے سکا تو ضرور دوں گا۔“

”گذشتہ چند روز سے ٹھاکر صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا آپ کو انھوں نے کچھ بتایا

ہے؟“

ایک لمحہ کے لیے میجر حیران رہ گیا۔ جیسے وہ اس سوال کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ٹھاکر ویر سنگھ کس بات پر پریشان ہیں؟“

”کیا وہ پریشان ہیں؟“ میجر نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے کہا۔

”میں تو ان کے حالیہ برتاؤ سے یہی سمجھی ہوں کہ وہ بہت پریشان ہیں۔“

”ان کا حالیہ برتاؤ......... کیا ان کا برتاؤ بدل گیا ہے۔“

”ہاں...... وہ گوشہ نشین ہوتے جا رہے ہیں۔ گھر سے باہر نکلتے ہی نہیں۔ مجھے اب محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ذہن پر کوئی بات سوار ہے میں نے ان سے پوچھنے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ کچھ بتاتے ہی نہیں۔ شاید آپ کو کچھ معلوم ہو۔“

میجر سنگرام سوچنے لگا۔

”کیا ان کو روپے کی ضرورت ہے؟“

”ان کا ہاتھ مجھے تنگ ہی نظر آتا ہے۔“ میجر نے کہا۔ ”آپ تو جانتی ہی ہوں گی۔“

”ہاں لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ یہ صرف روپے کا معاملہ نہیں ہے۔ کوئی اور بات بھی ہے آپ مجھے بتائیے کہ وہ کیا بات ہے؟“ یوگیتا نے کہا ”آپ کو تو انھوں نے بہت کچھ بتایا ہوگا۔“

یوگیتا چوپڑا کے تابڑ توڑ سوالات پر میجر بوکھلا گیا تھا۔ وہ باقی سوالات کو تو ٹال سکتا تھا لیکن سیدھے سوالات کا جواب دینا ہی پڑتا تھا۔

”میں سمجھتا ہوں کہ بڑے بھائی کی موت کے بعد ان کو اپنا گھر سونا سونا لگتا ہے۔“

”تو پھر وہ گھر کے اندر کیوں پڑے رہتے ہیں۔ ان کو اپنا جی بہلانے کے لیے باہر نکلنا چاہیے۔“

”ان کے باہر نہ نکلنے کی خاص وجہ ہے؟“

”میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ کوئی خاص وجہ ضرور ہے لیکن وہ وجہ کیا ہے؟“

میجر کو ایسے سوالات کے ٹالنے کا ڈھنگ آتا تھا۔ جب کسی کے سوال کا جواب دینا اسے منظور نہ ہوتا تھا تو وہ اس کے سوال کے جواب میں الٹا سوال کر دیا کرتا تھا۔

''کیا آپ کو ٹھاکر ویر سنگھ سے محبت ہے؟''

''ہاں۔'' یوگیتا چوپڑا نے دبی زبان میں کہا اور اس کے چہرے پر شرم کی سرخی دوڑ گئی۔

''کیا وہ بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔''

''ہاں۔ اسی لیے تو مجھے ان کی خاموشی پر غصہ آ رہا ہے۔ اگر کوئی بات ہے تو وہ مجھ سے کیوں نہیں کہتے۔ ان کی حویلی کتنی اچھی ہے۔ وہ اس بات پر توجہ ہی نہیں دیتے اگر وہ اسی طرح لاپرواہی کا ثبوت دیتے رہے تو حویلی ایک دن دھڑام سے زمین پر آ رہے گی میرے پاس کافی دولت ہے۔ وہ اس حویلی کی مرمت پر صرف کی جا سکتی ہے۔''

''ٹھاکر صاحب کو حویلی کی زیادہ فکر نہیں ہے اور وہ آپ کا روپیہ حویلی پر خرچ کرنا نہیں چاہتے۔''

''ایسی خودداری سراسر حماقت ہے۔ آخر ان کو پریشانی کیا ہے؟''

''میں جانتا ہوں لیکن میں نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں ان کا راز کسی کو بتاؤں گا نہیں۔''

''کیا وہ اندرا سے تو محبت نہیں کرنے لگے۔''

''کون اندرا؟''

''وہ جو اپنی شہسواری کا رعب جماتی پھرتی ہے۔''

''یہ خیال آپ کے دل میں کیسے پیدا ہوا؟'' میجر نے پوچھا۔ ''کیا آپ کے پاس ایسا سوچنے کی کوئی وجہ ہے؟''

''میں نے اسے اکثر اس حویلی کے گرد گھڑ سواری کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے فوٹو گرافی کا بہت شوق ہے۔ وہ اپنے کندھے پر کیمرے کا کیس ڈالے رہتی ہے۔ لیکن میں نے اسے کبھی تصویر اتارتے نہیں دیکھا۔ میں اکثر اس بات پر حیران ہوتی ہوں کہ وہ اپنا گھوڑا لے کر حویلی کے اندر کیوں جاتی ہے۔''

''میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ٹھاکر صاحب اس عورت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ انھوں نے اس سے کبھی بات تک نہیں کی۔''

''آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟''

''انھوں نے مجھے ساری باتیں بتا دی ہیں۔''

''اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا ذکر آیا تھا۔''

''کس کا؟''

''اندرا کا۔''

''نہیں...... اندرا کا کبھی ذکر تو نہیں آیا۔ میں نے اس عورت کو نہیں دیکھا بلکہ میرے اس ساتھی نے دیکھا تھا۔'' میجر سنگرام نے پردیپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اسے کل رات گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ اور جب میں نے ٹھاکر صاحب سے اس عورت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایک گاؤں میں رہتی ہے۔ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ انھوں نے تو اس کا نام بھی نہیں لیا تھا۔''

یوگیتا چوپڑا نے ایک گہرا سانس لیا۔ شاید یہ اطمینان کا سانس تھا۔

''شکریہ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے میرے دل سے ایک بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔ میں اس عورت کا ذرا بھی اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہوں۔''

''کیوں؟''

''ایک عورت ہی دوسری عورت کو اچھی طرح پہچانتی ہے۔ اب میں چلتی ہوں آپ ٹھاکر صاحب سے کہہ دیجئے گا کہ آپ مجھ سے ملے تھے لیکن ان کو یہ نہ بتایئے گا کہ ہمارے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں اچھا تو پھر ملاقات ہوگی۔ نمستے۔''

''نمستے۔''

یوگیتا۔ اپنی موٹر میں جا بیٹھی۔ اس نے کار کا انجن اسٹارٹ کیا اور پھر ہاتھ ہلا کر اس نے سنگرام سنگھ کو الوداع کہی۔

میجر سنگرام سنگھ نے جیب سے سگریٹ کی ایک ڈبیہ نکالی۔ ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ اس نے دبی زبان میں کہا: ''عورتیں حسد، اور رقابت کا سمندر ہوتی ہیں۔ نہیں نہیں حسد کا جوالا مکھی ہوتی ہیں۔''

''آپ کے خیال میں یہ لڑکی کیا اس عورت سے حسد کرتی ہے۔''

''حسد نہیں کرتی تو کیا اس سے پیار کرتی ہے تم نے دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح کرید کرید کر مجھ سے سوال پوچھ رہی تھی۔''

''ہاں میں بھی یہ دیکھ رہا تھا کہ آپ کے لیے اس کے سوالوں کا جواب دینا مشکل ہوا جا رہا تھا۔''

''کچھ بھی ہو اسے ٹھاکر دیر سنگھ سے محبت ہے۔ وہ پریشان ہے کہ اس کے محبوب کا رویہ بدلتا کیوں جا رہا ہے۔ میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ پایا کہ یوگیتا نے یہ کیوں کہا کہ ٹھاکر دیر سنگھ کو کسی دوسری لڑکی سے محبت تو نہیں ہو گئی۔'' میجر سنگرام سنگھ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''ٹھاکر صاحب اور یوگیتا چوپڑا کو جلد شادی کر لینی چاہیے۔ ورنہ دونوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ اگر ان دونوں میں جھگڑا ہو گیا تو مجھے سخت رنج ہو گا۔''

''آپ دیر سنگھ صاحب کو مشورہ دیجیے کہ میرا مطلب ہے کہ ان کو اجازت دیجیے کہ وہ سب کچھ صاف صاف یوگیتا کو بتا دیں۔''

''ہاں اب یہ اجازت دینی ہی ہو گی۔ یوگیتا مجھے ذہین لڑکی نظر آئی ہے۔ وہ ٹھاکر صاحب کے حالات کو سمجھ لے گی۔ تو پھر اس کے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہو گی۔''

دونوں ہی اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے تھے اور آگے بڑھ رہے تھے ان کو یہ خبر نہ رہی کہ وہ حویلی سے بہت دور نکل آئے ہیں۔

پردیپ سنگھ نے نظریں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ سامنے کیا کوئی دکان ہے۔''

میجر سنگرام نے اس طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ''دکان ہی نظر آتی ہے۔ گاؤں میں اتنی اچھی دکان حیرت ہے بالکل جدید طرز کی دکان ہے۔ نجانے اس دکان میں کیا فروخت کیا جاتا ہے۔ یہ دکان تو ٹاٹ میں مخمل کا پیوند معلوم ہوتی ہے۔

میرا مطلب ہے کہ کسی کو جنگل میں دکان کھولنے کی کیسے سوجھی؟ ایسے علاقے میں ایسی دکان کا چلنا مشکل ہے۔ چلو ذرا نزدیک چل کر دیکھیں۔'' وہ چند قدم اور آگے بڑھے تو پردیپ نے دکان کا بورڈ پڑھتے ہوئے کہا۔ ''نیوٹریشن اسٹور۔''

''یہ تو غذائی سامان بیچنے کی دکان ہے۔'' میجر سنگرام نے کہا۔

''میرا خیال ہے یہاں پنساری کا سامان بھی ملتا ہوگا۔''

''ہمارے ہم وطنوں کا بھی جواب نہیں۔'' میجر سنگرام سنگھ نے کہا۔ ''کاروبار کرنے کے لیے نجانے کہاں کہاں پہنچ جاتے ہیں۔''

''اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے ملک کا کسان اب خوش

حال ہوتا جا رہا ہے۔ کاندھے پر ٹرانزسٹر رکھ کر ہل چلاتا ہے۔ کسی نے سوچا ہوگا کہ وہ گاؤں میں چل کر دکان کھولے گا تو اس کا کاروبار چمک اٹھے گا۔''

وہ ذرا اور قریب ہو گئے تو انھوں نے دکان کے پچھواڑے درخت سے گھوڑا بندھا ہوا دیکھا۔ ''یہ وہی گھوڑا ہے جس پر کل رات میں نے اس عورت کو سوار دیکھا تھا۔'' پردیپ سنگھ نے کہا۔

''تمھاری مراد اندرا سے ہے۔''

''ہاں۔''

وہ دکان کے قریب سے گزر کر واپس حویلی کی طرف چل پڑے۔

تھوڑی دیر تک وہ دونوں خاموش رہے۔ ان کے کتے کو اڑتالیس گھنٹے کے بعد آزادی ملی تھی۔ اس لیے وہ دور دور تک جا جا کر ان سے آملتا تھا۔

''ٹھاکر صاحب نے بتایا تھا کہ مندر مشرق کی طرف ہے چلو ذرا مندر کے پاس سے ہوتے ہوتے چلیں۔'' میجر سنگرام نے کہا۔

آدھ گھنٹے کے بعد وہ مندر کے قریب پہنچ گئے انھوں نے دیکھا کہ مندر کے پاس ایک کسان کھرپے سے کچھ کھود رہا ہے۔

''کیا یہ ٹھاکروں کا مندر ہے؟'' سنگرام سنگھ نے اس کسان سے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

وہ کسان بہت بوڑھا تھا۔ اس کے چہرے کی جھریاں نمایاں تھیں۔ میجر سنگرام نے اس کی جھریوں سے اندازہ لگایا کہ اس کی عمر اسی برس سے کم نہیں ہو گی۔ اگر وہ اس علاقے کا رہنے والا ہو گا تو ٹھاکر خاندان کے بہت سے حالات سے واقف ہو گا۔ میجر نے اس کسان کو باتوں میں الجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''سنا ہے کہ ٹھاکر خاندان سے بھی پرانا ایک خاندان یہاں آباد تھا۔''

''جی سنا تو ایسا ہی ہے کہ جس حویلی میں ٹھاکر خاندان رہتا ہے وہ بھیم دیو پریوار کی تھی۔'' بوڑھے کسان نے مندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس مندر میں بھیم دیو پریوار ایک سو بھیم دیو مورتی ہے۔ اس کے بارے میں بہت سے قصے مشہور ہیں کہتے ہیں کہ ایک یدھ میں اسے دھوکے سے مار ڈالا گیا تھا۔ وہ بہت

بہادر تھا اس نے مرتے ہوئے کہا تھا کہ میں امر ہوں اور امر رہوں گا۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سوڈ بھیم دیو کو دھوکے سے ہلاک کرنے والا ٹھاکر خاندان کا کوئی آدمی تھا۔ آپ اگر اس مورتی کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ اس مورتی کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال ہے۔ اس ڈھال پر رتھ کا پہیہ بنا ہوا ہے اور پہیے کے اندر تین ستارے بنے ہوئے ہیں۔"

تین ستاروں کی بات پر میجر سنگرام چونک پڑا۔ اس نے جان بوجھ کر پوچھا۔ "وہ تین مچھلیاں ہیں یا تین ستارے۔"

"کچھ لوگ ان کو مچھلیاں بتاتے ہیں اور کچھ ستارے بتاتے ہیں۔ میں نے کئی بار وہ ڈھال دیکھی ہے۔ مجھے تو وہ مچھلیوں کے بجائے ستارے ہی نظر آئے۔"

• میجر سنگرام نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ جو سامنے گاؤں ہے۔ کیا وہ بہت پرانا ہے؟"

"جی ہاں۔" بوڑھے کسان نے جواب دیا۔ "اسے ٹھاکر خاندان نے آباد کیا تھا۔"

"وہ جو بڑا سا مکان ہے۔ جس میں نئی دکان کھلی ہے، کس کا تھا؟"

"ٹھاکر خاندان کے ہی کسی آدمی کا تھا۔ کہتے ہیں پھر اسے کسی ساہوکار نے خرید لیا تھا۔"

"شکریہ معاف کرنا۔ ہم نے آپ کا کافی وقت ضائع کیا ہے۔" میجر سنگرام نے کہا۔

جب وہ مندر سے کافی دور نکل آئے تو میجر سنگرام نے ایک پتھر پر بیٹھ کر نیا سگریٹ سلگایا اور ناک سے دھواں نکالتے ہوئے اس نے فرط جذبات سے کہا۔ "اس حویلی سے باہر نکلنا بہت مفید ثابت ہوا ہے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کچھ سراغ مل گیا ہے۔" پردیپ نے کہا۔

"اسے سراغ تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ایک دھندلی سی کرن ضرور مل گئی ہے۔"

"دھندلی سی کرن، وہ کیا ہے۔"

"پردیپ! جو کچھ میں نے سنا ہے تم نے بھی سنا ہے۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے تم نے بھی دیکھا ہے۔ یہ دنیا ایک گورکھ دھندہ ہے۔ حادثوں اور اتفاقات کا مجموعہ ہے۔ بعض اوقات ایسی باتیں ظہور میں آتی ہیں کہ آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اور سنتا ہے

اس پر یقین نہیں آتا۔"

"کہیں آپ بھی خاندانی بددعا پر یقین تو نہیں لے آئے ہیں۔"

"یقین کیا میں تو اس پر ایمان لے آیا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ بددعا گوشت پوست کے انسان کی بدولت برقرار رہتی ہے۔ میں پریوں کی کہانی پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ جادوگروں کا دور ختم ہو چکا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بھیم دیو خاندان اور ٹھاکر خاندان میں جو جھگڑا برسوں پہلے شروع ہوا تھا۔ یا سوڈ بھیم دیو کی موت سے شروع ہوا تھا اب بھی جاری ہے یہ جھگڑا ختم نہیں ہوا۔"

"آج کے دور میں بھی ختم نہیں ہوا؟"

"نہیں آج بھی جاری ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان دونوں خاندانوں کے افراد نے اپنی پرانی دشمنی کو بھی فراموش نہیں کیا۔"

"ہاں بلرام سنگھ کی موت یہی ثابت کرتی ہے۔ اب تو یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی موت قتل کی واردات تھی۔ اور بلرام سنگھ کو معلوم تھا کہ اسے ایک روز قتل کر دیا جائے گا۔ ٹھاکر ویر سنگھ بھی بیوقوف نہیں ہیں۔ ان کو بھی یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن ان کا بھی یہی انجام ہوگا جو ان کے بھائی کا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے پاس آئے۔ ثبوت کی کمی کے باعث وہ پولیس سے یہ بات نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی جان کی حفاظت کی جائے اگر وہ اس قسم کی درخواست کرتے تو ان کو یہ ہدایات کی جاتیں کہ وہ کسی ایسے ڈاکٹر سے جا کر ملیں جو نفسیاتی علاج کرتا ہے۔" میجر نے سگریٹ کا لمبا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"آپ حیرت انگیز انکشاف کر رہے ہیں۔ میں آپ کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہا ہوں۔" پردیپ نے کہا۔

"اب میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ بھیم دیو کر خاندان ٹھاکر خاندان کے ہاتھوں پہلے ہی زخم خوردہ تھا۔ سوڈ دیو کر کو ٹھاکر خاندان کے کسی فرد نے ہلاک کیا تھا۔ جب اس خاندان کی جائیداد ہڑپ کر لی گئی تو اس کا زخم تازہ ہو گیا۔ نہ صرف زخم تازہ ہوا بلکہ اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ دیو کر خاندان نے پرتگیہ کی ہوگی کہ وہ ٹھاکر خاندان کا نام و نشان مٹا دے گا۔

انھوں نے ٹھاکر خاندان کو ایک خط بھیجا جس میں بد دعا درج تھی۔ اس دن سے دیو کر خاندان اس بد دعا کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا چلا آ رہا ہے۔ دیو کر خاندان کا بزرگ اپنے بیٹے کو مرتے ہوئے ہدایت کر جاتا ہوگا۔ اور شاید اپنے بیٹوں سے وچن بھی لیتا ہوگا کہ بدلے کا خیال کبھی ترک نہ کریں۔ انسان جیسا ظالم کوئی نہیں ہے جو نسل در نسل انتقام لے سکتا ہے اور صدیوں تک انتقام کی آگ کو روشن رکھ سکتا ہے۔" میجر سنگرام سانس لینے کے لیے رکا۔

"آپ کی بات پر یقین نہیں آتا۔ زمانہ بدلتا ہے تہذیب ترقی کرتی ہے۔ ایسا وقت بھی تو آتا ہے جب انسان کا دل بدل جاتا ہے۔ فطرت بدل جاتی ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دیو کر خاندان کی کسی بھی نسل کے دل و دماغ نہ بدلتے، کوئی نسل تو ایسی ہو سکتی ہے جو قتل کے اس جرم سے توبہ کر سکتی تھی۔"

"تمھارا سوال معقول ہے لیکن ایک بات کو تم بھول جاتے ہو، دیو کر خاندان کا ایک منتقم مزاج شخص بھی تو اپنے خاندان کو ایک بد دعا دے سکتا تھا کہ اگر اس نے انتقام کے جذبے کو ترک کر دیا تو وہ تباہ ہو جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے لیکن ایک اور بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کیا دیو کر خاندان کی ہر نسل اتنی ذہین تھی کہ وہ قتل کی واردات کو ہر دفعہ ایک حادثہ بنا سکتی؟" پردیپ نے پوچھا۔

"تم نہیں جانتے قاتلوں نے بد دعا سے وابستہ توہم پرستی کا فائدہ اٹھایا۔" میجر نے سگریٹ کا ٹکڑا دور پھینکتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اپنے دلائل کی عمارت کس بنیاد پر قائم کی ہے؟"

"بوڑھے کسان کی بتائی ہوئی بات پر، تمھیں یاد ہوگا کہ جب ٹھاکر صاحب کی حویلی کے اس کمرے میں بڑا صندوق کھولا گیا تھا تو اس سے ایک لفافہ برآمد ہوا تھا جس پر دیو کر خاندان کا نشان تھا۔ ایک رتھ، اور ایک پہیہ، پہیے کے اندر تین مچھلیاں۔ اور اب اس بوڑھے کسان نے بتایا کہ مندر کے پاس کوٹھڑی میں سونو دیو کر کی ایک مورتی ہے جس کے ہاتھ کی ڈھال پر خاندان کا نشان ہے۔ رتھ کا پہیہ، اور تین ستارے، ٹھاکر صاحب جن کو مچھلیاں کہتے ہیں۔ بوڑھا کسان اس کو ستارے بتا رہا تھا۔ تمھیں شاید یہ بھی یاد ہو بلرام سنگھ نے مرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو یوں خبردار کیا تھا۔ "ویر سنگھ تین ستاروں سے ہوشیار رہنا۔" اب تم ساری کڑیاں خود ہی جوڑ سکتے ہو۔"

"اوہ......" پردیپ کے منہ سے نکلا۔ اور اس نے تحسین آمیز نگاہوں سے میجر سنگرام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن میں ایک سوال آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا دیو کر خاندان کے کچھ لوگ اس علاقے میں بھی رہتے ہیں۔"

"ہمیں اس کا پتہ لگانا ہوگا۔ شاید ٹھاکر ویر سنگھ اس بارے میں کچھ جانتے ہوں۔" میجر سنگرام نے پتھر پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ چلیں۔"

دوپہر کے کھانے کے بعد میجر سنگرام سنگھ نے ٹھاکر صاحب سے پوچھا۔ "کیا اس علاقے میں دیو کر خاندان کے کچھ لوگ رہتے ہیں۔"

"بالکل نہیں۔" ٹھاکر ویر سنگھ نے جواب دیا۔ "اس علاقے میں دور دور تک آپ کو دیو کر خاندان کا کوئی فرد نہیں ملے گا۔ دراصل وہ لوگ اپنی آن کے بہت پکے تھے اس علاقے میں انھوں نے توہین اور ندامت گوارا کی تھی۔ اس لیے وہ اسے ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر چلے گئے تھے۔ ان کو ایک اور خوف بھی تھا۔ کہ اگر وہ اس علاقے میں رہے تو مزید توہین گوارہ کرنی پڑے گی۔"

"ہونہہ۔" میجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "آپ نے اپنے خاندان کی ہمیں صرف یہ کہانی سنائی ہے کہ کس طرح آپ کے بزرگ حادثہ کے شکار ہوتے رہے۔ جو دراصل حادثے نہیں تھے۔ یعنی وہ قتل کی وارداتیں تھیں۔ ہم آپ کے بھائی کی موت سے بھی ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کے بھائی کی موت حادثہ نہیں قتل کی واردات تھی؟"

"آپ آخر پوچھنا کیا چاہتے ہیں؟" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

"میں آپ کے خاندان کے کچھ اور حالات جاننا چاہتا ہوں آپ کے خاندان کے سربراہ، بزرگ کو جب ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ یا یوں کہیے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ جاتا تھا تو عورتوں پر کیا گزرتی تھی ان کا ردعمل کیا ہوتا تھا؟"

ٹھاکر کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر انھوں نے بڑے اداس لہجے میں کہا۔ "میرے خاندان کی ساری کہانی بہت دکھ بھری ہے۔ میں نے اس کی چند تفصیلات جان بوجھ کر آپ سے چھپائی تھیں۔ ہر فرد اور ہر خاندان کے افسانے میں کچھ جزئیات ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو افشا کرنا مناسب نہیں ہوتا لیکن چونکہ آپ بڑے خلوص سے میری مدد کر رہے ہیں۔ اس لیے

میں آپ کو اپنے خاندان کے ایک کمزور پہلو سے آگاہ کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کروں گا۔"

"اگر آپ ہمیں تاریکی میں رکھیں گے تو ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ چند واقعات ایسے ہوتے ہیں جو حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے خاندان کی ٹریجڈی تک پہنچ چکا ہوں۔ اب مجھے اس بکھری اور بیچ میں سے کٹی ہوئی کہانی کو جوڑنے کے لیے چند کڑیاں چاہئیں آپ ہم سے کچھ چھپانے کی کوشش کریں گے تو وہ حادثہ آپ پر بھی گزر جائے گا۔ ہم قتل کی واردات قرار دے چکے ہیں۔" میجر سنگرام نے پھر اپنی بات پر زور دیا۔

ٹھاکر صاحب نے اسی اداسی کے ساتھ کہا۔ "اپنے خاندان کے جس قدر حالات مجھے معلوم ہیں جب میں ان پر غور کرتا ہوں تو کلیجہ تھام کر رہ جاتا ہوں۔ سب سے زیادہ دکھ میرے خاندان کی عورتوں کو برداشت کرنا پڑا۔ ان کو نہ صرف اپنے شوہروں سے محروم ہونا پڑتا۔ بلکہ اپنے بڑے بیٹوں سے بھی۔ اس دکھ کا بھیانک پہلو یہ تھا کہ جس عورت کے ہاں بیٹے زیادہ پیدا ہوتے تھے وہ اکثر لاپتہ ہو جاتی تھی۔"

"لاپتہ ہو جاتی تھی؟" میجر نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ وہ عورت لاپتہ ہو جاتی تھی۔ ہمارے خاندان کی عورتیں حویلی سے بہت کم باہر نکلا کرتی تھیں۔ دراصل ان کو باہر نکلنے نہیں دیا جاتا تھا اس پر بھی وہ حویلی کے آس پاس لاپتہ ہو جاتی تھیں۔ ان کی تلاش کے لیے بہت دوڑ دھوپ کی جاتی تھی۔ جو بے سود ثابت ہوتی تھی میرے بزرگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ رنج والم کی تاب نہ لاتے ہوئے فرار ہو جایا کرتی ہیں۔ اور پھر میرے خاندان میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب کوئی بھی ہمارے خاندان کے مرد سے اپنی بیٹی بیاہنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔"

"اوہ......" میجر کے منہ سے نکلا۔

ٹھاکر صاحب کے اس انکشاف نے سب پر گہری خاموشی طاری کر دی۔ ماحول کی افسردگی میں اضافہ ہو گیا۔

☆☆☆

شام کے دھندلکے پھیلنے لگے۔ میجر سنگرام سنگھ، پورنا، اور پردیپ باہر ٹہلنے گئے۔ سنگرام سنگھ کا کتا بھی ان کے ساتھ تھا۔

میجر سنگرام نے پردیپ سے کہا۔ "پردیپ کیا تم جانوروں یا پرندوں کی نقل اتار سکتے ہو؟"

"کیا مطلب؟" پردیپ نے پوچھا۔

"کیا تم منہ سے گدھے کی آواز نکال سکتے ہو؟"

"میں نے کبھی یہ مشق نہیں کی۔"

"کیا کوشش کر سکتے ہو؟"

"کوشش تو کسی بات کے لیے بھی کی جا سکتی ہے۔"

"تو پھر گدھے کی آواز کی نقل اتارنے کی کوشش کرو۔"

پردیپ نے دو تین بار کوشش کی میجر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں ابھی بات نہیں بنی۔ کوشش جاری رکھو۔"

پردیپ نے پھر دو تین بار کوشش کی۔ میجر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب بات کچھ بن گئی۔" اس کے بعد میجر نے اپنے ڈاگ کو پٹے سے پکڑ لیا اور اس کا منہ پردیپ کی طرف اٹھا دیا جو ابھی تک گدھے کی آواز منہ سے نکالنے میں مصروف تھا۔ پہلے پہل تو کتے کی سمجھ میں بھی نہ آیا کہ میجر اس سے کیا چاہتا ہے بالآخر وہ سمجھ گیا۔ اور پردیپ کے منہ سے نکلنے والی آواز کو غور سے سننے لگا۔ کتے نے دو تین بار گدھے کی آواز سنی اور پھر زور سے بھونکا۔ میجر سنگرام سنگھ نے اسے پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے چھوڑ دیا اور بولا۔ "اب میں مطمئن ہو گیا ہوں کہ کراکو ڈائل سمجھ گیا ہے کہ میں اس سے کیا چاہتا ہوں اب آؤ واپس چلیں۔ میں صرف اسی مقصد کے لیے آپ کو یہاں تک لایا تھا۔ کل رات جس چور کا انتظار کر رہے تھے وہ

نہیں آیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ آج جرأت کرے اس لیے آج رات پورنا اور پردیپ! تمہیں ضرورت سے زیادہ چوکس رہنا ہوگا۔" یہ کہہ کر میجر سنگرام سنگھ نے حویلی کی طرف قدم بڑھائے۔

جب وہ حویلی میں پہنچے تو نانا رائے اور ٹھاکر صاحب آپس میں گھل مل کر باتیں کر رہے تھے۔

رات کے کھانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ میجر سنگرام سنگھ نے سب سے پہلے اپنے پلنگ کے سرہانے تپائی پر پڑی ہوئی کتاب کا معائنہ کیا۔ اس کے گرد دھاگا بدستور لپٹا ہوا تھا۔ اس طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد میجر سنگرام حویلی کے عقب میں گیا اس نے کروکوڈائل کو زنجیر سے کھول کر اس کمرے کا رخ کیا جس کی کھڑکیوں سے اس نے دھاگا باندھ دیا تھا اور جس کے اندر دستاویزات کا صندوق پڑا تھا۔ اس نے کروکوڈائل کو اس پیڑ کے پاس چھوڑ دیا جو اس کے کمرے کی کھڑکیوں تک پہنچتا تھا۔ کراکوڈائل کو پہرہ دینے کی ڈیوٹی سونپ کر وہ واپس آ گیا پورنا اس کے کمرے میں بیٹھی تھی۔

"آج تمہیں سپاہی کی طرح وردی پہن کر سونا ہوگا۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ آج رات وہ چور ضرور آئے گا۔ اس لیے کہ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ ٹھاکر دیر سنگھ کو شک گزرنے لگا ہے کہ اس کے بھائی کی موت حادثے سے نہیں ہوئی۔ اگر چور قاتل بھی ہوا تو وہ تیزی سے قدم اٹھانے پر مجبور ہوگا۔ جاؤ جا کر ایسا لباس پہن لو جس سے تمہاری نقل و حرکت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔" پورنا اپنے کمرے میں چلی گئی۔

میجر سنگرام سنگھ کافی رات گئے تک جاگتا رہا۔ وہ کبھی کبھی پورنا کو بھی آواز دیتا۔ پورنا کو بیدار پا کر وہ مطمئن ہو جاتا۔ رات کے دو بجے اس کی آنکھ لگ گئی پورنا بھی شاید سو چکی تھی۔ کہیں دور سے گدھ کے چیخنے کی آواز آئی۔ جس پر میجر کے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ میجر ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پورنا کے کمرے کی طرف دیکھا۔ جو ہاتھ میں ٹارچ لیے بیچ کے دروازے میں کھڑی ہو چکی تھی۔ میجر سنگرام مسکرایا اور پھر اس نے محسوس کیا کہ کراکوڈائل کے بھونکنے کی آواز بھی دور سے آ رہی ہے اس کا مطلب ہے کہ کراکوڈائل اس گدھ کا یا کسی گدھ نما انسان کا پیچھا کر رہا تھا۔

میجر ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کیا قدم اٹھانا چاہیے کہ اس کے پلنگ کے سرہانے

پڑی ہوئی تپائی پر رکھی کتاب گر پڑی۔ میجر سنگرام سنگھ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا، پورنا اس کے پیچھے تھی۔ میجر نے پردیپ کے کمرے پر جا کر دستک دی اور کہا۔ "پردیپ اٹھو۔"

نانا رائے اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا اور ٹھاکر صاحب بھی ادھر آ رہے تھے۔

میجر سنگرام سنگھ نے نانا رائے سے کہا۔ "آپ ٹھاکر صاحب کے پاس رہیے۔ ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔"

میجر، پورنا اور پردیپ اس کمرے کی طرف بڑھے۔ جس میں ٹھاکر خاندان کی دستاویزات کا صندوق پڑا تھا۔ اس کمرے کا دروازہ اس طرح بند رکھا گیا تھا کہ ذرا سا دباؤ ڈالنے پر کھل جائے۔ میجر کمرے میں داخل ہوا۔ پورنا نے ٹارچ جلا دی۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔ دفعتاً میجر کی نگاہ اوپر کھڑکی پر پڑی۔ اس کھڑکی میں کسی کی دو ٹانگیں نظر آئیں۔ کوئی اس کھڑکی میں سے باہر کودنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دستاویزات کا صندوق اتنا بڑا اور اونچا تھا کہ کوئی بھی اس کھڑکی کے راستے کمرے میں آسانی سے اتر سکتا تھا اور آسانی سے اس کھڑکی کے راستے باہر جا سکتا تھا۔ میجر دوڑ کر صندوق پر چڑھ گیا لیکن اتنے میں کھڑکی کے راستے باہر جانے والا شخص شاید پیڑ تک پہنچ کر نیچے کود چکا تھا۔ میجر بھی کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر اس میں سے باہر نکل گیا۔ درخت سے زمین پر اس کے دھم سے گرنے کی آواز آئی۔ پورنا دروازے کی طرف بڑھی۔ تاکہ اس کمرے کے عقب میں جا کر میجر کا ساتھ دے سکے۔

میجر نے اندھیرے میں ایک سفید سایہ جنگل میں دوڑتا ہوا دیکھا۔ اس نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا پورنا ٹارچ لیے ہوئے اس کے پیچھے آ رہی تھی اس کے پیچھے پردیپ بھی تھا۔

میجر چار سو گز کی دوڑ میں ہمیشہ اول آیا کرتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ چور کو پانچ منٹ میں جا لے گا۔ ایسا ہی ہوا پھر اندھیرے میں سنگرام سنگھ نے ایسی آواز سنی جو نیام سے تلوار کھینچنے پر پیدا ہوتی ہے۔ میجر ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ چور تلوار سے مسلح ہے۔ میجر نہتا تھا۔ مگر اسے یہ گر اچھی طرح آتا تھا کہ نہتا ہونے کے باوجود تلوار سے مسلح شخص کا مقابلہ کس طرح کیا جاتا ہے اس نے اپنے حواس جمع کیے اور چور کی طرف بڑھا جو تلوار سونتے کھڑا تھا۔ وہ چور گرانڈیل شخص تھا۔ اس نے میجر پر لگاتار تین وار کیے۔ میجر بلا کی پھرتی سے اس کے تینوں وار خالی کر چکا تھا۔ اس گرانڈیل شخص نے دیکھا کہ اسے بلا کے پھرتیلے

دشمن سے سابقہ پڑا ہے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ میجر بھی اس شخص کے واروں سے اچھی طرح آگاہ ہو چکا تھا۔ چور ایک اچھا شمشیر زن تھا۔ اس وقت اس کا پیچھا کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ رک گیا اتنے میں پورنا اور پردیپ بھی وہاں پہنچ گیا۔

پورنا نے ٹارچ کی روشنی دور تک پھینکی۔ میجر اس روشنی میں اس گرانڈیل شخص کو دوڑتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ چور ایک بانکا سپاہی نظر آیا۔ اس نے پرانے زمانے کا جنگی لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر رسیوں کی طرح بنی ہوئی پگڑی تھی کمر میں پیلے رنگ کا پٹکا تھا۔ بدن پر لمبا اور کسا ہوا انگرکھا تھا۔ جس کے دامن پر گوٹہ لگا ہوا تھا۔ اور وہ گوٹہ ٹارچ کی روشنی میں جھلملا رہا تھا۔ چور نے چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا اور اس کے پیروں میں طلے دار جوتی تھی۔ پردیپ کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ شست باندھ رہا تھا کہ میجر نے پردیپ کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔

''پردیپ۔ بعض اوقات تمھاری حماقت مجھے بہت مہنگی پڑتی ہے۔'' میجر نے پستول مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے پورنا کے ہاتھ سے ٹارچ بھی چھین لی اور بولا۔ ''تم دونوں میرا انتظار کرو۔ میرا خیال ہے کہ میں اب بھی اس چور کو تین سو گز سے زیادہ دور نہیں نکلنے دوں گا۔'' یہ کہہ کر میجر اس طرح دوڑنے لگا۔ جیسے بندوق سے گولی نکلتی ہے۔

پورنا اور پردیپ اندھیرے میں کھڑے رہے۔ میجر اور چور کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز کے سوا اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

چند لمحوں کے بعد دور سے کراکوڈائل کے بھونکنے کی آواز آئی۔

''کراکوڈائل۔'' پردیپ نے زور سے پکار کر کہا۔

دو منٹ کے بعد کراکوڈائل اس کے پاس آ گیا۔

پندرہ منٹ کے بعد میجر نگرام بھی واپس آ گیا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا کتا میجر کی پتلون دانتوں سے کھینچ کر پیچھے کی طرف دھکیلنے لگا۔ ''بیٹا جہاں تم لے چلو گے وہیں چلیں گے۔ مجھے ذرا دم تو لینے دو۔'' میجر نے کراکوڈائل کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''ہم نے گولی چلنے کی آواز نہیں سنی۔ کیا چور آپ کے ہاتھ سے نکل گیا؟'' پردیپ نے پوچھا۔

''ہاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ دھرتی میں سما گیا۔'' میجر نے کہا۔

''آپ نے اس پر گولی کیوں نہیں چلائی۔'' پردیپ نے دوبارہ سوال کیا۔

''میں قاتل کو زندہ پکڑنے کا قائل ہوں۔ صرف مجبوری کی حالت میں گولی چلاتا ہوں۔'' میجر نے کہا اور کراکوڈائل کی دم پکڑ کر اسے آگے کی طرف دھکیلنے لگا۔ اور بولا۔ ''چلو بیٹا ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہو؟''

کتا دم ہلاتا ہوا ان کے آگے چل پڑا۔ ابھی انھوں نے آدھ میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ کتا ایک پتھر کے پاس جا کر رک گیا اور زور زور سے بھونکنے لگا۔ وہ اپنے نتھنوں سے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میجر نے ٹارچ جلا کر زمین پر پاؤں پنج کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد اس نے بڑے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کی وہ پتھر اپنی جگہ سے۔ ہلا۔ میجر نے پردیپ کی مدد حاصل کی۔ پتھر کو اس جگہ سے ہٹا دیا گیا۔ پتھر کے نیچے کچھ بھی نہیں تھا کتا اس زمین کو برابر سونگھ رہا تھا۔

میجر نے جیب سے پنسل نکالی اور اس پتھر پر نشان لگا دیا۔

''آؤ...... اب واپس چلیں...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آج کی مہم بری طرح ناکام رہی ہے۔''

نانا رائے اور ٹھاکر ویر سنگھ بڑی بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے میجر کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ ایک حیرت انکشاف کی توقع کر رہے ہوں۔

میجر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ٹھاکر صاحب! رسیوں کی طرح بنی ہوتربوزی رنگ کی پگڑی، سفید کرتا، پیلا پٹکا، کرتے کے دامن میں لگا ہوا گوٹہ، چوڑی دار پاجامہ طلے دار جوتی یہ کس خاندان کا رن باना تھا؟''

''دیوکر خاندان کا...... ٹھاکر ویر سنگھ نے جواب دیا۔''

''اور آپ تو بڑے یقین کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ دیوکر خاندان کا کوئی فرد اس گاؤں میں موجود نہیں ہے۔ آپ کے دستاویزات والے کمرے میں جس شخص نے گھسنے کی کوشش کی وہ دیوکر خاندان کا جنگی لباس پہنے ہوئے تھا۔''

''وہ شخص دیوکر خاندان کا جنگی لباس پہنے ہوئے تھا؟'' ٹھاکر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ہاں۔ اور وہ شخص اچھا شمشیر زن بھی تھا وہ یہاں اکیلا نہیں آیا تھا۔''

"اکیلا نہیں آیا تھا؟" اب پردیپ نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں ان کا ساتھی اور تھا اس کے ساتھی کے پاس گدھ تھا۔ یا اس کا ساتھی گدھ کی بہترین نقل اُتار سکتا تھا۔"

"اس کا ساتھی تو کوئی ہمیں نظر نہیں آیا۔" پورنا بولی۔

"اس کا ساتھی حویلی کے قریب نہیں آیا تھا۔ اس نے شاید کتے کو مطلوبہ کمرے کے پاس ٹہلتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ وہ بہت چالاک اور ہوشیار لوگ تھے۔ اس کے ساتھی نے دور کھڑے ہو کر گدھ کو چیخنے پر مجبور کیا تھا۔ یا خود گدھ کی چیخ منہ سے پیدا کی تھی۔ اس لئے تو آج رات گدھ کی چیخ پہلی چیخ سے دھیمی تھی۔ میں کتے کو کیونکہ چیخ کی آواز کی طرف لپکنے کے لیے تیار کر لیا تھا اس لئے وہ چیخ سنتے ہی اس طرف دوڑ پڑا۔ جس طرف سے چیخ کی آواز آئی تھی۔

کتا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو سپاہی کے بھیس میں چور نے میدان خالی پایا۔ اسے شک تک نہ ہوا کہ کوئی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ کھڑکی کے راستے دستاویزات والے کمرے میں داخل ہوا لیکن شاید کھڑکی پر ٹنگا ہوا دھاگا ذرا لٹک گیا اسے شک ہو گیا کہ اسے پکڑنے کے لیے جال بچھایا گیا ہے۔ وہ الٹے پاؤں کھڑکی کے راستے باہر نکل گیا۔ میں نے اسے جا تو لیا مگر میں نہتا تھا اور وہ ایک اچھا شمشیر زن تھا۔ اگر وہ اناڑی تیغ زن ہوتا تو میں نے اسے پکڑ لیا ہوتا۔ پردیپ کے پستول اور پورنا کی ٹارچ کی مدد سے میں اسے گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا اور وہیں ڈھیر کر سکتا تھا لیکن میں نے اپنے آپ پر زیادہ بھروسہ کیا۔ میں اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ میں اسے زندہ پکڑ لوں گا لیکن وہ چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔" میجر سانس لینے کے لیے رکا۔ اور پھر اس نے ٹھاکر صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ اپنی حویلی کے نواحی علاقے سے اچھی طرح واقف ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس علاقے میں کوئی سرنگ یا سرنگیں تو نہیں جو آپ کی حویلی سے نکل کر کسی دوسری جگہ جاتی ہوں یا دور کہیں سے شروع ہو کر آپ کی حویلی تک آتی ہوں۔"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے کبھی اس بات کی کھوج نہیں کی۔"

"کیا آپ کے پتا جی نے بھی کبھی ان سرنگوں کا ذکر نہیں کیا تھا؟"

"نہیں یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی حویلی کے اردگرد ایک سے زیادہ سرنگیں ہیں یا ایک ہی سرنگ میں داخل ہونے کے کئی راستے ہیں۔"

"آپ کس بنیاد پر ایسا کہہ رہے ہو۔"

"چور اور اس کے ساتھی سرنگوں سے ہی نکل کر بچ گئے۔ ورنہ کتا چور کے ساتھی کو ضرور پکڑ لیتا یا اس کے اصل ٹھکانے کا پتہ لگا کر واپس آتا۔ بہر کیف کل صبح اس بات کا ثبوت بھی مل جائے گا کہ اس علاقے میں سرنگیں ہیں یا نہیں۔" میجر نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلئے اب کوئی خطرہ نہیں۔ اب ہم آرام سے صبح تک سو سکتے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ دشمن حرکت میں آ گیا ہے۔ اب ہمارا کام آسان اور مختصر ہو گیا ہے۔ آج کا واقعہ دشمن کو اور زیادہ بھڑکا دے گا۔ وہ نئے منصوبے کو نا کام ہوتا دیکھ کر بوکھلا جائے گا۔"

وہ سب اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

صبح ناشتے پر میجر نے ٹھاکر صاحب سے پوچھا۔ "آپ کے اس علاقے میں کس کس خاندان کے لوگ رہتے ہیں۔"

"یہاں زیادہ تر، پرمان، میکھارن، بکانیر، چوہان خاندان کے لوگ رہتے ہیں۔ میں اب بھی وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں اب بھی دیو کر خاندان کا کوئی شخص نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو وہ شخص دیو کر خاندان کا لباس پہن کر آیا۔ ہمیں دھوکا دینا چاہتا تھا۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

"آپ اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ چور دیو کر خاندان کی تاریخ سے واقف ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے دیو کر خاندان کا لباس پہننے کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ چور دیو کر خاندان کا فرد ہے۔ جسے اس حویلی اور اس پورے علاقے کا جغرافیہ معلوم ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اپنے خاندان کی مکمل تاریخ موجود ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ ایک منظم طریقے سے آپ کے خاندان سے بدلہ لیا جا رہا ہے۔"

میجر کے اس انکشاف پر ٹھاکر صاحب کانپ اٹھے۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ہماری موجودگی میں دشمن اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اگر وہ میرے اندازے کے مطابق واقعی بوکھلا گیا ہے تو وہ بہت جلد

ہماری گرفت میں آجائے گا۔ اب میں پورنا، اور نانارائے تھوڑی دیر کے لیے باہر جائیں گے پردیپ آپ کے پاس رہے گا۔ آپ کو ایک دو دن اس حویلی سے قطعاً باہر قدم نہیں رکھنا ہوگا۔" اس کے بعد میجر پردیپ سے مخاطب ہوا۔

"پردیپ! تمہیں سائے کی طرح ٹھاکر صاحب کے ساتھ رہنا ہوگا۔"

چالیس منٹ کے بعد، میجر، پورنا، اور نانارائے گاؤں کے جدید ترین اسٹور نیوریشن اسٹور پر تھے۔ میجر نے اپنے ہونٹوں میں سگریٹ دبا رکھا تھا کاؤنٹر کے پیچھے چالیس برس کا ایک ناٹے قد کا ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا جسم بہت گٹھیلا تھا۔ اس کی مونچھیں سیاہ تھیں اور کناروں پر سے پھولی ہوئی تھیں۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" اس شخص نے بڑے شائستہ لہجے میں کہا۔

"کیا آپ کے پاس ہالینڈ کا پنیر ہے؟" میجر نے پوچھا۔

"پنیر۔ ضرور ہوگا۔" اس شخص نے گہری نظروں سے میجر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "آپ حیران تو ہوں گے کہ گاؤں کی دکان میں پنیر بھی مل جاتا ہے۔ میں نے یہ دکان کھول کر خسارے کا بھاری خطرہ مول لیا تھا۔ کیونکہ یہاں اچھے تعلیم یافتہ جاگیردار گھرانے ہیں، میں ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھتا ہوں ایک پونڈ دوں یا دو پونڈ۔"

"ایک پونڈ دیجیے۔" میجر نے کہا۔ اور پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کے ہاں وسکی یا بیئر تو ہوگی نہیں؟"

"آپ تو جانتے ہیں کہ اس علاقے میں نشہ بندی لاگو ہے کیا آپ کو بیئر ضرور چاہیے؟"

"مل سکتی تو کیا ہی بات تھی۔"

"آپ پہلی بار اس دکان میں آئے ہیں۔ میں آپ کو مایوس واپس نہیں بھیج سکتا۔ میرے ایک دوست ہیں۔ جو جہاز کی گودیوں کے نگران افسر ہیں۔ وہ مجھے غیر ملکی جہازوں کے کپتانوں سے وسکی اور بیئر لا دیتے ہیں۔ میرے نجی استعمال کے لیے میں آپ کو بیئر کی صرف چار بوتلیں دے سکتا ہوں۔ اسکاچ وسکی کی صرف ایک بوتل بھی مل سکتی ہے۔"

"دے دیجیے۔" میجر نے کہا۔

وہ شخص اندر گیا اور کاغذ کے تھیلے میں وسکی اور کینوس کے تھیلے میں بیئر کی بوتلیں لے آیا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑی سی بیئر یہیں بیٹھ کر پی لیں؟"

"بڑی خوشی سے آپ اس میز کے گرد بیٹھ سکتے ہیں ایک کرسی کم ہے میں ابھی لاتا ہوں۔"

ناٹے قد کا شخص اندر سے کرسی اٹھا لایا۔ اتنے میں میجر بیئر کی دو بوتلیں کھول چکا تھا۔ ناٹے شخص نے تین گلاس میز پر رکھ دیے اور دوبارہ کاؤنٹر کے پیچھے چلا گیا۔

"آپ نے ہمیں یہاں بلا جھجک بیئر لینے کی اجازت دے دی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقامی پولیس کے ساتھ آپ کے اچھے مراسم ہیں۔"

وہ شخص مسکرایا اور بولا۔ "دکانداروں کو پولیس سے بنا کر رکھنا پڑتی ہے۔ خاص طور پر دیہی علاقے میں ورنہ یہ دکان دن دہاڑے لوٹی جا سکتی ہے۔"

"یہ تو ہے۔" اور پھر میجر سنگرام سنگھ نے تیسرے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھیے اتفاق سے آپ تیسرا گلاس لے آئے ہیں۔"

"کیا؟" اس شخص نے پورنا کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں یہ نہیں پیتی ہیں۔" میجر سنگرام سنگھ نے کہا۔ "اب جب کہ تیسرا گلاس آ چکا ہے۔ تھوڑی سی بیئر آپ ہمارے ساتھ پی لیجیے۔"

"نہیں مجھے میزبان ہی رہنے دیجیے۔"

"اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اس طرح آپ کی اور ہماری راہ و رسم زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔"

"اگر آپ مجبور ہی کرتے ہیں تو ایک گلاس بیئر پی لوں گا۔ آپ کی نوازش کا شکریہ۔"

جب وہ شخص بیئر کا نصف گلاس پی چکا تو میجر سنگرام نے اس سے پوچھا۔ "آپ نے یہاں دکان کب کھولی تھی؟"

"چار مہینے پہلے۔"

"آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔"

"جوناگڑھ میں میرا گھر ہے۔ میرے بھائی کی وہاں بہت بڑی دکان ہے۔ ہم دونوں بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ میں اپنے حصے کی رقم لے کر یہاں چلا آیا۔ اب آرام سے

گزر بسر ہو رہی ہے۔"

"آپ نے جس مکان میں دکان کھولی ہے۔ وہ ہمیں کوئی بہت پرانی حویلی معلوم ہو رہی ہے۔ آپ کے خیال میں یہ حویلی کتنی پرانی ہو گی۔"

اتنے میں باہر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔

"مجھے دومنٹ کے لیے معاف کیجئے گا۔ یہ کہہ کر دوکاندار عقبی کمرے میں چلا گیا۔ میجر نے فوراً اپنا بیئر کا گلاس خالی کیا اور اسے اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا اور کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک گلاس اٹھا کر اس گلاس کی جگہ رکھ دیا۔ جو اس نے جیب میں ڈال لیا تھا۔ اس کارروائی میں دومنٹ سے زیادہ نہ لگے۔ ناتا رائے اور پورنا میجر سنگھ کی اس حرکت پر سخت حیران ہوئے۔ اتنے میں کسی پرندے کے کڑکڑانے کی آواز سنائی دی۔

جب دوکاندار واپس آیا تو میجر سنگرام نے پوچھا۔ "کیا آپ نے مرغیاں پال رکھی ہیں۔"

"نہیں میری بہن نے ایک تیتر پال رکھا ہے۔" دکاندار نے اپنا بیئر کا گلاس خالی کر دیا۔

میجر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دکاندار نے کیش میمو بنا دیا۔ میجر نے دام ادا کیے اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ کا بے حد شکریہ امید ہے کہ آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی۔" وہ سب دکان سے باہر نکلے۔

راستے میں ناتا رائے نے پوچھا۔ "وہ تیتر کی آواز تو نہیں تھی۔"

"نہیں۔ وہ گدھ کی آواز تھی۔"

"گدھ کی آواز۔" ناتا رائے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ان لوگوں نے گدھ کیوں پال رکھے ہیں۔"

"اپنا اپنا شوق ہے۔" میجر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہاں آ کر مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ میں گدھ کی آواز سنوں گا۔ گھوڑے پر شاید اس دکاندار کی بہن آئی تھی۔"

"ہاں!" پورنا نے کہا۔ "میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی کیونکہ میرا رخ باہر کی طرف تھا۔"

"آپ گلاس اٹھا کر کیوں لائے ہیں؟" ناتا رائے نے پوچھا۔ "میں اس کی انگلیوں

کے نشانات کا ریکارڈ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ...... تو کیا ٹھاکر خاندان کے قتل کے پیچھے اس آدمی کا ہاتھ ہے؟"

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں حقائق جمع کر رہا ہوں۔ ٹھاکر ویر سنگھ کی حویلی کی کھڑکی پر چور کی انگلیوں کے نشانات ضرور ہوں گے۔ ان نشانات سے ان نشانات کا موازنہ کیا جائے گا۔ میں پردیپ کو مقامی پولیس تھانہ میں بھیجوں گا وہ انگلیوں کے نشانات کے ماہر کو بلا لائے گا۔ دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

"کل جو چور آیا تھا۔ اس کا قد تو ناٹا نہیں تھا۔" پورنا نے کہا۔ "وہ تو ایک گرانڈیل جوان تھا۔ میرے خیال میں تو انگلیوں کے نشانات کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ دکاندار جو سگریٹ پی رہا تھا اسے آپ بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔" ناتا رائے نے کہا۔

"ہاں...... میں یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ کس برانڈ کی سگریٹ پیتا ہے۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ کارک ٹپڈ سگریٹ پیتا ہے۔"

"آپ کو خوشی کیوں ہوئی؟"

"آپ کو یاد ہو گا جس جگہ بلرام سنگھ کی لاش ملی تھی۔ اس سے کچھ دور ایک پیڑ کے نیچے سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا تھا۔ وہ کارک ٹپڈ سگریٹ کا ہی ٹکڑا تھا۔ میں اندھا دھند کسی نتیجے پر نہیں پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے لیکن میں اس پر خوش ہوئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ وہ دکاندار جو سگریٹ پی رہا تھا وہ کارک ٹپڈ تھا۔ میجر نے کہا۔" آپ نے شاید ایک اور بات پر دھیان نہیں دیا کہ اس آدمی نے انگلی میں ایک سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ اس سونے کا رنگ اس سونے سے مختلف تھا۔ جو آج کل بازار میں ملتا ہے۔ اس انگوٹھی پر ایک نشان تھا ایک خاص نشان۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس انگوٹھی سے کبھی مہر کا کام لیا جاتا رہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس نشان کو اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔"

"آپ کے خیال میں وہ کیا نشان ہو سکتا ہے؟"

"ٹھاکر خاندان کا نشان ہو سکتا ہے، بہر حال ابھی وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔"

"دکان کا نام نیو ریشن اسٹور ہے، ناتا رائے نے کہا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے اس شخص کا نام کچھ بھی ہو سکتا ہے مثلاً نیوریشن دیو کر اس نے نیوریشن دیو کر نہیں لکھا ہوگا۔ خیر ایسی قیاس آرائیوں سے ابھی کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔"

اب وہ اس پتھر کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جہاں تک جا کر رات کو میجر کا کتا رک گیا تھا اور جس پر میجر نے پنسل سے نشان لگا دیا تھا۔

"ہم یہاں کافی دیر ٹھہریں گے۔ اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو جلد واپس چلے جائیں گے۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ یہاں کسی سرنگ میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ وہ راستہ ہم نے ڈھونڈنا ہے۔ آپ اس پتھر کے گرد گھومتے رہیے۔ اور اپنے پاؤں پٹکتے ہوئے آگے بڑھ جائیے اگر آپ کو کسی جگہ زمین کھوکھلی محسوس ہو۔ تو مجھے آواز دیجئے۔"

پورنا اور نارائے نے میجر کی ہدایت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اچانک پورنا سے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ میجر سنگرام نے اس کی طرف دیکھا۔ پورنا کا دایاں پاؤں ایک گڑھے میں اتر گیا تھا۔ اور وہ سنبھلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میجر نے دوڑ کر پورنا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے باہر کھینچ لیا۔

"میرا قیاس صحیح ثابت ہوا۔ یہی سرنگ کا راستہ ہے۔" میجر نے کہا۔

"آپ میرا انتظار کیجئے میں ابھی واپس آ جاؤں گا۔" میجر نے اس جگہ اپنے ہاتھ سے زمین کو دبایا۔ جہاں پورنا کا پاؤں پڑنے سے ایک گڑھا بن گیا تھا۔ وہ زمین ایک تختہ ثابت ہوئی۔ تختے پر مٹی پڑی ہوئی تھی اور اس مٹی پر گھاس اگی ہوئی تھی۔ میجر کے ہاتھوں کے دباؤ سے وہ تختہ چرچراتا ہوا نیچے چلا گیا۔ میجر نے دیکھا کہ اس گڑھے سے سرنگ کی سیڑھیاں شروع ہو گئی تھیں۔ میجر ان سیڑھیوں کے راستے سرنگ میں داخل ہوا اور پانچ منٹ کے بعد واپس آ گیا۔ اس نے باہر آ کر اس تختے کو اٹھایا۔ جو آسانی سے اپنی جگہ پر آ رہا۔ اب کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ وہ سرنگ میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔

"سرنگ بہت پرانی ہے لیکن ابھی ٹھیک حالت میں ہے۔ اندر سے پکی ہے اس لیے کیڑے، سانپ یا کسی زہریلے جانور کی موجودگی کا وہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔" میجر نے کہا۔

اس نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیہ نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور ایک سگریٹ نارا

رائے کو پیش کیا۔ تھوڑے توقف کے بعد میجر نے کہا۔ اب سرنگ کے اس راستے کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ جس سے چور غائب ہو گیا تھا اسے پھر بھی ڈھونڈ لیں گے۔ اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"

اور وہ جب حویلی میں داخل ہوئے تو پردیپ اور ٹھاکر ویر سنگھ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"امید ہے کہ آپ نے سیر کا لطف اٹھایا ہوگا۔" ٹھاکر صاحب نے میجر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں سیر کافی پُر لطف رہی۔"

ٹھاکر نے اب نارائے کی طرف دیکھا۔ جس نے دو تھیلے اٹھائے ہوئے تھے۔

"آپ تو بہت کچھ خرید لائے ہیں۔"

"وسکی اور بیئر کی بوتلیں ہیں۔"

"یہاں تو خیریت رہی؟" میجر نے ٹھاکر صاحب سے پوچھا۔

"ہاں خیریت ہی رہی۔" ٹھاکر صاحب نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہاں ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے۔" میجر نے کہا۔ "کہیں آپ نے گدھ کو چیختے ہوئے تو نہیں سنا۔"

"آپ نے بالکل صحیح قیاس لگایا ہے۔" پردیپ نے فرطِ حیرت سے کہا۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ہم نے گدھ کو چیختے ہوئے سنا؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"میں تو اندر سے رائفل اٹھا لایا تھا کہ اگر گدھ نظر آیا تو اسے گولی کا نشانہ بنا دوں گا۔"

"کیا وہ نظر آیا؟" میجر نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کیا آپ نے باہر نکل کر اسے دیکھنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہم صرف تھوڑی دور تک گئے تھے۔" پردیپ نے کہا۔

"اچھا کیا دور جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں آپ کو ایک بار پھر یہ مشورہ دوں گا۔ کہ آپ گدھ کو چیختا ہوا سنیں تو اس کے پیچھے دوڑنے کی ہرگز کوشش نہ کریں۔"

"آپ نے تو مجھے اس گھر میں قید کر دیا ہے۔"

''کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ گدھ کے پیچھے 22 بور کی رائفل لے کر جائیں اور گدھ آپ کو اپنی 22 بور کی رائفل سے ہلاک کر دے؟'' میجر نے کہا۔ ٹھاکر صاحب خاموش رہے۔

چند لمحے توقف کے بعد ٹھاکر صاحب نے کہا۔ ''خیر نہ میں گدھ کو دیکھ سکا اور نہ گدھ مجھے دیکھ پایا۔ میں آپ کے لیے مندر کی چابی ڈھونڈ لایا ہوں۔''

''لائیے چابی مجھے دے دیجئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد میں مندر دیکھنے کے لیے جاؤں گا۔''

ٹھاکر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اور مجھے امید ہے کہ وہاں آپ کو گدھ کا ٹھکانہ نہیں ملے گا۔''

میجر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے وہ گلاس ایک صاف کاغذ میں لپیٹ دیا۔ جسے وہ نیوریشن اسٹور سے اٹھا کر لایا تھا۔ اس نے وہ گلاس اپنے سوٹ کیس میں رکھ دیا۔ یہ کام کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں میز پر سری رام بابا نے دوپہر کا کھانا لگا دیا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ بیٹھک میں آ بیٹھے اور میجر نے ٹھاکر صاحب سے پوچھا۔ ''جب آپ کے بھائی کی لاش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا تھا تو کیا کوئی اور گولی بھی ان کے جسم سے نکلی تھی؟''

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا۔ ''کیا کوئی تیسری گولی بھی تھی؟''

''مجھے اس بات پر افسوس ہو رہا ہے کہ آپ کو یہ شک ہو چکا تھا کہ آپ کے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے اس کے باوجود آپ نے چند ضروری معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔ اچھا تو آپ یہ بتائیے جب انتم سنسکار کے بعد ان کے پھول چنے گئے تھے تو گولی تو راکھ سے برآمد نہیں ہوئی تھی؟''

''نہیں۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا ''آپ کس گولی کا ذکر کر رہے ہیں؟''

''تیسری گولی کا جو شاید دشمن نے سائیلنسر والے پستول سے چلائی ہو۔'' میجر نے کہا۔

''تیسری گولی، ہو سکتا ہے کہ پوسٹ مارٹم کے وقت وہ گولی میرے بھائی کے جسم

سے نکال دی گئی ہو۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا۔

''میں نے یونہی پوچھا ہے کیونکہ رائفل سے جو گولی چلائی گئی تھی۔ وہ شاید آپ کے بھائی کو ہلاک نہ کر سکی ہو۔ ممکن ہے کہ پھر قاتل نے پستول کا استعمال کیا ہو۔ ایسا پستول جس پر سائیلنسر لگا ہوا ہو۔ خیر اس بات کا پتہ بعد میں چلے گا جب قاتل اپنے جرم کا خود اقبال کرے گا۔'' اس کے بعد میجر نانا رائے سے مخاطب ہوا۔ ''آپ میرے ساتھ چلیے ہم ذرا چل کر مندر کا معائنہ کریں گے۔''

مندر کے دروازے پر جو تالا لگا ہوا تھا۔ اس پر زنگ کی موٹی تہہ چڑھ گئی تھی۔ بڑی مشکل سے اسے کھولا گیا۔ دروازے کی چولیں بھی شاید جم چکی تھیں۔ کافی زور لگانے کے بعد ایک بھیانک چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ اندر سنگ مرمر کا فرش تھا۔ مندر کے سامنے ایک بہت ہی نفیس تالاب تھا۔ جس کے اندر دیواروں پر کائی کی موٹی تہہ جمی تھی اور وہ سبز کائی اب کالی پڑ چکی تھی۔ پیتل کی گھنٹیوں کا رنگ بھی سیاہ پڑ چکا تھا۔ تمام طاقچوں میں گھنٹے جالے لگے ہوئے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس مندر میں برسوں سے کوئی نہیں آیا۔ اصل مندر کے پیچھے چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں تھیں۔ ایک گوشے میں غسل خانہ تھا۔ وہ غسل خانہ شاید عورتوں کے لیے تھا کیونکہ اس کی دیواریں اونچی تھیں۔ اور ان دیواروں میں کوئی روشن دان نہیں تھا۔ دوسرے گوشے میں مردوں کا غسل خانہ تھا کیونکہ ان کی دیواریں نیچی تھیں۔ ایک کوٹھڑی کافی بڑی تھی۔

''اس میں شاید پجاری رہتا ہوگا۔'' نانا رائے نے کہا۔

''ہاں۔ چلو اس کے اندر چل کر دیکھیں۔''

اس کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ دونوں نے پہلے اس کے اندر جھانک کر دیکھا اور پھر وہ اس میں داخل ہو گئے اس کوٹھڑی کے اندر پتھر کی دو تین چوکیاں تھیں ایک طاقچے میں ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی کتاب تھی۔ ''یہ شاید گیتا ہے۔'' نانا رائے بولا میجر نے اس کو کھول کر دیکھا وہ گیتا ہی تھی۔

مندر کی باقی سب کوٹھڑیاں کھلی تھیں۔ صرف ایک کوٹھڑی بند تھی۔ میجر نے چابیوں کے گچھے کی تمام چابیاں آزمائیں آخر کار ایک چابی سے اس کوٹھڑی کا تالا کھل گیا۔ اس کا

دروازہ بھی کھلتے ہوئے چرچرایا۔ میجر نے اس کوٹھڑی کے اندر جھانک کر دیکھا۔ اس میں کافی اندھیرا تھا۔ وہ کوٹھڑی عورتوں کے غسل خانوں کے قریب تھی۔

"ہم سے غلطی ہوگئی۔ ہمیں اپنے ساتھ ٹارچ لانا چاہیے تھی۔" میجر نے کہا پھر اسے فوراً یاد آ گیا۔ اس کی جیب میں سگریٹ لائٹر تھا۔ اس نے سگریٹ لائٹر جلایا۔ کوٹھڑی بالکل خالی پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کا دروازہ بند ہی کرنے والا تھا کہ نہ جانے اسے کیا خیال آیا۔ میجر کوٹھڑی کے اندر داخل ہوگیا اور اس کی دیوار کو تھپتھپا کر دیکھنے لگا۔ دیواریں ٹھوس تھیں۔ اس کوٹھڑی کا فرش بڑی سلوں کا بنا ہوا تھا۔ اس نے عقبی دیوار کو تھپتھپا کر دیکھنا شروع کیا۔ اس کا پاؤں آخری پتھر پر پڑا تو وہ پتھر زمین کے اندر دھنس گیا۔ میجر گرتے گرتے بچا۔ تارا رائے اس کی مدد کو لپکا۔

"شاید یہاں بھی کوئی سرنگ نکلتی ہے یا پہنچتی ہے۔" تارا رائے نے کہا۔

"ہاں۔" میجر بولا۔ اس نے پتھر کی سل کو پورا اندر دبا دیا۔ اسے سگریٹ لائٹر کی روشنی میں سیڑھیاں دکھائی دیں۔ سنگ مرمر کی سیڑھیاں۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیڑھیاں کسی خاص جگہ جاتی ہیں۔ پھر وہیں دیکھ کر آتا ہوں آپ باہر میرا انتظار کیجئے۔" جب میجر اس کوٹھڑی سے باہر آیا تو اس کے ہونٹ گول تھے اور وہ سیٹی بجا رہا تھا۔ تارا رائے بھی میجر کی اس حرکت سے واقف ہو چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ میجر کوئی انوکھی بات معلوم کر کے آیا ہے۔

"آپ نے کیا دیکھا؟" تارا رائے نے پوچھا۔

"اس کوٹھڑی سے سنگ مرمر کی سیڑھیاں تہہ خانے تک جاتی ہیں میرا خیال تھا کہ مجھے وہاں ٹھاکر خاندان یا دیوکر خاندان کا خزانہ ملے گا لیکن اس تہہ خانے میں ایک اور مندر ہے۔ مہا کالی درگا ماتا کا مندر، شاید ان خاندانوں کا کوئی بزرگ شکتی کا پجاری تھا۔ اس نے وہ مندر الگ بنوایا تھا۔"

"تہہ خانے میں کالی ماتا کا مندر بنوانے کی منطق میری سمجھ میں نہیں آئی۔" تارا رائے نے کہا۔

"آپ اس زمانے کے جاگیرداروں کی نفسیات سے واقف نہیں ہیں۔ وہ عورت کو محکوم رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے خاندان میں دیوی کی پوجا ممنوع ہو، لیکن ان میں سے ایک دیوی کا بھگت ہو۔ اس لیے اس نے مندر تہہ خانے میں بنوایا۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ وہ اس

مندر میں پوجا کرنے آتا ہے اور تہہ خانے والے مندر میں پوجا کے لیے نہیں آتا۔ اب ہمیں سونو دیوکر کی مورتی والی کوٹھڑی کھولنی چاہیے۔" میجر نے کہا۔

"ہم سب کوٹھڑیاں دیکھ چکے ہیں وہ مورتی کہیں نظر نہیں آئی۔"

"میرے خیال میں وہ اصل مندر کے اندر ہوگی۔"

اب وہ دونوں اصل مندر میں داخل ہوئے۔ گرد و غبار کے باوجود اس مندر کے اندر تقدس کی ایسی فضا موجود تھی کہ دونوں بھگوان کرشن کی مورتی کے آگے جھک گئے۔ انھوں نے بھگوان کو پرنام کیا۔ جس کے ہونٹوں پر ایک پُر کیف مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ بھگوان کرشن کی وہ مورتی بہت ہی خوبصورت تھی اس کا سانولا رنگ بہت نفاست سے ابھارا گیا تھا۔ وہ بھگوان کرشن کے مردانہ جلال کی مورتی تھی۔

بھگوان کرشن جس اوٹ میں تھے اس کے ساتھ ایک اور اوٹ تھی۔ اس میں ایک گبرو جوان کی مورتی تھی۔ اس نے رن باتا پہن رکھا تھا۔ سر پر رسیوں کی طرح بٹی ہوئی پگڑی تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں ڈھال تھی۔ سنگ مرمر کو تراش کر اس کا جو چغہ بنایا گیا تھا۔ وہ پیلے رنگ کا تھا اور اس کے کرتے کے دامن پر سنہری رنگ سے گوٹہ دکھایا گیا تھا۔ اس کے پیروں میں اس کی جوتی پر بھی سنہرا رنگ دکھایا گیا تھا۔ ڈھال پر رتھ کا پہیا اور پہیے کے اندر تین ستارے تھے۔

"وہ چور اس مورتی سے ہو بہو ملتا جلتا تھا۔" میجر نے کہا۔

"کہیں آپ یہ خیال تو پیش نہیں کریں گے کہ یہ مورتی مندر سے نکل کر انسان کا روپ دھار کر قدیم دستاویزات چرانے گئی تھی۔" تارا رائے نے پوچھا۔

"میں تو وہم پرست نہیں ہوں۔" میجر سنگرام نے ذرا خفا ہوتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص بالکل یہی روپ دھار کر کاغذات چرانے کے لیے گیا تاکہ اگر وہ نہ پکڑا جائے تو اسے سونو دیوکر کی روح سمجھ کر اسے پکڑنے والا شخص خوفزدہ ہو جائے۔"

"اوہ........ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" تارا رائے بولے۔

"یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ آؤ واپس چلیں۔"

دونوں ٹہلتے ہوئے حویلی کی طرف چل پڑے۔

☆☆☆

میجر نے چائے کی پیالی ہونٹوں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "ٹھاکر صاحب! آپ کے گھرانے کا مندر دیکھنے کی چیز ہے۔ اگر آپ وہاں گئے ہوتے تو آپ نے اس مندر کو صاف ستھرا رکھنے کا تہیہ کر لیا ہوتا۔"

"میں اس پریشانی سے نجات پا لوں اور ذرا اپنے اقتصادی حالات ٹھیک کر لوں تو پھر سب باتوں پر توجہ دوں گا۔ پریشانی آدمی کو کچھ نہیں کرنے دیتی۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" میجر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آج میں بہت تھک گیا ہوں کام کے بعد آرام بہت ضروری ہوتا ہے۔"

میجر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ تو پورنا، پردیپ اور تارا نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی اپنے کمروں کی جانب روانہ ہو گئے۔ پردیپ اپنے کمرے کا دروازہ بند کرنے والا تھا کہ میجر نے اسے آواز دی۔ "پردیپ ذرا ادھر آؤ۔"

پردیپ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو میجر نے اپنے سوٹ کیس سے وہ گلاس نکالا جسے وہ نیوریشن اسٹور سے اٹھا لایا تھا۔ اس نے کاغذ میں لپٹا ہوا گلاس پردیپ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"پولیس تھانے والے کو میرا یہ شناختی کارڈ دکھا دینا۔ اسے بتا دینا کہ میں ٹھاکر ویر سنگھ کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ پولیس تھانہ کے انچارج سے انگلیوں کے نشانات کے پرنٹ لینے والی مشین بھی لے آنا۔ اگر انچارج تمہارے ساتھ اپنا کوئی آدمی بھیجے تو اس سے کہہ دینا کہ ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ ہم فی الحال پولیس کو حویلی سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک بات اور کرنا، پولیس تھانے کے انچارج سے پوچھنا کہ "نیوریشن اسٹور" والوں کے پاس کیا اسلحہ کا لائسنس ہے۔ پولیس تھانہ کا انچارج اگر زیادہ سوالات کرے تو بے شک بتا دینا کہ ہم جیون سنگھ کے قتل کی تحقیقات کے سلسلے میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔ میری یہ تمام ہدایات

تمھیں یاد رہیں گی؟"

"بالکل یاد رہیں گی؟"

"اچھی بات ہے کیا سات بجے سے پہلے یہاں پہنچ سکو گے۔"

"امید تو ہے۔" پردیپ نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا۔

میجر دوپہر کو سونے کا عادی نہیں تھا۔ اکتا کر بستر سے اٹھا اور اس کے جی میں آئی کہ آج وہ ساری حویلی دیکھ ڈالے۔ وہ اس نیت سے آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ ٹھاکر صاحب کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ اپنے پلنگ پر دراز چھت کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ میجر ان کے کمرے میں چلا گیا۔

"آپ نے پردیپ کو کہاں بھیج دیا؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"میں نے اسے بستی نائک گڑھ بھیجا ہے۔ چھوٹے موٹے دو چار کام تھے۔" میجر نے ٹھاکر صاحب کے پلنگ کے قریب کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ چھوٹے چھوٹے سے کام میرے متعلق ہیں؟"

"ہاں۔" میجر نے سگریٹ سلگایا اب وہ پچھتا رہا تھا کہ ٹھاکر صاحب کے کمرے میں کیوں چلا آیا تھا۔ بات یہ تھی کہ میجر ابھی ان کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ ان کے معاملے میں کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ میجر کو خدشہ تھا کہ اس نے اپنی تمام دریافتیں ان کو بتا دیں تو ٹھاکر صاحب اپنی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جس سے سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ میجر ٹھاکر صاحب کو اندھیرے میں بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا کیونکہ ایسا کرنے کا نتیجہ ان کے حق میں بُرا ہو سکتا تھا ان کی زندگی کو مزید خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔

"کیا آپ کو کوئی سراغ مل گیا ہے؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"مجھے صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ ان سب باتوں کے پیچھے کون سی حقیقت کام کر رہی ہے۔"

"آپ شاید مجھے حقیقت سے آگاہ کرنا نہیں چاہتے؟"

"پہلے میں خود اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہوں۔"

"آپ شاید مجھے بچہ سمجھ رہے ہیں۔ میری عمر اتنی ضرور ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کر سکیں۔"

"فی الحال آپ مجھے مجبور نہ کیجئے۔" میجر نے کہا۔ "بس اتنا کافی ہے کہ میں آپ کی جان بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ میری یہ کوشش ہے کہ میں آپ کو کسی کے ہاتھوں قتل نہ ہونے دوں۔"

"کیا واقعی کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟"

"ہاں۔"

"وہ کون ہے جو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ مجھے یہ جاننے کا حق ہے۔"

"دیکھئے، میں اب تک جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ محض ایک قیاس بھی ہو سکتا ہے اگر میں اس وقت آپ کو قیاس سے آگاہ کر دوں گا تو یہ اچھا نہ ہوگا۔ آپ نوجوان ہیں آپ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھیں گے کہ میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ آپ ایک ایسی حرکت کر چکے ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"میں نے بار بار یہ درخواست کی تھی کہ آپ گدھ کی آواز سنیں تو ہرگز گھر سے قدم باہر نہ نکالیں لیکن ہوا کیا آپ نے گدھ کو چیختے ہوئے سنا۔ آپ نے رائفل اٹھائی اور اسے ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوئے۔"

"میں نے ایسا اس لیے کیا کہ مجھے یقین تھا کہ گدھ آس پاس ضرور ہوگا۔"

"یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا۔ اگر وہ آپ پر گولی چلا دیتا تو پھر؟ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی گدھ کو اس لیے استعمال کر رہا ہے کہ آپ گھبرا کر گھر سے باہر نکل آئیں اور وہ آپ کو گولی کا نشانہ بنا سکے۔ آپ کے بھائی بلرام سنگھ کے ساتھ بھی یہی قصہ ہوا۔ میں ایک بار پھر آپ سے درخواست کروں گا کہ اگر آپ گدھ کو چیختا ہوا سنیں تو گھر کے اندر ہی رہیے۔"

"دیکھئے اگر کوئی شخص مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہے تو وہ گھر کے اندر آ کر بھی مجھے قتل کر سکتا ہے۔"

"نہیں۔ آپ نے مجھے خود ہی بتا دیا تھا کہ قتل کی واردات کو حادثے کا رنگ دیا جاتا ہے گھر میں حادثہ نہیں ہو سکتا۔" میجر نے کہا۔

"میں ایک اہم سوال پوچھ رہا ہوں آپ مجھے یہ بتائیے کہ قاتل نے مجھے قتل کرنے

میں اتنی دیر تک انتظار کیوں کیا ہے؟ میرے بھائی کے قتل کو تین مہینے ہو چکے ہیں۔ ان تین مہینوں میں قاتل کو کون سی بات مجھے قتل کرنے سے روک رہی ہے؟"

"قاتل نے اس لیے انتظار کیا کہ حادثے روز ظہور میں نہیں آتے۔ اگر آپ کو بلرام سنگھ کے قتل کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا تو پولیس کو شبہ ہونے لگتا۔ آپ کا دشمن کوئی معمولی انسان نہیں ہے۔ بہت ہی چالاک اور ہوشیار ہے۔ بلرام سنگھ کے قتل میں اور آپ کے قتل میں ایک طویل وقفہ ضروری تھا اور پھر آپ کے دشمن کو اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

"وہ شخص میرا دشمن کیوں ہے وہ مجھ سے نجات حاصل کرنا کیوں چاہتا ہے؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔ "میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟"

"آپ نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس کا بہت پہلے کچھ بگاڑا گیا تھا۔"

"کب؟"

"بہت عرصہ، بلکہ صدیوں پہلے۔"

"یعنی بہت عرصہ پہلے۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔ "اس بات پر کون اعتبار کرے گا اس شخص کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ چار سو برس پہلے قصور کس کا تھا؟ اور پھر کوئی بدلہ لینے کے لیے چار سو برس تک زندہ رہتا ہے؟"

"آپ بھولتے ہیں کہ انتقام کی آگ ہمیشہ روشن رہتی ہے۔ ایک نسل اپنی آنے والی نسل کو انتقام کی مشعل تھما جاتی ہے۔ بات کو کبھی بھلایا نہیں جاتا۔ آپ راجپوتوں کی تاریخ پڑھئے۔ آپ کو ایسی مثالیں ملیں گی کہ پردادا کا بدلہ پڑپوتے نے لیا۔ اگر آپ سرحدی پٹھانوں کی کہانی سنیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ان کے درمیان آج ایسی باتوں پر لڑائیاں ہوتی ہیں جن کو بیتے ہوئے سو سو دو دو سو سال ہو چکے ہیں۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیو کر خاندان نے ابھی تک اس بات کو نہیں بھلایا ہے کہ ٹھاکر خاندان نے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیا تھا؟"

"ہاں میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے تو یہ بات مضحکہ خیز نظر آتی ہے۔ میرے خیال میں دیو کر خاندان کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ جائیداد کے چھن جانے پر انھوں نے مفلسی کی زندگی بسر کی ہوگی، مسلسل فاقہ

کسی نے انھیں نیست و نابود کر دیا ہوگا۔"

"ان کی معصیت ہی نے تو ان کے انتقام کی آگ کو بھڑکایا ہوگا۔"

"اگر آپ کو یقین ہے کہ دیو کر خاندان کے افراد ہی میرے خاندان کو قتل کرتے آئے ہیں اور اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ اس سلسلے میں تیزی سے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتے۔"

"جب تک میرے ہاتھ میں کوئی مکمل ثبوت نہ آ جائے میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

"تو کیا میں یونہی اس گھر میں قید رہوں گا؟"

"اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔"

"یہ اچھی بھلائی ہے کوئی یہاں آ کر بھی مجھے گولی کا نشانہ بنا سکتا ہے۔"

"آپ کو ہمارے ہوتے ہوئے کوئی گولی کا نشانہ نہیں بنا سکے گا۔"

"لیکن مجھے کب تک اپنے ہی گھر میں قید رہنا ہوگا؟"

"اگر آپ بے تاب ہوئے جاتے ہیں تو میرے ایک مشورے پر عمل کیجیے۔ یوگیتا ملہوترا کے پاس جائیے۔ اس سے کہیے آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں عدالت میں جا کر شادی کا سرٹیفکیٹ حاصل کیجیے اور ایک مہینے کے لیے ہنی مون منانے کے لیے چلے جائیے۔"

"کیا آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟"

"کیوں؟"

"میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ میں اپنی محبوبہ کو بیوہ نہیں بنانا چاہتا۔"

"میری بات پر یقین کیجیے کہ یوگیتا ایک لمبے عرصے تک سہاگن رہے گی اور آپ میری مشکل کو آسان بنا دیں گے۔ جو شخص آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ آپ نے یوگیتا سے شادی کر لی ہے تو وہ تیزی سے آپ کے قتل کا انتظام کرے گا اور پکڑا جائے گا۔ ذرا میرے حالات پر بھی غور کیجیے۔ میں یہاں غیر معین عرصے کے لیے نہیں رہ سکتا۔ مجھے اور کام بھی کرنے ہیں۔"

"نہیں۔ میں یوگیتا سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"آپ کی مرضی لیکن میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ آپ انصاف نہیں کر رہے

ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ نے اسے شش و پنج میں مبتلا کر رکھا ہے آپ اگر دو ٹوک جواب دے دیں تو اسے کہیں اور شادی کرنے کی آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ ہمیشہ کے لیے تو اسے شش و پنج میں مبتلا نہیں رکھ سکتے۔"

"میں...... میں، ہاں میں نے اس کو یہ نہیں بتایا ہے۔"

میجر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "اچھی طرح سوچ لیجیے۔ میری بات پر غور کرنے کے لیے آپ کے پاس کافی وقت ہے۔"

میجر نے باہر آ کر حویلی دیکھنے کا خیال ترک کر دیا۔ وہ مندر کی طرف چل پڑا۔ وہ جی ہی جی میں اپنے کسی خیال پر مسکرانے لگا۔ دراصل آج اس نے نانا رائے کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس نے مندر کے اندر چھوٹی کوٹھڑی کی سیڑھیوں سے اترنے کے بعد تہ خانے میں کیا دیکھا تھا وہ باہر جا کر کھلی فضا میں سارے معاملے پر پھر سے غور کرنا چاہتا تھا۔

میجر اپنے خیالات میں کھویا ہوا مندر کے قریب جا پہنچا۔ مندر سے سڑک زیادہ دور نہیں تھی۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا میجر کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اسے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک کار نظر آئی جس کے پچھلے پہیے کا ٹائر پھٹ گیا تھا۔ وہ کار لڑکھڑانے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک طرف لڑھک جائے گی۔ میجر نے کار کے اندر نظر دوڑائی اس میں ڈرائیور کی نشست پر ایک عورت تھی۔ دفعتاً میجر کو خیال آیا کہ وہ کار تو یوگیتا ملہوترا کی تھی اس خیال کے آتے ہی میجر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ سڑک کی طرف دوڑ پڑا۔

یوگیتا ملہوترا شاید حواس باختہ ہو گئی تھی۔ اس کے دماغ پر دھماکے کا اثر تھا میجر اگر دو منٹ دیر سے پہنچتا تو کار یقیناً الٹ گئی ہوتی۔ اس کے بعد نجانے کیا حادثہ پیش آتا۔ میجر نے کار کا اسٹیرنگ وہیل سنبھال لیا تھا۔ وہ کار کے ساتھ ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔ یوگیتا ملہوترا کو ہدایت کرتا جا رہا تھا کہ وہ بریک دبا کر کار روک لے۔ وہ پاؤں سے بریک دبانے اور کار کا انجن بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس پر دھماکے کا اتنا اثر تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے یوگیتا کار روکنے میں کامیاب ہوئی۔ خیریت ہوئی کہ وہ زیادہ تیز رفتاری سے کار نہیں چلا رہی تھی ورنہ حادثہ یقینی تھا۔

یوگیتا کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تو اس کے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ وہ گر پڑتی مگر میجر نے اسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا اور سڑک کے کنارے گھاس پر جا کر بٹھا دیا۔

یوگیتا ابھی تک بات کرنے کے قابل نہیں ہوئی تھی۔

"آپ چند منٹ تک یہیں آرام کیجئے۔ میں یہ دیکھ کر آتا ہوں کہ وہ دھماکہ کس چیز سے پیدا ہوا تھا۔" میجر نے یوگیتا کی کار سڑک کے بیچ سے ہٹا کر ایک طرف کھڑی کر دی اور پھر پیچھے کی جانب چل پڑا۔ وہ راستے میں سوچتا جا رہا تھا کہ جس دھماکے کی اس نے آواز سنی تھی وہ کوئی اتفاقیہ دھماکہ نہیں تھا۔

میجر کا قیاس بالکل درست ثابت ہوا۔ ایک سو گز کے فاصلے پر اسے بارودی سرنگ ملی۔ اس پر جرمنی کی کسی اسلحہ ساز فیکٹری کا نشان تھا۔ وہ ایک پرانی بارودی سرنگ تھی جو خراب ہو چکی تھی۔ اگر وہ نئی اور تازہ ہوتی تو اس کے پھٹنے سے یوگیتا ملہوترا کی کار اور خود یوگیتا کے پرخچے اڑ جاتے۔ وہ اس بارودی سرنگ سے لگے ہوئے پتلے پتلے تار دیکھنے لگا۔ جس پر دباؤ پڑنے سے تناؤ پیدا ہوتا ہے اور بارودی سرنگ پھٹ جاتی ہے اس کے دونوں تار سڑک کے دو کناروں پر دو پتھروں سے بندھے ہوئے تھے۔

میجر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ کس کی کارروائی تھی؟ کسے یہ معلوم تھا کہ یوگیتا اس وقت اپنی کار میں ادھر سے گزرے گی؟ کس کو یہ یقین تھا کہ یوگیتا کی کار کے سوا اس وقت کوئی اور کار اور ٹرک نہیں آئے گا؟ اچانک میجر کو خیال آیا کہ آج کے دن یوگیتا قصبہ ناگ گڑھ میں سامان خریدنے جایا کرتی تھی۔ دشمن کو اس کی آمد اور روانگی کا وقت معلوم تھا۔ وہ بارودی سرنگ کو سڑک پر زیادہ دیر تک رکھنے کا خطرہ نہیں مول لے سکتا تھا پندرہ بیس منٹ پہلے ہی اس نے اپنے منصوبے پر عمل کیا ہوگا۔ مگر اس نے کسی آدمی کو ادھر موجود نہیں دیکھا تھا۔ فوراً ہی میجر کو مندر کے قریب نکلنے والی سرنگ کا خیال آیا۔ دشمن اس سرنگ سے آیا ہوگا اور اپنا کام کرنے کے بعد سرنگ سے واپس چلا گیا ہوگا۔

عین ممکن ہے کہ وہ اس وقت تک سرنگ کے اندر موجود ہو۔ میجر نے اپنے کوٹ کی جیبوں پر ہاتھ مارا۔ ان میں اس کا پستول نہیں تھا۔ پستول جیب میں نہ ہونے پر اس نے دشمن کے تعاقب کا ارادہ ترک کر دیا۔

میجر یوگیتا ملہوترا کے پاس آیا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ خوش تھا کہ دشمن سراسیمہ ہو چکا تھا

اور اب کھل کر سامنے آ رہا تھا۔ یوگیتا ملہوترا کے حواس بجا ہو چکے تھے۔

"کار کا ٹائر پھٹا تھا یا کوئی اور بات ہوئی تھی؟" یوگیتا ملہوترا نے پوچھا۔

"کسی نے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی یہی اچھا ہوا تھا کہ صرف کار کا ٹائر پھٹا۔"

"مجھے کسی نے قتل کرنے کی کوشش کی کیوں؟"

"اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے ہی تو ہم یہاں آئے ہیں۔ اب آپ گھر کیسے جائیں گی؟" میجر نے کہا۔ "چلئے حویلی تک چلئے آپ کو تھوڑی دیر انتظار کرنا ہوگا۔ پھر آپ میری کار لے کر جا سکتی ہیں۔ میں اپنے اسسٹنٹ کو آپ کے ساتھ بھیج دوں گا۔"

یوگیتا اور میجر سنگرام سنگھ حویلی میں داخل ہوئے تو ٹھاکر صاحب نے یوگیتا کی اڑی ہوئی رنگت دیکھ کر پوچھا۔ "کیا کوئی حادثہ پیش آ گیا؟"

"ہاں آج میں موت کے منہ میں جاتے جاتے بچ گئی ہوں۔ میرے خیال میں ہمیں پولیس کو اس واقعے کی اطلاع دینی چاہیے۔"

"نہیں۔ ابھی ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔" میجر سنگرام نے کہا۔ "کیا آپ نے دائیں طرف سڑک کے کنارے کسی آدمی کو دیکھا تھا؟"

"کسی کو نہیں۔" یوگیتا بولی۔ "اب میں بستی ناگ گڑھ نہیں جا سکوں گی گھر جاؤں گی۔"

"پردیپ آ جائے تو آپ کو چھوڑ آئے گا۔"

"نہیں۔ میں ان کی کار آج کے دن کے لیے لے جاؤں گی۔"

میجر سوچنے لگا۔ چند منٹ کے بعد اس نے کہا۔ "آپ میرے ایک مشورے پر عمل کیجئے۔ آپ نے بہت اچھی بات کہہ دی ہے۔ آپ کا ٹھاکر صاحب کی کار میں جانا مفید ثابت ہوگا۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے اپنی کار میں ہوں گا شاید ہو سکتا ہے دشمن دھوکا کھا جائے اور ٹھاکر صاحب کی کار دیکھ کر یہ سمجھے کہ کار میں ٹھاکر صاحب جا رہے ہیں اور حملہ کر دے۔ میں اس کے حملہ کرنے سے پہلے ہی اسے اپنی گرفت میں لے لوں گا۔"

"میں آپ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔" ٹھاکر صاحب بولے۔ "اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ اگر دشمن اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا تو یوگیتا۔" اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکے۔

"آپ گھبرائیے نہیں۔ یہی تجویز معقول ہے۔" ٹھاکر صاحب لاجواب ہو گئے۔

ایک گھنٹے کے بعد پردیپ میجر سنگرام کی کار میں بستی ناگ گڑھ سے واپس آ گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جس کام کے لیے گیا تھا۔ اسے کامیابی سے سرانجام دے کر آ رہا تھا۔ اس لیے میجر نے اس سے کوئی سوال نہ کیا اور بولا۔ "پردیپ یہ کار یہیں رہنے دو۔ ٹھاکر صاحب کی کار بھی لے آؤ۔ میرے پلنگ پر تکیے کے نیچے میرا پستول پڑا ہو گا۔ وہ بھی لیتے آنا۔ تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے میرے کمرے میں رکھ دو۔"

بیس منٹ کے بعد یوگیتا ملہوترا ٹھاکر صاحب کی کار میں آگے آگے جا رہی تھی اور میجر کار میں اس کے پیچھے تھا۔ وہ جھاڑیوں پر نظر ڈالتا ہوا جا رہا تھا۔ بعض جھاڑیاں کافی اونچی تھیں۔ ان کے پیچھے کوئی آسانی سے چھپ سکتا تھا۔ میجر کے ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دشمن ٹھاکر صاحب کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا مگر اس نے یوگیتا پر حملہ کیوں کیا تھا؟

راستے میں کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ یوگیتا اپنے مکان کے احاطے میں داخل ہوئی۔ کار روک کر اس نے میجر کے پاس آ کر کہا۔ "آئیے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد چلے جائیے گا۔"

"نہیں شکریہ، میں فوراً واپس جانا چاہتا ہوں اور جانے سے پہلے آپ سے صرف دو چار باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہیے۔"

"دیکھیے۔ میں ایک بہت مشکل صورت حال سے دوچار ہوں۔ آج کے واقعے سے پہلے میں آج شاید آپ کو بتانا پسند نہ کرتا۔ میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور آپ کو وعدہ کرنا ہو گا کہ آپ وہ بات کسی کو بتائیں گی نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کو بھاری نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔"

"میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی بتائی ہوئی بات کا کسی سے ذکر نہیں کروں گی۔"

"تو سنیے۔ ٹھاکر دیر سنگھ کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ میں یہ بات آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔ آج سے آپ گھر سے باہر نہیں نکلیں گی۔ کار میں بھی نہیں۔ اگر آپ کو باہر جانا ہی پڑ جائے تو حویلی کے قریب آنے کی کوشش مت کیجیے

گا۔ آپ کو صرف دو چار دن کے لیے ہی میری اس ہدایت پر عمل کرنا ہو گا۔ پھر آپ آزادی سے اس علاقے میں گھوم پھر سکیں گی۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ٹھاکر صاحب کے قتل کا خطرہ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"کیا ٹھاکر صاحب یہ بات جانتے ہیں؟"

"جی ہاں میں ایک بار پھر آپ کو خبردار کر دوں کہ کوئی آپ کو بھی قتل کر سکتا ہے ٹھاکر صاحب کے بڑے بھائی۔"

"وہ تو ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔"

"نہیں ان کو قتل کیا گیا تھا۔"

"اوہ......... میرے بھگوان۔ کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"بالکل سچ۔"

یوگیتا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ جیسے وہ ساری صورت حال کو سمجھ گئی ہو۔ "کیا اسی خطرے کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹھاکر صاحب نے مجھ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔"

"ہاں۔" میجر نے دبی زبان میں کہا۔ "وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ شادی کے فوراً بعد آپ بیوہ ہو جائیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت ان کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔ آج وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ ان کی وجہ سے آپ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ خیر آپ پریشان نہ ہوں میں ان سے جا کر بات کروں گا۔ میں ایک بار پھر بتا دوں کہ اگر آپ نے کسی سے یہ بات کہہ دی تو ٹھاکر صاحب کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

یوگیتا حیرت و استعجاب کی مورتی بنی ہوئی تھی۔ "آپ کون ہیں؟" اس نے پوچھا۔

دراصل اس روز ٹھاکر صاحب نے ان سب کا تعارف اپنے دوستوں کی حیثیت سے کرایا تھا۔ یوگیتا میجر کی اصل پوزیشن سے واقف نہیں تھی۔

"میں ایک سراغ رساں ہوں اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ کسی کو یہ پتہ چلے کہ میں کون ہوں۔ ٹھاکر صاحب کو اس کا علم ہے۔ آج آپ پر جو حملہ ہوا ہے۔ اس سے ان کے بوکھلا جانے کا اندیشہ ہے۔ میں ان کو حویلی سے باہر قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ وہ ایک بہادر نوجوان

ہیں وہ اس قید کو پسند نہیں کرتے۔'' میجر نے پھر کچھ سوچتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں نے ان کو ایک مشورہ دیا تھا کہ وہ آپ کے ساتھ جا کر عدالت میں شادی کریں اور پھر ایک مہینے کے لیے آپ دونوں ہنی مون پر چلے جائیں۔ انھوں نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ پہلے ادھر سے معاملہ صاف ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد وہ اطمینان سے اپنی شادی رچائیں گے۔''

''قتل کی سازش کون کر رہا ہے؟''

''ثبوت ملنے سے پہلے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''آپ کا بے حد شکریہ۔ آپ نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے آپ اطمینان رکھئے میں کسی سے اس گفتگو کا ذکر تک نہیں کروں گی۔''

''اچھا میں چلتا ہوں۔ شب بخیر۔''

''نمستے۔''

میجر نے واپسی پر کار اس جگہ روک دی۔ جہاں بارودی سرنگ پھٹی تھی وہ سڑک سے دور جھاڑیوں میں چلا گیا۔ ایک درخت کے پیچھا سے سگریٹ کا ایک ٹکڑا نظر آیا۔ جسے کسی نے اپنے جوتے کی ایڑھی سے مسل دیا تھا۔ وہ کارک ٹپڈ سگریٹ کا ٹکڑا تھا۔ اس نے سگریٹ کا وہ ٹکڑا اپنی جیب میں ڈال لیا۔

جب میجر نے حویلی کے اندر اپنی کار روکی تو اس نے دیکھا کہ ٹھاکر صاحب بے تابی سے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

''آپ نے بڑی دیر لگا دی۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا۔

''مجھے تھوڑا سا ایک اور کام بھی تھا۔''

''وہ کیا کام تھا؟''

''میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یوگیتا پر حملہ جان بوجھ کر کیا گیا یا محض ایک حادثہ تھا۔''

''میں خود حیران تھا کہ آپ لوگوں نے مجھے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ یوگیتا پر حملہ کیوں اور کیسے ہوا۔ یوگیتا بھی خاموش رہی۔ بتائیے کہ وہ ایک حادثہ تھا یا کسی نے جان بوجھ کر یوگیتا پر حملہ کیا تھا؟''

''کسی نے جان بوجھ کر اس پر حملہ کیا تھا اس کا ثبوت میرے پاس موجود ہے۔'' میجر

نے جیب سے سگریٹ کا ٹکڑا نکالتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... میرے بھگوان، دشمن یوگیتا کے پیچھے بھی پنجے جھاڑ کر پڑ گیا ہے۔ مگر کیوں؟''

''آپ کو سراسیمہ اور خوف زدہ کرنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔''

''حرام زادہ!'' ٹھاکر صاحب نے دشمن کو گالی دی۔ ''آپ نے یوگیتا کو یہ تو نہیں بتایا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔''

''میں اسے بتا چکا ہوں۔''

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''دیکھئے ٹھاکر صاحب یہ فیصلہ آپ کو نہیں کرنا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے یوگیتا کو خبردار کر کے ایک اچھی بات کی ہے وہ اب ہوشیار اور چوکی رہے گی۔ آپ ہی کہئے کہ اس وقت آپ کا کیا حال ہوتا۔ جب یہ خبر آتی کہ کسی نے یوگیتا کو قتل کر دیا ہے۔''

ٹھاکر صاحب اپنے ہونٹ دانتوں سے کاٹنے لگے۔ ''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' وہ بولے۔

''دیکھئے۔ یوگیتا سنبھل گئی ہے آپ بھی اپنے حواس قائم رکھئے۔'' وقت سے پہلے انتہا دھند قدم نہ اٹھائیے۔'' میجر نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا پھر اس نے سگریٹ سلگایا۔ اور خلا میں گھورتے ہوئے لمبے کش لگانے لگا۔

☆☆☆

اگلے روز ناشتے کے بعد میجر سنگرام سنگھ اور ٹھاکر ویر سنگھ حویلی کے باہر لان میں بیٹھے تھے۔ صبح کی دھوپ بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

"اب آپ مجھے ٹھیک ٹھیک یہ بتایئے کہ یوگیتا کو قتل کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"میں اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں لیکن آپ کے اطمینان کے لیے آپ کو اپنی رائے سے پھر آگاہ کرتا ہوں۔ یوگیتا کو قتل کرنے کے دو اسباب ہو سکتے ہیں۔ آپ کو اس کے ساتھ شادی کرنے سے روکنا۔ آپ کو خوفزدہ کر کے حویلی سے باہر نکالنا اور آپ کو بڑی آسانی سے گولی کا نشانہ بنانا۔ دیکھیے، وہ دشمن اپنے مقصد میں تھوڑا سا کامیاب ہو تو چکا ہے کل سے آپ پریشان ہیں۔ آپ کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ جس کا مطلب ہے آپ رات بھر سوئے نہیں ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر آپ کچھ کر نہیں رہے ہیں۔ میری محبوبہ پر حملہ ہوا اور آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔"

"میں قطعاً بے کار نہیں بیٹھا ہوں۔"

"آخر اس سازش کے پیچھے کون ہے؟" ٹھاکر نے کسمساتے ہوئے پوچھا۔

"میں سازش کی نوعیت جان چکا ہوں۔ شاید میں ان لوگوں کا آپ کو نام بھی بتا سکوں۔"

"ان لوگوں کا نام........ کیا ایک سے زیادہ لوگ سازش کر رہے ہیں؟"

"جی ہاں........ مجھے اس سازش کے پیچھے تین آدمی نظر آتے ہیں اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔"

ٹھاکر صاحب حیران رہ گئے۔ کیا آپ مجھے اس آدمی کا نام بتا سکتے ہیں جس نے

یوگیتا پر حملہ کیا۔"

"اگر میں آپ کو ان کا نام بتا دوں تو آپ کیا کریں گے؟"

"میں اسے گولی سے اڑا دوں گا۔"

"آپ ایسی کوئی بات نہیں کریں گے ورنہ آپ جیل کی کوٹھری میں ہوں گے۔"

"اگر آپ اس شخص کا نام جانتے ہیں تو آپ اس شخص کو گرفتار کیوں نہیں کروا دیتے؟" ٹھاکر صاحب نے جھلا کر کہا۔

"اسے کس الزام میں گرفتار کراؤں؟" میجر نے پوچھا۔

"قتل کے الزام میں۔"

"کس کے قتل کے الزام میں؟"

"میرے بھائی بلرام سنگھ کے الزام میں۔"

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ کس شخص نے قتل کیا ہے۔ ناقابلِ تردید ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے اور ابھی تک مجھے کوئی ناقابلِ تردید ثبوت نہیں ملا ہے۔ ججوں کو اپنے دلائل سے قائل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر آپ کے دلائل کمزور ہوں تو ملزم کو شک کا فائدہ مل جاتا ہے اور وہ صاف بچ جاتا ہے۔ اگر اس معاملے میں بھی ایسا ہوا تو آپ کو زیادہ نقصان ہوگا۔ قاتل آزاد ہوگا اور وہ آپ پر زیادہ منظم طریقے سے حملہ کرے گا۔ جلد بازی سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ قتل کے کیس میں محض قیاس آرائی سے کام نہیں چلتا۔ کوئی ٹھوس ثبوت میرے ہاتھ لگنے دیجئے پھر دیکھئے گا کہ میں کس تیزی سے حرکت میں آتا ہوں۔"

"ٹھوس ثبوت کب آپ کے ہاتھ لگے گا؟"

"میں سمجھتا ہوں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ثبوت فراہم ہونے سے پہلے ہی یوگیتا کو قتل کر دیا جائے؟"

"میں نے اسے مشورہ دے دیا ہے کہ محتاط رہے۔"

"آپ دشمن کو ایک نئی کوشش کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔"

"ہاں میں چاہتا ہوں کہ وہ ایک اور کوشش کرے۔"

"آپ کمال کر رہے ہیں۔" ٹھاکر صاحب نے تلملاتے ہوئے کہا۔ "کیا آدمی کو قتل کے شبہ میں گرفتار نہیں کیا جا سکتا؟"

"آپ اتنے بے قرار کیوں ہوتے ہیں۔"

"دشمن کھلے بندوں پھر رہا ہے۔ وہ چاہے تو مجھے یہاں بیٹھے بیٹھے گولی مار سکتا ہے۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

"نہیں وہ اتنی ہمت نہیں کرے گا۔ اس وقت تک قاتل کی تکنیک یہ رہی ہے کہ وہ قتل کو ایک حادثہ قرار دے۔ قاتل اپنی تکنیک بہت کم بدلا کرتے ہیں۔"

"کیا وہ پیشہ ور قاتل ہے؟"

"نہیں۔ وہ پیشہ ور قاتل نہیں ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک مہذب انسان ہے۔"

"اس کے باوجود مجھے قتل کرنے کا ارادہ باندھ چکا ہے۔"

"ہاں۔ وہ شاید حالات کا غلام ہے۔"

"کیسے حالات؟"

"میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ آپ پر گولی چلا کر ہی مطمئن نہیں ہوگا اس کی خواہش یہ ہوگی کہ جب وہ آپ پر گولی چلائے تو آپ اسے ضرور دیکھیں جس طرح آپ کے بھائی بلرام سنگھ نے اسے دیکھا تھا یعنی اس کے تین ستاروں کو دیکھا تھا۔"

"آپ تو اس واقعہ کو ایک پُراسرار قصہ بنا رہے ہیں۔"

"یہ واقعی ایک پُراسرار قصہ ہے۔"

"آپ نے اس وقت جو باتیں کی ہیں۔ ان سے اس بات کا پتہ نہیں چلا کہ اس نے یوگیتا کو ہلاک کرنے کی کوشش کیوں کی؟ آپ یہ کہتے ہیں کہ قاتل چاہتا ہے کہ مقتول اسے گولی چلاتا ہوا دیکھ لے۔ آپ کی یہ دلیل یوگیتا کے سلسلے میں مضبوط ثابت نہیں ہوتی۔ اس نے یوگیتا کو چھپ کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اس نے حملہ آور کو دیکھا تک نہیں۔"

"یوگیتا کا معاملہ دوسرا تھا۔ اسے اپنے آپ کو یوگیتا کے سامنے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"کیوں؟"

"دیکھئے۔ ثبوت کے ہاتھ لگتے ہی میں اپنی باتوں کی اچھی طرح وضاحت کر سکوں گا۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا اور آپ میری ہر بات فوراً سمجھ جائیں گے۔" اور پھر میجر نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے ہوا کا تیز طوفان آنے والا ہے۔" چند منٹ کے بعد بادل گرجنے لگے اور تیز ہوا چلنے لگی۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ اب بارش ہونے لگی تھی۔ حویلی کے اندر کی فضا بڑی یاس انگیز ہو گئی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد میجر، پروپ کا لایا ہوا سامان دیکھنے لگا۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا اور گلاس پر پڑے ہوئے انگلیوں کے نشانات کے پرنٹ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ پورنا اپنے کمرے میں تھی۔ وہ ایک سمجھدار لڑکی تھی اسے معلوم تھا کہ میجر کام میں مصروف ہے۔ اس لیے وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ میجر کے کمرے کی کھڑکی تیز ہوا کے باعث کھل گئی۔ وہ کمرے میں رکھی ہوئی میز پر چڑھ گیا اور اس نے کھڑکی بند کرنے سے پہلے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہاں گھنے بادل چھائے ہوئے تھے کبھی بجلی چمک جاتی تھی اس نے کھڑکی میں سے نیچے جھانک کر دیکھا۔

اسے بجلی کی ہلکی روشنی میں جھاڑیوں کے پاس ایک سایہ منڈلاتا ہوا نظر آیا۔ وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے سوچا کہ اسے فوراً جا کر ٹھاکر صاحب کو خبر کر دینی چاہیے۔ اس نے بیگ میں سے چھوٹا پستول نکال لیا جس پر گولی کی آواز کو دبانے والا سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ پھر بیگ سے ٹارچ نکال کر جیب میں ڈال لی۔ اور وہ ڈیوڑھی میں سے گزر کر ٹھاکر صاحب کے کمرے کی طرف چل دیا اس کا کمرہ بند تھا۔ میجر نے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے دروازے کا ہینڈل گھما کر اسے کھول دیا سنگھار میز پر ایک موم بتی جل رہی تھی اور ٹھاکر صاحب اپنے کمرے میں نہیں ہے۔

میجر کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی وہ گھبرا گیا۔ اس نے ان کمروں کے دروازوں پر دستک دی۔ جن کو ٹھاکر صاحب استعمال کرتے تھے۔ ٹھاکر صاحب کہیں بھی نہیں تھے۔ وہ ٹارچ جلا کر حویلی کے صدر دروازے کی طرف بڑھا جو بند تھا۔ مگر اس پر تالا نہیں پڑا ہوا تھا۔ وہ حیران ہوا۔ میجر سنگرام سنگھ باہر نکلا اور اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا وہ بہت احتیاط سے ان جھاڑیوں کے پیچھے کی طرف چل پڑا۔ جس میں اس نے سایہ منڈلاتا ہوا دیکھا تھا۔

جب میجر سنگرام سنگھ جھاڑیوں کے پیچھے پہنچ گیا تو اس نے اپنی بجھی ہوئی ٹارچ دوبارہ

جلائی اور رعب دار آواز میں کہا۔

"تم جو کوئی بھی ہو اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر آ جاؤ۔" میجر نے پستول کی نالی کا رخ جھاڑیوں کی طرف کر دیا تھا اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے ٹھاکر صاحب کو جھاڑیوں میں سے باہر آتے ہوئے دیکھا۔

"آپ نے یہ کیا حماقت کی میں آپ کو گولی کا نشانہ بنا دیتا تو کیا ہوتا۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

اب میجر نے دیکھا کہ ٹھاکر صاحب کے ہاتھ میں رائفل تھی۔

"حماقت آپ کر رہے ہیں۔ میجر نے کہا آپ ان جھاڑیوں میں کیا کر رہے ہیں؟"

"میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر قاتل ادھر آ نکلا تو میں اسے موت کی نیند سلا دوں گا۔"

"اگر وہ واقعی آ نکلتا تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت کون موت کی نیند سو یا ہوتا۔" میجر نے خشم گین لہجے میں کہا۔ "چلیے اندر چلیے۔"

جب وہ دونوں حویلی کے اندر آ گئے۔ تو میجر نے ٹھاکر صاحب کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "آپ میری ہدایت پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ میں آپ کی مدد کرنے کے علاوہ یوں پورا زور لگا رہا ہوں لیکن آپ ہیں کہ آپ میرے کام کو دشوار بنائے چلے جا رہے ہیں۔ اگر آپ میری ہدایت پر عمل نہیں کریں گے تو میں کل واپس چلا جاؤں گا۔"

مجھے معاف کر دیجیے۔" ٹھاکر صاحب نے نادم ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا اس رائفل میں گولی بھری ہوئی ہے؟" میجر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اس میں سے گولی نکال دیجیے۔"

ٹھاکر صاحب نے میجر سنگرام کے حکم کی تعمیل کی۔ "میں نے واقعی ایک خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ مگر مجھے حیرت تو اس بات پر ہو رہی ہے کہ آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ میں جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا ہوں؟"

"مجھے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ جھاڑیوں میں موجود ہیں میں تو سمجھا تھا کہ جھاڑیوں میں دشمن منڈلا رہا ہے۔ میں اگر دھوکے میں آپ پر گولی چلا دیتا تو دشمن کا مقصد میرے ہاتھوں پورا ہو جاتا۔ وہ آدمی اپنے اپنے ہاتھ میں ہتھیار لیے ہوئے اندھیرے میں

چل رہے ہوں تو بھیانک حادثہ ظہور میں آتے دیر نہیں لگتی۔ آپ وعدہ کیجیے کہ آج رات آپ اپنے کمرے سے کسی قیمت پر باہر نہیں نکلیں گے۔"

"میں سیدھا اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

"دروازہ اندر سے بند کر لیجیے گا۔ اگر کوئی آپ کا دروازہ کھولنے یا دستاویزات والے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو اس سے میں نمٹ لوں گا۔ آپ کو اپنے کمرے سے باہر نہیں آنا ہو گا۔"

میجر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ وہ بستر پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ آج رات ضرور کوئی حادثہ ہو گا۔ اس نے پورنا کے کمرے کی طرف دیکھا۔ بیچ کا دروازہ بند تھا۔ پورنا شاید سو چکی تھی۔ اس پر بھی غنودگی طاری ہونے لگی اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی دروازے کی چٹخنی دھیرے سے باہر دبائی گئی ہو۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اس نے اپنے ہاتھ میں ٹارچ پکڑی اور دوسرے میں بے آواز پستول۔ وہ دبے پاؤں دستاویزات والے کمرے کی طرف بڑھا اور پھر اس نے کھٹاک سے دروازہ کھول دیا۔

وہ شخص جو اس کمرے میں موجود تھا۔ شاید میجر کے دبے قدموں کی آواز سن چکا تھا کیونکہ اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد میجر نے سامنے کی دیوار کے پیچھے کسی کے کودنے کی آواز سنی۔ میجر سنگرام سنگھ صندوق پر چڑھ گیا۔ اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ کمرے کی ایک کھڑکی کا پٹ اٹھا کر ٹارچ کی روشنی اس طرف پھینکتے ہوئے دور تک دیکھا اسے ایک لمبا تڑنگا شخص نظر آیا۔ جس نے زرہ بکتر پہن رکھا تھا۔ میجر نے دیکھا کہ اس نے زرہ بکتر کو جھنجھوڑ کر اپنے ہاتھ میں کوئی چیز پکڑی تھی۔

میجر سنگرام فوراً دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔

کیونکہ اس کو ایک شعلہ چمکتا ہوا نظر آیا۔ گولی کی آواز آئی۔ میجر نے پھر بڑی احتیاط کے ساتھ کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ وہ شخص غائب ہو چکا تھا۔ میجر مڑا وہ کھڑکی کے بجائے حویلی کے صدر دروازے سے نکل کر اس شخص کا پیچھا کرنا چاہتا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ حملہ آور شخص سرنگ میں داخل ہو چکا ہے۔ تعاقب بے سود ہے۔ میجر مڑا تو اس نے اپنے سامنے ٹھاکر صاحب کو کھڑے پایا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"اگر ایک منٹ دیر سے نہ پہنچتا تو میں نے اسے پکڑ لیا ہوتا۔" میجر نے کہا۔

"کیسے پکڑ لیا ہوتا؟"

"آج ایک نیا شخص دستاویزات کا صندوق کھولنے کے لیے آیا تھا۔"

"میں تو گولی کی آواز سن کر ادھر آ نکلا ہوں۔"

اتنے میں پورنا، ناناراۓ اور پردیپ بھی وہاں پہنچ گئے۔

"کیا ہوا؟" ناناراۓ نے پوچھا۔

"آج اس حویلی میں ایک نیا مہمان آیا تھا مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے چاہیے تھا کہ میں اس کمرے میں جا کر اس کا انتظار کرتا۔ میں نے حماقت کی کہ سیدھا اس کمرے میں چلا گیا۔ وہ میرے قدموں کی آہٹ پا کر چوکس ہو گیا۔ کمرے میں میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ کھڑکی کے راستے نکل کر درخت پر چڑھ گیا۔ آج وہ پستول سے مسلح تھا۔"

"کیا اس کا پیچھا نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اتنے آدمی ہیں۔" پردیپ نے پوچھا۔

"اتنی اندھیرے رات میں اس کا پیچھا نہیں کیا جا سکتا۔" میجر سنگرام سنگھ نے کہا۔

"اگر وہ ایک نیا آدمی تھا تو اس کا مطلب ہے کہ بہت سے آدمی میری جان کے لاگو ہو رہے ہیں۔"

میجر جواب دینا چاہتا تھا مگر وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ دور ایک کار کے چلنے کی آواز آئی۔

سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"کار اسی شخص کی معلوم ہوتی ہے اچھا تو وہ کار میں آیا تھا۔" میجر نے کہا۔

"ہمیں دستاویزات والے صندوق کے کمرے میں دوبارہ چلنا چاہیے۔ شاید جلدی میں اس کی کوئی چیز وہاں چھوٹ گئی ہو۔"

وہ سب اس کمرے میں داخل ہوئے۔ میجر بڑے صندوق کے پاس پڑی ہوئی ایک چیز دیکھنے لگا۔

"یہ تو ایک آری ہے۔" ٹھاکر صاحب بولے وہ اسے اٹھانے کے لیے بڑھے تو میجر نے ان کو روک دیا اور کہا۔ "اس کو ہاتھ نہ لگایئے۔ اس پر انگلیوں کے نشانات ہوں گے۔ وہ شخص اس دفعہ لوہا کاٹنے والی آری لایا تھا۔ دراصل وہ صندوق کے کنڈے کاٹنا چاہتا تھا۔"

"وہ بار بار یہاں آتا ہے۔ آخر اس صندوق میں کیا ہے۔" ناناراۓ نے پوچھا۔

"یہ تو وہی جانتا ہے۔" میجر نے کہا۔ "آج وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر آیا تھا۔ اس نے بے دھڑک گولی چلا دی تھی۔ اگر میں چوکنا نہ ہوتا تو وہ میرا کام تمام کر چکا تھا کوئی بہت اچھا نشانہ باز تھا۔"

"اگر دشمن نے آج یہاں بے خوفی سے حملہ کیا ہے تو آپ کے خیال میں یوگیتا کیا آج رات محفوظ ہو گی؟" ٹھاکر نے پوچھا۔

میجر یوگیتا کو بالکل فراموش کر چکا تھا۔ ٹھاکر صاحب کے اس سوال نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میجر نے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"پردیپ تمھارے پاس بلٹ پروف جیکٹ ہے نا؟"

"جی ہاں۔" پردیپ بولا۔

"جاؤ فوراً وہ بلٹ پروف جیکٹ پہن لو اپنے ساتھ وہ پستول بھی لیتے چلو جس پر سائلنسر لگا ہوا ہے۔ اس کے بعد میری کار پچھواڑے سے سامنے لے آؤ۔ ہمیں کافی دیر ہو چکی ہے۔ پھر بھی شاید وقت پر پہنچ جائیں۔"

"کیا مطلب؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ دشمن یہاں ناکام ہو جانے کے بعد جھلاہٹ میں یوگیتا پر حملہ ضرور کرے گا۔ اب دشمن نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اچھا میں جا کر تیار ہوتا ہوں۔" میجر نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا پورنا اس کے پیچھے پیچھے ہو لی۔

"کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"نہیں آپ کو یہیں رہنا ہو گا۔" میجر سنگرام نے ذرا تحکمانہ لہجے میں کہا پھر وہ ناناراۓ سے مخاطب ہوا۔ "آج آپ کو پہرہ دینا ہو گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ حملہ آور دوبارہ نہیں آئے گا لیکن میں خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ کا کام یہ ہو گا کہ آپ ٹھاکر صاحب کو ان کے کمرے سے باہر نہیں نکلنے دیں گے۔"

"اچھی بات ہے اور مجھے امید ہے کہ میں اپنا فرض خوش اسلوبی سے سرانجام دوں گا۔"

میجر اپنے کمرے میں آ کر جلدی سے بلٹ پروف جیکٹ پہننے لگا۔ جب وہ جیکٹ پہن چکا اور پستول اور ٹارچ سے لیس ہو چکا تو پورنا جو اس کے تیار ہونے کی منتظر کھڑی

تھی۔ اس نے روہانسی صورت بنا کر کہا۔ "اپنا خیال رکھئے گا۔"

پرتاپ تیار ہو کر باہر جا چکا تھا۔ وہ موٹر پچھواڑے سے نکال لایا تھا۔ اور اس کا ہارن بجا لیا تھا۔ تاکہ میجر جلدی تیار ہو کر آ جائے۔ نانا رائے اور ٹھاکر صاحب صدر دروازے کے پاس حویلی کے اندر کھڑے تھے۔ میجر جیسے ان کی طرف آیا تو صدر دروازہ کھلا اور سری رام بابا حویلی میں داخل ہوا۔ اس کے کپڑے بارش سے شرابور ہو رہے تھے اس نے ایک ہاتھ سے اپنا بایاں کندھا دبا رکھا تھا۔ جو لہولہان تھا۔ سری رام بابا کراہتا ہوا اندر آیا تو ٹھاکر صاحب نے اس کی حالت دیکھ کر پوچھا۔

"سری رام بابا کیا ہوا؟"

"مالک آج تو بال بال بچ گیا۔" سری رام بابا نے کہا۔

"ہوا کیا؟"

"سرکار آپ کو کھانا کھلا کر میں ذرا جنگل پانی کے لیے نکل گیا تھا۔ میں جوہڑ میں ہاتھ دھو رہا تھا کہ برکھا ہونے لگی۔ میں ایک پیڑ کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک موٹر آئی اور اس جگہ سے تھوڑی دور کے فاصلے پر رک گئی۔ جہاں میں پیڑ کے نیچے کھڑا تھا۔ اس موٹر میں سے ایک آدمی نکلا۔ جس نے زرہ بکتر پہن رکھی تھی۔ وہ ہماری حویلی کی طرف چل پڑا۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے ایک درخت پر چڑھنے کے بعد اس کمرے کی کھڑکی کھولی جس میں بڑا صندوق پڑا رہتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ چوری کرنے آیا ہے۔ میں بہت خوش تھا کہ آج میں اسے پکڑ لوں گا میں گھبرایا نہیں مالک کیونکہ میں نے اپنے بال دھوپ میں نہیں پکائے ہیں۔ میری عقل ٹھکانے تھی۔ میں نے سوچا کہ اس آدمی کی موٹر کے پاس جا کر اس کا انتظار کرنا چاہیے آخر وہ مال چرا کر موٹر کے پاس ہی تو آئے گا۔ میں اس کی موٹر کے پاس ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ میں نے دو چار پتھر اپنے پاس رکھ لیے کہ آتے ہی اس کا سر پھوڑ ڈالوں گا۔

دس منٹ گزرے ہوں گے کہ میں نے گولی چلنے کی آواز سنی اب تو میری سٹی گم ہو گئی کہ اس آدمی کے پاس تو پستول تھا یا بندوق تھی۔ میں جلدی سنبھل گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کے پاس بندوق یا پستول ہے تو پھر کیا ہوا۔ میں تو اس پر اچانک چھپ کر وار کروں گا اور اسے بندوق یا پستول چلانے کا موقع ہی نہیں دوں گا۔ میں اپنا سانس روک کر

بیٹھا رہا اور جب وہ میری جھاڑی کے قریب سے گزرا تو میں نے تھوڑا سا اچک کر پتھر پھینکا۔ میرا نشانہ چوک گیا اور میں گھبرا گیا لیکن میں جھاڑی میں دبکا بیٹھا رہا۔

وہ شخص بھی شاید گھبرا گیا تھا۔

اس نے مجھے جھاڑی میں ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی اور اپنی کار کی طرف دوڑا۔ وہ الٹا دوڑ رہا تھا اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ کار کے نزدیک پہنچ کر اس نے تیزی سے کار کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کر دیا وہ دیکھتے ہی دیکھتے تو دو گیارہ ہو گیا۔

"اس نے تم پر گولی نہیں چلائی؟" میجر نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ شاید دوبارہ گولی چلا کر آپ لوگوں کو خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا۔" سری رام بابا نے کہا۔

"کیا تم نے اس کی کار کا نمبر دیکھا؟" میجر نے ایک اور سوال کیا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی کار کا نمبر اُتار کر آیا تھا۔"

میجر نے کوئی اور سوال نہ کیا اور پورنا سے مخاطب ہوا جو سری رام کی بات سننے کے لیے باہر چلی آئی تھی۔ "دیکھو پورنا میرے بیگ میں مرہم پٹی کا سارا سامان پڑا ہوا ہے سری رام بابا کا زخم دھو دو۔"

اس خیال کے آتے ہی میجر کو اپنی بیوقوفی پر غصہ آ گیا۔ اس نے سری رام بابا سے یہ تو پوچھا ہی نہیں تھا کہ اس کا بایاں کندھا زخمی کیوں ہو گیا تھا۔ میجر نے سری رام بابا کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "اگر اس نے تم پر گولی نہیں چلائی تو کیا تلوار سے تم پر وار کیا تھا۔ تمھارا کندھا کیسے زخمی ہو گیا۔"

"حضور! میں کچھ نہیں جانتا۔ میں جھاڑی میں بیٹھا تھا کہ کوئی چیز میرے بائیں کندھے سے رگڑ کھاتی ہوئی گزر گئی۔ گرم گرم سی چیز تھی مجھے کندھے پر جلن سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے اندھیرے میں اس جگہ ہاتھ لگا کر دیکھا تو میرا ہاتھ بھیگ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ میرا ہاتھ گرم گرم لہو سے بھر گیا ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے کار میں بیٹھ کر اپنے پستول پر سائیلنسر لگایا اور گولی چلائی۔ یہی وجہ ہے کہ سری رام بابا گولی چلنے کی آواز نہ سن سکا۔" میجر سنگرام نے کہا۔

اس کے بعد وہ صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ چونکہ پردیپ ہر دو منٹ کے بعد ہارن بجائے چلا جا رہا تھا۔

پورنا سری رام بابا کو ساتھ لے گئی۔

میجر سنگرام کار میں جا بیٹھا اور اس نے کہا۔ ''تم کار سڑک پر لے چلو پردیپ! میں تمہیں راستہ بتاتا جاؤں گا۔ کار کی اندرونی بتیاں گل کر دو۔''

جب پردیپ نے کار کی اندرونی بتیاں بجھا دیں تو میجر نے پوچھا۔

''تم نے بلٹ پروف جیکٹ پہن رکھی ہے؟''

''جی ہاں۔''

''خوب پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی گردن کو کار کی باڈی کی اوٹ میں رکھنا۔'' میجر نے ہدایت دی۔

''کیا راستے میں بھی کوئی خطرہ ہو سکتا ہے؟''

''خطرہ نہ بھی ہو تو ہمیں چوکس رہنا چاہیے۔''

سڑک بارش کی وجہ سے بہت بھیگی ہوئی تھی۔ پردیپ کو بڑی احتیاط کے ساتھ آہستہ آہستہ کار چلانا پڑی۔

اب ان کی کار اس سڑک پر جا رہی تھی جو یوگیتا ملہوترا کے بنگلے کی طرف جاتی تھی انھوں نے خاموشی سے نصف راستہ طے کر لیا۔

اچانک میجر اندھیرے اور خاموشی میں غور سے کچھ سننے لگا۔ اس نے پیچھے سے پردیپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔ ''پردیپ کار ذرا روک لو۔ انجن کی آواز میں صاف سنائی نہیں دیتا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا چلا جا رہا ہو۔''

پردیپ نے کار روک دی۔ اس نے بھی کچھ سننے کی کوشش کی۔

''ہاں...... آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔ کوئی گھوڑا سوار ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ادھر ہی آ رہا ہے۔ کیونکہ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز بلند تر ہوتی جا رہی ہے۔''

''تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔ گھوڑا سوار ادھر ہی آ رہا ہے۔'' میجر نے کہا۔ ''ایسی تاریک اور طوفانی رات میں یہ کون نکلا ہے جو گھوڑے پر سوار ہے اور اسے سرپٹ دوڑا رہا ہے

اس خوفناک تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔ وہ راستہ کیسے ٹٹول رہا ہے؟''

دور ایک شعلہ سا فروزاں ہوا اور پھر فوراً ہی بجھ گیا۔

''میں سمجھتا ہوں گھوڑ سوار کے پاس ٹارچ ہے۔'' پردیپ بولا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن ٹارچ مسلسل نہیں جل رہی ہے۔ گھوڑ سوار اسے جلاتا ہے اور بجھا دیتا ہے اس کا بھلا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟'' میجر نے سوال کیا اور پھر خود ہی اس کا جواب دیا۔

''اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ گھوڑا سوار ٹارچ مسلسل نہ جلانے سے اپنے آپ کو چھپانا چاہتا ہے اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ گھوڑا سوار اپنے راستے سے بخوبی واقف ہے۔''

چند منٹ کے بعد گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔ میجر نے جلدی سے پردیپ سے کہا۔ ''پردیپ جب یہ گھوڑ سوار کار کے پاس سے گزرے تو ٹارچ جلا کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنا۔''

پردیپ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں بھی اسے دیکھنے کی کوشش کروں گا لیکن وہ اتنی تیزی سے آ رہا ہے کہ وہ چشم زدن میں ہمارے قریب سے گزر جائے گا۔''

دونوں اپنی اپنی ٹارچ ہاتھ میں لیے ہو گھوڑ سوار کا انتظار کرنے لگے۔

چند منٹ کے بعد گہری تاریکی میں ایک ہیولا دکھائی دیا گھوڑا واقعی ہوا سے باتیں کرتا ہوا آ رہا تھا جب گھوڑا سوار عین کار کے پاس آ گیا تو میجر اور پردیپ نے بیک وقت اپنی اپنی ٹارچ کی روشنی اس پر پھینکی۔ دونوں حیران رہ گئے وہ گھوڑا سوار برقعہ پوش تھا۔ اس کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا۔ انھیں اس کے بوٹ تک نظر نہیں آئے تھے اور وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کار کے قریب سے گزر گیا تھا۔

''تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟'' میجر نے کہا۔ ''میرا مطلب ہے کہ گھوڑے پر کوئی مرد سوار تھا یا عورت؟''

''کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''کیا تم نے کچھ اور بھی دیکھا؟''

"میں صرف اتنا ہی دیکھ پایا ہوں کہ اس برقعے میں رائفل جیسی لمبی کوئی چیز تھی۔"

میجر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے کار کی نشست کے اوپر کار کے شیشے میں سے ٹارچ کی روشنی پھینک کر دیکھنے کی کوشش کی اسے کچھ نظر نہ آیا۔ عین اسی وقت کار کے عقبی شیشے کے ٹوٹنے کی آواز آئی ایک چیز میجر کے سینے سے ٹکرائی اور کار کی پچھلی سیٹ پر گر پڑی۔ میجر نے اسے ہاتھ میں اٹھایا۔ وہ گولی تھی۔

"گولی۔" میجر کے منہ سے نکلا۔ "گھوڑا سوار نے ہم پر گولی چلائی۔ یہ تو خیریت ہوئی کہ ہم احتیاطاً گھر سے بلٹ پروف جیکٹ پہن کر نکلے تھے۔ ورنہ وہ تو اپنا کام کر گیا تھا۔ پردیپ کار موڑو۔ اس گھوڑا سوار کا پیچھا کرو۔" میجر نے حکم دیا۔

پردیپ نے تیزی سے کار موڑی اور کار کو گھوڑ سوار کے پیچھے سڑک پر ڈال دیا اس نے کار کی رفتار تیز کر دی۔ گھوڑ سوار کافی دور نکل گیا تھا اس کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بہت دھیمی دھیمی سنائی دے رہی تھی۔

دس منٹ کے بعد گھوڑے کی ٹاپوں کی دھیمی آواز بلند ہو گئی۔ "ہم اس کے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔" میجر نے کہا۔ "کار کی رفتار اور تیز کر دو گھوڑ سوار ابھی کار کی بتیوں کی روشنی کی زد میں نہیں آیا۔"

"وہ کار کی روشنی کی زد میں آ جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس پر گولی چلا دینی چاہیے۔" پردیپ نے مشورہ دیا۔

"ہم کوئی ایسی بے وقوفی نہیں کریں گے۔" میجر نے کہا۔ "ممکن ہو سکا تو گھوڑے کی ٹانگ پر گولی چلائیں گے۔"

"آپ بھول رہے ہیں کہ گھوڑ سوار کے پاس بندوق یا ریوالور بھی ہے وہ ہمارا مقابلہ کرے گا۔" پردیپ نے کہا۔

"تو کیا تم مقابلے سے ڈرتے ہو۔ وہ مقابلہ کرے گا تو بیوقوفی کا ثبوت دے گا۔"

دس منٹ کے بعد گھوڑ سوار کار کی بتیوں کی روشنی کی زد میں آ گیا۔ میجر نے فاصلہ دیکھ کر ریوالور کی لبلبی دبائی اور گولی چلا دی۔ اس نے کار کی کھڑکی میں سے اپنا منہ باہر نکال رکھا تھا۔ گولی چلانے کے فوراً بعد اس نے اپنا منہ اندر کر لیا۔ اس نے ایک شعلہ سا چمکتا ہوا دیکھا۔ کوئی چیز سنسناتی ہوئی اس کی کار کے قریب سے گزر گئی۔ میجر نے شاید کار اور گھوڑ سوار کے

درمیانی فاصلے کا غلط اندازہ لگایا تھا کیونکہ گولی گھوڑے کے نہیں لگی تھی۔ اس کے ٹاپوں کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی اور کار کی روشنی میں اس کی دم لہراتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"دشمن کے پاس بھی ریوالور ہے۔ جس پر سائیلنسر لگا ہوا ہے۔" میجر نے کہا۔

"میں تو اب بھی یہی مشورہ دوں گا کہ گھوڑے پر نہیں اس پر گولی چلانی چاہیے۔ اب ہمیں یہ یقین تو ہو چکا ہے کہ گھوڑ سوار ہمارا کوئی دشمن ہے۔ وہ ہمیں جانتا ہے ورنہ ہم پر گولی کیوں چلاتا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو کہ گھوڑ سوار ہمارا کوئی دشمن ہے، لیکن میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پایا ہوں کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ تم کار کی رفتار ذرا اور تیز کر دو۔"

پردیپ نے کار کی رفتار اور تیز کر دی اب گھوڑ سوار کار کی روشنی میں صاف دکھائی دینے لگا اس کی صرف پیٹھ نظر آ رہی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اب میرا وار خالی نہیں جائے گا۔" میجر نے کہا اور کار کی کھڑکی میں سے منہ نکال کر گھوڑے پر دوبارہ گولی چلائی۔ دوسرے ہی لمحے گھوڑا لڑکھڑایا اور گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا سوار بھی زمین آ رہا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر سڑک سے ہٹ کر تاریکی کی طرف دوڑا۔ اتنے میں میجر کی کار بھی گھوڑے کے قریب پہنچ گئی جو تڑپ رہا تھا۔ پردیپ بے تحاشا اس طرف اندھیرے میں گولیاں چلانے لگا جس طرف گھوڑ سوار دوڑتا ہوا گیا تھا۔

"یہ کیا حماقت کر رہے ہو پردیپ؟" میجر نے کار میں سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ اتنے میں ایک گولی میجر کے سینے سے پھر ٹکرائی اور سڑک پر گر پڑی۔ میجر نے ٹارچ کی روشنی اس طرف پھینکی۔ جس طرف سے گولی آئی تھی وہاں کوئی نہیں تھا۔ پردیپ نے گولیاں چلانی بند کر دی تھیں۔

"باہر نکلو۔" میجر نے حکم دیا ہمیں اس کا تعاقب کرنا ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ اس کے ریوالور کی گولیاں ختم ہو چکی ہوں۔ ورنہ اس وقت وہ مجھ پر ایک ہی گولی کیوں چلاتا۔"

پردیپ باہر آ گیا تو میجر نے اس سمت دوڑنا شروع کر دیا۔ جدھر حملہ آور گم ہو گیا تھا وہ کافی دور نکل گئے مگر گھوڑ سوار کہیں ان کو نظر نہ آیا۔

"آؤ واپس چلیں اس کا پیچھا کرنا بے سود ہے۔ ادھر بھی شاید کوئی سرنگ ہے۔ وہ اس سرنگ میں داخل ہو گیا ہوگا۔" میجر نے کہا۔

دونوں اپنی کار کے پاس واپس آ گئے۔ گھوڑا ابھی تک تڑپ رہا تھا اس کی بائیں ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ جس سے خون بہہ رہا تھا۔ میجر نے ریوالور تان کر پھر گولی چلا دی۔ اس دفعہ اس نے گھوڑے کے سر کا نشانہ لگایا۔ گھوڑا ایک لمحے کے لیے تڑپا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" پردیپ نے پوچھا۔

"گھوڑا اب ناکارہ ہو چکا تھا۔ میں اسے تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔" اس کے بعد ٹارچ کی روشنی میں میجر گھوڑے کو غور سے دیکھنے لگا۔ جس کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ انترا کا گھوڑا ہے۔" میجر نے کہا۔

میجر نے کہا۔ "اس کا رنگ سرخی مائل بھورا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ انترا کا گھوڑا ہے۔ چلو پردیپ ہمیں فوراً یوگیتا کے ہاں پہنچنا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ گھوڑ سوار وہیں سے واپس آ رہا تھا۔"

جب کار یوگیتا کے بنگلہ پر پہنچی تو اس کے بنگلے کی تمام بتیاں روشن تھیں اور کچھ لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ وہ اس گھر کے ملازم معلوم ہوتے تھے۔"

"یہاں بھگدڑ کیوں مچی ہوئی ہے۔" پردیپ نے پوچھا۔

"ایسا لگتا ہے کہ یہاں کوئی ہولناک واقعہ ظہور میں آیا ہے۔" میجر نے کہا۔

کار کو نزدیک آتا ہوا دیکھ کر کچھ لوگ رک گئے اور پھر میجر نے دیکھا کہ یوگیتا کار کی آواز سن کر باہر نکلی۔ وہ حواس باختہ نظر آ رہی تھی کار کی بتیوں کی روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ واقعی پریشان تھی۔ میجر نے کار اس کے قریب جا کر روک دی۔ تو یوگیتا کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے مسرت کی چمک پیدا ہوئی اور دوسرے ہی لمحے وہ چمک غائب ہو گئی۔

یوگیتا نے کپکپاتے ہونٹوں سے کوئی بات کہنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کا گلا رندھ گیا اور وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

میجر نے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "یہاں کوئی ہولناک بات ہوئی ہے؟"

یوگیتا نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس کے منہ سے ابھی تک بات نہیں نکل رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" میجر نے دوبارہ پوچھا۔ "ہمیں وہاں دیر ہو گئی ٹھاکر صاحب کے گھر چور آیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے بچا ہوں میری جگہ کوئی اور ہوتا تو حملہ آور کی گولی نے اس کا کام تمام کر دیا ہوتا۔"

میجر نے اسے اس گھوڑ سوار والی بات نہ بتائی۔

یوگیتا اس بات پر اپنا غم بھول گئی۔ اس کی آواز لوٹ آئی۔ اس نے سراسیمہ ہو کر پوچھا۔ "ٹھاکر صاحب .... تو ......؟"

"ہاں وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ میں کیا آج سری رام بابا بھی بال بال بچ گئے حملہ آور نے اس پر بھی گولی چلائی۔"

"سری رام بابا پر اس بے چارے نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟"

"دراصل اب دشمن بوکھلا گیا ہے۔ اب وہ اندھا دھند وار کر رہا ہے۔ حویلی میں یہ دو واقعات ہوئے تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ مجھے یہ گمان گزرا کہ قاتل حویلی میں ناکام ہونے کے بعد کہیں آپ کے ہاں ہلہ نہ بول دے۔ میں ابھی کا یہاں پہنچ گیا ہوتا لیکن ٹھیک وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے سری رام بابا پر حملے کا پتہ چلا ہم اسی لیے یہاں دیر سے پہنچے ہیں۔ آپ کی صورت سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں بھی خیریت نہیں ہے۔"

"میرے پتا پر سوتے میں کسی نے گولی چلائی ہے دراصل آج کوئی مجھے ہلاک کرنے کے لیے آیا تھا۔ وہ تو ایسا ہوا کہ میرے پتا میرے کمرے میں کام کر رہے تھے کام کرتے کرتے وہیں سو گئے۔ میں نے ان کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور میں ان کے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی۔ جو کوئی بھی آیا اس نے یہ سمجھ کر گولی چلائی کہ میں اپنے کمرے میں سوئی ہوئی ہوں۔ میں اپنے پتا جی کو اپنے کمرے میں سویا ہوا دیکھ کر اپنے کمرے کی بتی بجھا آئی تھی۔"

"آپ کے پتا......" میجر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"گولی ان کے بازو پر لگی ہے۔ اتفاق سے ڈاکٹر پرکاش ہمارے پڑوس ہی میں رہتے ہیں۔ انھوں نے بازو میں گولی تو نکال لی ہے۔ لیکن میرے پتا جی بے ہوش پڑے ہیں۔ شاید ان کے دماغ کو گہرا صدمہ .... پہنچا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

میجر خاموش ہو گیا اور پھر پردیپ سے مخاطب ہوا۔

"پردیپ تم ٹارچ لے کر اس بنگلے کے آس پاس موٹر کے ٹائروں، گھوڑے کی ٹاپوں اور حملہ آور کے پیروں کے نشانات ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔"

پردیپ موٹر میں سے نکل کر بنگلے کے پیچھے چلا گیا۔

یوگیتا نے ڈاکٹر پرکاش سے میجر سنگرام کا تعارف کرایا۔ میجر نے پلنگ کی طرف دیکھا اس پر پچاس برس کی عمر کا ایک قبول صورت شخص آنکھیں بند کیے ہوئے پڑا تھا۔ جب ڈاکٹر نے یہ اطمینان دلا دیا کہ یوگیتا کے پتا کی حالت خطرے سے باہر ہے تو وہ بھی بنگلے کے پیچھے چلا گیا۔ جہاں پردیپ دشمن کے پیروں کے نشانات ڈھونڈنے میں لگا ہوا تھا۔

"کچھ نظر آیا؟" میجر نے قریب جا کر پوچھا۔

"مجھے تو ایک بھی نشان نظر نہیں آیا۔ نہ کار کا نہ گھوڑے کی ٹاپ کا نہ کسی کے پاؤں کا۔"

"خوب" میجر مسکرایا۔ "دشمن ضرورت سے زیادہ محتاط ہے وہ اپنا گھوڑا دور کسی درخت سے باندھ کر آیا تھا۔"

میجر نے بنگلے کے اندر جا کر یوگیتا سے پوچھا کہ اس نے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز تو نہیں سنی تھی۔

یوگیتا نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کے خیال میں گولی چلانے والا گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا؟"

"نہیں میں نے یونہی پوچھا تھا۔" میجر نے پھر گھوڑ سوار والی بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

تھوڑی دیر کے بعد میجر، پردیپ کو یوگیتا اور اس کے پتا جی کی نگرانی کے لیے وہاں چھوڑ کر چلا آیا۔

ٹھاکر صاحب اس کے منتظر تھے۔ میجر صاحب نے جب ان کو یوگیتا کے ہاں گزرنے والے واقعہ کے بارے میں بتایا تو ٹھاکر صاحب اور بھی اداس ہو گئے۔ ان کی آنکھوں کا رنگ ہی بدل گیا۔ انھوں نے بڑی افسردگی سے کہا۔

"میں نے آپ کو یہاں آنے کی خواہ مخواہ دعوت دی۔ میں مر جاتا تو اچھا تھا بے چاری یوگیتا پر تو کوئی آفت نہ آتی۔"

"میں آپ کے خیال سے اتفاق نہیں کرتا۔" میجر نے کہا۔ "آپ نے بہت اچھا کیا

کہ ہمیں یہاں بلا لیا۔ اب میری منزل قریب آ چکی ہے تو آپ گھبرا رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب قاتل ہمارے ہاتھ آنے ہی والا ہے۔"

میجر نے ٹھاکر صاحب کو بھی گھوڑ سوار کے قصے سے آگاہ نہ کیا۔

"اب تو میں آپ کی طرف سے مایوس ہوا جاتا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں بندوق ہاتھ میں لے کر باہر نکل جاؤں اور قاتلوں کو بھی اپنا کام کرنے دوں جو ہوتا ہے ایک بار ہو جائے۔"

"آپ خواہ مخواہ اس قدر بوکھلائے جا رہے ہیں۔ جائیے آرام کیجئے۔" میجر نے پوچھا۔ "ٹھاکر صاحب آپ یہ تو بتائیے کہ اپسرا کے گھوڑے کا رنگ کیسا ہے؟"

"سرخی مائل بھورا" ٹھاکر صاحب نے جواب دیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"نہیں میں نے تو یونہی پوچھا تھا۔" میجر بولا۔ وہ جی ہی میں خوش تھا کہ اس کا قیاس غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔

پردیپ اگلے روز صبح گیارہ بجے ٹھاکر ویر سنگھ کی موٹر میں یوگیتا کے ہاں سے واپس آ گیا۔ اس نے آ کر بتایا کہ یوگیتا کے پتا پر ہوش آ چکا ہے اور اب وہ بالکل ٹھیک ہیں۔"

ٹھاکر صاحب نے ضد کی کہ وہ یوگیتا کے پتا جی کی مزاج پرسی کے لیے ضرور جائیں گے لیکن میجر نے ان کو جانے نہ دیا۔ میجر نے ان سے ایک دن کی مہلت مانگی۔ ٹھاکر صاحب بڑی مشکل سے راضی ہوئے اور انھوں نے یہ الٹی میٹم دے دیا کہ وہ صرف ایک دن کی قید تنہائی کاٹیں گے اس کے بعد اپنی من مانی کریں گے۔

میجر رات بھر اپنے دماغ میں کئی منصوبے باندھتا رہا تھا اسے قاتل کو منظر عام پر لانے کی ایک بہت اچھی ترکیب سوجھی تھی۔ سب سے پہلے اس نے پردیپ سنگھ کو نیوریشن اسٹور اس بہانے سے بھیجا کہ وہ جا کر وہاں سے بیئر لائے اور یہ دیکھے کہ کوئی گھوڑا اس کے پچھواڑے بندھا ہوا ہے یا نہیں۔

پردیپ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد واپس آیا تو اس نے انکشاف کیا۔ "نیوریشن اسٹور کے پیچھے ایک درخت سے سرخی مائل بھورا گھوڑا بندھا ہوا ہے۔"

پردیپ کے اس انکشاف پر میجر بہت سٹپٹایا۔ یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا کل رات جس گھوڑے کو گولی مار کر اس نے ہلاک کیا تھا۔ زندہ ہو کر واپس اپنے مالک کے پاس چلا گیا تھا؟

یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہیں اسے غلط فہمی تو نہیں ہوئی۔ کل رات جس گھوڑے کو ہلاک کیا گیا تھا۔ کہیں وہ کسی اور شخص کا تو نہیں تھا مگر وہ شخص کون تھا اس نے ان پر گولی کیوں چلائی تھی؟ میجر کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔

بالآخر تھک ہار کر اس نے پوچھا۔ ''پردیپ آج صبح جب تم یوگیتا کے ہاں سے واپس آئے تھے تو کیا تم نے اس گھوڑے کو سڑک پر پڑا ہوا دیکھا تھا؟''

''نہیں۔'' پردیپ نے جواب دیا۔ ''اسے وہاں سے ہٹا دیا ہوگا۔''

''یہ ممکن نہیں ہے یہاں کوئی میونسپلٹی نہیں۔ مرے ہوئے جانور کو اس قدر تیزی سے کیونکر اٹھایا گیا۔'' میجر نے کہا اور پھر اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''چلو پردیپ میری موٹر نکال لاؤ۔ ہمیں فوراً اس جگہ چلنا ہے جہاں ہم کل گھوڑے کی لاش چھوڑ کر آئے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد دونوں جائے مطلوبہ پر پہنچ گئے تھے واقعی گھوڑا وہاں نہیں تھا۔ سڑک پر اس کے خون کا کوئی دھبہ بھی موجود نہیں تھا میجر کی سٹی گم ہو گئی۔

''کیا اس دفعہ اس کا پالا بھوتوں سے پڑا ہے؟ گھوڑے کو زمین تو کھا نہیں سکتی تھی۔ فرض کرلو کہ گھوڑے کی لاش کو اگر گاؤں کی پنچایت نے اٹھوا دیا تھا تو خون کس نے صاف کیا؟

میجر ہزاروں اقسام کے خیالات میں کھو گیا۔

''پردیپ یہ تو ٹھیک ہے کہ گھوڑا یہاں نہیں ہے لیکن اس کے خون کے دھبے کیوں نہیں ہیں؟''

''خون کے دھبے آنے والی موٹروں کی وجہ سے مٹ گئے ہوں گے۔''

''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' میجر نے کہا۔ دفعتاً ایک خیال بجلی کے ایک کوندے کی طرح اس کے دماغ میں آیا۔ ''پردیپ تمھیں یاد ہوگا کہ کل رات گھوڑ سوار کس طرف اندھیرے میں دوڑا تھا؟''

''اس طرف؟'' پردیپ نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک اور وہ غائب ہو گیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہاں نزدیک ہی کسی سرنگ میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ آؤ چلیں اور اس راستے کو تلاش کریں۔''

''آدھا گھنٹے کی دوڑ دھوپ کے بعد سرنگ کا راستہ مل گیا۔ دونوں اس سرنگ میں داخل ہوئے جس میں کافی اندھیرا تھا اچانک پردیپ کا پاؤں اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکرایا۔

پردیپ نے سراسیمگی کے عالم میں اس چیز کو ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا اور فوراً پیچھے ہٹ گیا اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

''کیوں کیا ہے؟'' میجر نے پوچھا۔ جو پردیپ کے پیچھے تھا۔

''گھوڑے کی لاش۔'' پردیپ کے منہ سے نکلا۔

''کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟''

''ہاں۔''

''تو آؤ...... واپس چلیں معمہ حل ہو گیا'' میجر نے کہا اور دونوں سرنگ سے باہر آ گئے۔

''کیسا معمہ؟'' پردیپ نے باہر آتے ہی پوچھا۔

''گھوڑے کا معمہ۔'' میجر نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''گھوڑ سوار ہماری گرفت سے بچنے کے لیے سرنگ میں داخل ہوا۔ مگر وہاں کھڑا رہا جب اس کو یہ اطمینان ہو گیا کہ ہم واپس جا چکے ہیں تو وہ سرنگ سے باہر نکلا۔ گھوڑے کی لاش کو کسی طرح یہاں لایا...... لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گھوڑے کی لاش کو سرنگ تک اکیلا آدمی ہرگز نہیں لا سکتا تھا۔ سڑک سے یہ سرنگ کم از کم ایک فرلانگ دور ہے۔ ایک آدمی کے لیے گھوڑے کی لاش کو یہاں تک گھسیٹ کر لانا ناممکن ہے۔''

''اس نے کسی راہ گیر کی مدد حاصل کی ہوگی۔ کسی غریب دیہاتی کو ہو سکتا ہے کہ اس نے اس شخص کو تھوڑے سے پیسے بھی دے دیے ہوں۔''

میجر سوچنے لگا پردیپ کی بات قرین قیاس معلوم ہوتی تھی۔

''تمھاری بات مان لی جائے تو ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے ہو بہو ویسا ہی دوسرا گھوڑا انترا کے پاس آج کیسے آ گیا؟'' میجر نے کہا۔

''یہ کیا ضروری ہے کہ کل رات انترا ہی گھوڑے پر سوار جا رہی ہو یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی کے پاس انترا جیسا گھوڑا ہو!''

''نہیں۔'' میجر نے کہا جو فوراً ہی سارے معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔ ''میں سمجھ گیا ہوں کہ اصل راز کیا ہے؟ قاتل نے توہم پرستی کو تقویت دینے کے لیے ایک چال چلی ہے۔ انترا اور اس کے بھائی نودیشن کو یہاں آئے ہوئے پورے پانچ مہینے کا عرصہ ہوا ہے۔ انترا

گھوڑا تو ساتھ لائی نہیں ہوگی انھوں نے گھوڑا آس پاس کے گاؤں سے خریدا ہوگا جس کسی نے ان کے ہاتھ گھوڑا فروخت کیا ہوگا۔ عین ممکن ہے اس کے پاس جڑواں گھوڑے ہوں۔ ایک اس نے بیچ دیا اور ایک اس نے اپنے پاس رکھ لیا۔

آج نیوریشن اور انترا زیادہ رقم دے کر اس گھوڑے کا جڑواں بھائی خرید لائے ہوں گے۔ اس طرح انھوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی کہ کل رات ان دونوں میں سے کوئی گھوڑے پر سوار نہیں تھا۔ ان میں سے کسی ایک نے یوگیتا کے ہاں حملہ کیا تھا اور ہم پر گولی بھی چلائی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کو بھی شک نہ ہوا کہ ان کا گھوڑا مر گیا تھا۔ یا ہلاک ہو چکا تھا تم وہاں گھوڑا بندھا ہوا دیکھ کر آئے؟ بہن بھائی خوش ہوئے ہوں گے کہ گھوڑے کو موجود پا کر ہم چکرا رہے ہوں گے اور ان کو بے گناہ سمجھ رہے ہوں گے۔'' میجر سانس لینے کے لیے رکا۔

پردیپ میجر کی دور رس نگاہوں کی دل ہی دل میں تعریف کرنے لگا۔

''آپ کی بات تو جی کو لگتی ہے لیکن ان کو مجرم یا قصوروار ثابت کرنا بہت دشوار ہوگا۔''

''میں آج ان کے لیے ایک نیا جال بچھانا چاہتا ہوں۔''

''نیا جال؟''

''ہاں۔ اور تمھیں بڑی ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔'' میجر نے کہا۔

''وہ نیا جال کیا ہے؟'' پردیپ نے پوچھا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ دشمن کو ابھی تک یہ غلط فہمی ہوگی کہ وہ یوگیتا کو ٹھکانے لگا چکا ہے اسے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ یوگیتا ابھی زندہ ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا ہوگا کہ اس نے یوگیتا پر نہیں اس کے پتا پر گولی چلائی تھی۔ میں سب سے پہلے تو اس کو یہ دکھا کر کہ یوگیتا زندہ ہے۔ اسے اچنبھے میں ڈال دینا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد میں تمھیں یہ بتاؤں گا کہ میرا اپنا نیا جال کیا ہے اور تمھیں کیا کچھ کرنا ہوگا میں یوگیتا کے ہاں جا رہا ہوں اسے اپنے ساتھ نیوریشن اسٹور لے جاؤں گا۔ وہاں سے یوگیتا کو حویلی میں لاؤں گا۔ تم وہیں میرے منتظر رہنا۔ فی الحال ٹھاکر صاحب کو گھوڑے کا قصہ ہرگز نہ سنانا انتہائی رازداری سے کام لینا۔''

☆☆☆

ایک گھنٹے کے بعد جب میجر نے یوگیتا کے ساتھ نیوریشن اسٹور میں قدم رکھا تو اس وقت نیوریشن اور انترا الماریوں میں کچھ نئی چیزیں سجا رہے تھے۔ بہن بھائی نے یوگیتا کو دیکھا تو ایک لمحے کے لیے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

لیکن انھوں نے فوراً ہی اپنی حیرت کو دبا دیا۔ میجر کے لیے ان کی پل بھر کی حیرت بڑی معنی خیز تھی اس کا مقصد حل ہو گیا۔ میجر نے ڈبوں میں بند پھل خریدے اور دام ادا کرنے کے بعد اسٹور سے باہر نکلتے ہوئے یوگیتا سے کہا۔

''آپ کو حویلی تک چلنا ہوگا۔ وہاں سے آپ کو شام ہونے سے پہلے گھر نہیں آنے دیا جائے گا۔'' میجر نے جان بوجھ کر یہ بات ذرا بلند آواز میں کہی تھی۔ تاکہ دونوں بہن بھائی اسے اچھی طرح سن لیں۔ میجر نے جب اپنی کار کی طرف قدم بڑھائے تو اس نے واقعی کل رات کے گھوڑے سے ملتا جلتا سرخی مائل بھورے رنگ کا گھوڑا اسٹور کے پیچھے درخت سے بندھا ہوا دیکھا۔ میجر اس کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔

''یہ گھوڑا تاج محل تو نہیں کہ آپ اس کی طرف حیرانی سے دیکھ رہے ہیں۔'' اور وہ یہ کہہ کر ہنسنے لگی۔ آج وہ بہت خوش تھی کیونکہ اس کے پتا ایک بھاری خطرے سے دوچار ہونے کے بعد زود بصحت تھے۔

''بعض اوقات آدمی کی نظر میں اتنا رنگ بھر جاتا ہے کہ اسے معمولی سی چیز میں بھی ایک دنیا نظر آتی ہے۔'' یہ کہہ کر میجر سنگرام موٹر میں جا بیٹھا۔

اس نے یوگیتا کو اپنے ساتھ آگے بٹھایا اور موڑ گھما کر حویلی جانے والی سڑک پر ڈال دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا کہ نیوریشن اور انترا اسٹور کی کھڑکی میں کھڑے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ٹھاکر ویر سنگھ نے میجر کے ساتھ یوگیتا کو دیکھا تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔ انھوں نے

یوگیتا سے اس کے پتا کی حالت پوچھی۔ یوگیتا کی جانب سے اطمینان بخش جواب ملا اور پھر انھوں نے یوگیتا کو مبارک باد دی۔

جب وہ دونوں آپس میں بہت باتیں کر چکے تو میجر نے یوگیتا سے کہا۔ ''آج آپ کو شام کے ایک تجربے کے بعد واپس گھر جانے دیا جائے گا۔ میں خود آپ کو چھوڑ کر آ ؤں گا۔''

''کیا وہ تجربہ مجھ پر کیا جائے گا؟'' یوگیتا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس تجربے میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ ویسے ہم تمہیں کوئی اور آپ پر اپنا خوف ناک تجربہ کریں گے لیکن اس تجربے کے وقت آپ وہاں نہیں ہوں گی آپ کی جگہ میرا اسسٹنٹ پردیپ ہوگا اور تجربہ کرنے والا یہی سمجھے گا کہ وہ آپ پر تجربہ کر رہا ہے۔''

''آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''میں ابھی سمجھانے کی کوشش کروں گا ذرا پورنا اور پردیپ کو بلا لاؤں۔'' میجر یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

میجر نے اپنے ساتھیوں کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو میجر نے یوگیتا سے کہا۔ ''مجھے یہ کپڑے چاہئیں جو آپ نے پہن رکھے ہیں۔''

یوگیتا میجر کی اس بات پر چکرا گئی۔ ٹھاکر صاحب نے خشم آلود نگاہوں سے میجر کی طرف دیکھا۔

میجر نے ٹھاکر صاحب اور یوگیتا کی اس کیفیت پر ایک لمحے کے لیے لطف اٹھایا اور پھر کہا۔

''پورنا آپ کو اپنی ساری اور بلاؤز دے دے گی۔ مجھے آپ کے کپڑے ایک خاص مقصد کے لیے چاہئیں۔ آپ کے کپڑے میرا اسسٹنٹ پردیپ پہنے گا۔ میں اس کو ایسا میک اپ کردوں گا کہ شام کے جھٹپٹے میں اگر کوئی اسے دیکھے تو آپ کا گمان کرے گا۔ میں شام کو پردیپ کے ساتھ جس نے آپ کا بھیس بدلا ہوا ہوگا۔ آپ کے گھر جاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ ہمیں ایک حادثہ پیش آئے گا جو شاید کسی کے قاتل ہونے کا ثبوت مہیا کردے گا۔''

''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قاتل پردیپ کو یوگیتا دیوی سمجھ کر اس پر حملہ کردے گا؟'' نانارائے نے کہا۔

''ہاں میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ بہر حال یہ ایک تجربہ ہے جو ناکام بھی ہوسکتا ہے

اور کامیاب بھی۔''

شام کو جب میجر کی موٹر حویلی سے باہر نکلی تو اگلی نشست پر ایک دوشیزہ بیٹھی تھی۔ جس کی شکل ہو بہو یوگیتا سے ملتی تھی۔ لمبی لمبی پلکیں، خمدار ابرو، بیضوی چہرہ، تن پر جامنی ساڑھی، وہ دراصل پردیپ تھا۔ کوئی یہ پہچان نہیں سکتا تھا کہ اس بھیس میں کوئی مرد چھپا ہوا ہے۔

سڑک پر پہنچ کر میجر سنگرام نے کہا۔

''پردیپ گھبرانا نہیں اور گھبراہٹ میں موٹر کی رفتار ہرگز تیز مت کرنا میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی حادثہ پیش آیا تو مندر کے سامنے پیش آئے گا۔ کیونکہ سرنگ کا راستہ مندر کے پاس ہے اگر دشمن یوگیتا پر نیا حملہ کرنا چاہتا ہے تو وہ ضرور سرنگ میں چھپا ہوا ہوگا اور ہمارے پہنچنے پر وہ باہر نکلے گا۔ میں نے نانارائے کو مندر کی جھاڑیوں میں چھپ کر سارے ماحول کی پوری نگرانی کرنے کے لیے پہلے ہی بھیج دیا ہے اس کو ہدایت کردی ہے کہ اگر وہ کوئی انوکھی بات دیکھے تو جھاڑی سے سفید رومال نکال کر ہمیں آگاہ کردے۔

اگر اسے کوئی مشکوک بات نظر آئے تو جھاڑی میں چھپ کر بیٹھا رہے اور رومال ہرگز نہ لہرائے۔ پھر میجر نے سڑک پر نظر دوڑاتے ہوئے ریوالور جیب سے نکال کر مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور بولا۔

''مندر قریب آگیا ہے اپنی نظریں سڑک پر جمائے رکھنا۔ اگر تمھیں سڑک پر کوئی غیر معمولی چیز پڑی نظر آئے تو کار فوراً بریک لگا کر روک لینا آگے نہ بڑھنا۔ ہوسکتا ہے کہ اس دفعہ دشمن کی کوئی بارودی سرنگ زیادہ کارگر ثابت ہو۔''

اب میجر مندر کے پاس گھنی جھاڑیوں میں دیکھنے لگا اسے وہاں کسی جھاڑی کے پاس کسی جھاڑی میں سفید رومال لہراتا ہوا نظر نہ آیا۔

کار بالکل مندر کے قریب پہنچ گئی۔ میجر سنگرام کی نگاہیں مندر پر جمی ہوئی تھیں کار مندر کے قریب سے گزری تو میجر نے دیکھا کہ مندر کی دیوار کے اوپر سے ہوتی ہوئی کوئی چیز ان کی طرف آرہی ہے۔ میجر کا ریوالور والا ہاتھ فوراً حرکت میں آگیا اس نے گیند جیسی چیز کا نشانہ بنا کر گولی چلا دی۔ گولی اس گیند سے ٹکرائی۔ وہ گیند سڑک سے دور ہی زمین پر گری اور اس کے بعد ایک زبردست دھماکا ہوا۔ میجر نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ دراصل گیند نہیں تھا۔ ایک دستی بم تھا۔

''پردیپ کار روک دو۔ اور میرے ساتھ چل کر مندر کو گھیر لو۔'' میجر نے کہا۔

پردیپ نے کار روک دی۔

پھر میجر کو نجانے کیا خیال آیا اس نے کہا۔ ''کوئی فائدہ نہیں پردیپ۔ مندر کے اندر بھی سرنگ ہے۔ دشمن دستی بم پھینک کر اس کی راہ سے فرار ہو گیا ہوگا۔''

''کیا ہم مندر میں جا کر اس کا پیچھا نہیں کر سکتے؟''

''کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ گولہ پھینکتے ہی فرار ہو گیا ہوگا۔'' میجر نے اس جگہ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا جہاں گولا پھٹا تھا۔

لوہے کے ٹکڑے چاروں طرف بکھر گئے تھے۔ میجر نے ایک ٹکڑا اٹھا کر دیکھا اس پر انگریزی کے کچھ حروف تھے۔ جن سے پتہ چلتا تھا کہ دستی بم برطانیہ کا بنا ہوا ہے۔ میجر کے ہونٹ گول ہو گئے وہ سیٹی بجانے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن نے ایسے ہتھیار آج سے بہت پہلے حاصل کیے تھے۔ شاید ہو سکتا ہے وہ کبھی فوج میں ملازم رہا ہو اور اس نے ہتھیار چرائے ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے کسی اور شخص سے خریدے ہوں خیر۔ واپس چلو۔''

اتنے میں میجر نے نانا رائے کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا وہ گولہ پھٹنے کی آواز سن کر باہر نکل آیا تھا اور اب سڑک کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''خیریت تو ہے نا؟'' اس نے دور سے پوچھا۔

''ہاں۔'' میجر نے کہا۔ ''کیا آپ نے واقعی کسی شخص کو آس پاس نہیں دیکھا؟''

''نہیں۔''

''آپ دیکھ بھی کیسے سکتے تھے دشمن سرنگ کے راستے مندر میں پہنچا وہاں اس نے دستی بم پھینکا اور سرنگ کے راستے ہی فرار ہو گیا۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمارا تجربہ ناکام رہا اور پردیپ کو عورت بنانے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔'' نانا رائے ہنسا۔ اس نے پردیپ کی طرف دیکھا۔ جس کے سر سے اس کی ساڑھی کا پلو ڈھلک گیا تھا۔

''آؤ واپس چلیں۔ میں نے سوچا کہ آج دشمن کو ایک نظر دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔ میرے خیال کے مطابق دشمن یوگیتا پر حملہ کرنے کے لیے آیا تو سہی مگر روپوش رہا آؤ واپس

چلیں۔'' میجر نے اپنی بات دہرائی۔

حویلی میں تمام لوگ بڑی بے صبری کے ساتھ اس کا انتظار کر رہے تھے میجر سے تازہ واقعہ سن کر وہ سب پریشان ہو گئے۔

''آخر دستی بم پھینکا کس نے؟'' ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

''یہ تو پتہ نہیں چل سکا۔'' میجر نے کہا۔

''آخر وہ کون تھا؟'' ٹھاکر صاحب نے پھر سوال کیا۔

''آج تو نہیں لیکن جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے۔'' میجر نے کہا۔ اور پھر یوگیتا سے مخاطب ہوا۔ ''چلیے میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔''

''دشمن اس وقت تو کہیں گھات لگا کر نہیں بیٹھا ہوگا؟'' ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' میجر سنگرام نے کہا۔ ''اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ دشمن اس قدر احمق نہیں ہے۔''

میجر اپنی کار میں اگلی نشست پر یوگیتا کو اپنے ساتھ بٹھا کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ نیوریشن اسٹور کے سامنے جس موڑ سے سڑک یوگیتا کے گھر کی طرف گھومتی تھی۔ وہاں میجر نے اندرا کو ٹہلتے دیکھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر یوگیتا اور میجر کو نمستے کی اور مسکرائی میجر سنگرام بھی جواب میں مسکرا دیا۔

راستے میں میجر نے یوگیتا کو ضروری ہدایات دیں کہ وہ صرف آج کی رات ضرورت سے زیادہ محتاط رہے۔ بنگلے کی چاروں طرف اپنے نوکروں کا پہرہ لگا دے۔

ایک گھنٹہ کے بعد میجر واپس حویلی میں آ گیا۔

میجر صبح سویرے ہی اٹھ کر کام میں مصروف ہو گیا۔ پردیپ سنگھ بستی ناگ گڑھ کے پولیس تھانے سے انگلیوں کے نشانات کی شناخت کرنے کا جو سامان لایا تھا وہ میجر نے کھول کر ایک میز پر سجا دیا تھا۔ جب اس نے انگلیوں کے مختلف نشانات کا موازنہ کیا تو اس کے ہونٹ خود بخود گول ہو گئے اور وہ بے خیالی میں سیٹی بجانے لگا۔

اس کی سیٹی کی آواز سن کر پورنا اس کے کمرے میں آ گئی۔ اور بولی۔ ''آج شاید آپ کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہیں۔''

''ہاں لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا؟''

''آج آپ ذرا بلند آواز میں سیٹی بجا رہے ہیں۔''

میجر مسکرانے لگا آج اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ پورنا اس کی سیٹی کا بھید پا چکی ہے۔

''پورنا! سری رام بابا کی طبیعت کیسی ہے؟ کیا مرہم پٹی کے بعد تم اسے دیکھنے کے لیے گئی تھیں۔''

''ہاں۔ اسے ہلکا سا بخار ہے۔''

''اس کے خون میں کہیں زہر نہ پھیل رہا ہو۔'' میجر سنگرام نے کہا۔

''میں نے اس کی حالت کے مطابق اسے گولیاں کھلا دی ہیں۔'' پورنا نے کہا۔

''اچھا کیا۔'' میجر نے کہا۔ ''ذرا باہر جا کر پردیپ کو بلا لاؤ۔''

پورنا دس منٹ میں پردیپ کے ساتھ واپس آ گئی۔ پردیپ نے میجر کو انگلیوں کے نشانات کی شناخت والا سامان بند کرتے ہوئے دیکھا تو کہا۔ ''کیا انگلیوں کے نشانات سے کوئی سراغ ملا۔''

''انگلیوں کے ان نشانات میں بہت سی رازکی باتیں ہیں۔'' میجر نے کہا۔ ''پردیپ تم فوراً یوگیتا کے ہاں چلے جاؤ۔ ناشتہ وہیں کر لینا۔ وہاں جا کر یہ پتہ کرو کہ رات کو ان کے ہاں کوئی نیا واقعہ تو ظہور میں نہیں آیا۔''

پردیپ مڑ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو میجر نے کہا۔

''تم جلد بازی میں پردیپ پوری بات سنتے نہیں ہو۔ یوگیتا کی خیریت دریافت کرنے کے بعد تمھیں فوراً واپس آنا ہوگا اور نیوریشن اسٹور کے پاس میرا انتظار کرنا ہوگا۔ ہم سب ایک گھنٹہ تک وہاں پہنچ جائیں گے۔ تم ریوالور سے لیس ہو کر جانا۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ یوگیتا کے ہاں سے تمھیں ایک گھنٹہ میں واپس نیوریشن اسٹور پہنچنا ہے۔ تم وہاں بیٹھ کر چائے پینا۔ اگر ہم وہاں تم سے پہلے پہنچ گئے تو تمھارا انتظار کریں گے اب تم جا سکتے ہو۔ اس وقت تم پیدل جاؤ گے اور واپسی پر یوگیتا کے ہاں سے ٹھاکر صاحب کی کار لیتے آؤ گے۔''

پردیپ چلا گیا۔

چند منٹ کے بعد ٹھاکر صاحب اپنے کمرے سے باہر نکلے وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔ میجر کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اس نے ٹھاکر صاحب کو اس عالم میں دیکھا تو بولا۔

''یہ کیا ہے؟ آپ کہاں جا رہے ہیں۔''

''یوگیتا کے ہاں۔ صبح سے اس کی کوئی خبر نہیں آئی کہ ان کی رات کیسی گزری ویسے بھی اس کے پتا کی مزاج پرسی کے لیے جانا چاہتا ہوں۔''

''نہیں آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ میں نے پردیپ کو وہاں بھیج دیا ہے آپ کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''کہاں؟'' ٹھاکر صاحب نے ذرا خفا ہو کر پوچھا۔

''جہاں میرا جی چاہے گا۔'' میجر نے کہا۔

''دیکھئے میجر سنگرام جی! آپ مجھے ایک ضروری فرض ادا کرنے سے نہیں روک سکتے۔''

''میں آپ کو روک سکتا ہوں۔ اس لیے کہ آپ مجھے میرا ضروری فرض ادا کرنے نہیں دے رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ میرے کام میں مداخلت کر رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میرے غلام نہیں ہیں لیکن آپ یہ بھول رہے ہیں کہ یہاں میں آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں۔''

''ٹھاکر صاحب کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ خاموش ہو گئے۔

ناشتے کے بعد میجر سنگرام نے پورنا سے پوچھا۔

''کیا پردیپ بستی ناگ گڑھ کے پولیس تھانے سے کوئی ایسی فہرست لایا تھا جس میں یہ ذکر ہو کہ کن کن لوگوں کے پاس اس علاقے میں اسلحہ لائسنس ہے اور ان کے پاس کس قسم کا اسلحہ ہے؟''

''ہاں۔ لایا ہے۔''

''کیا تم نے وہ فہرست پڑھی تھی۔''

''جی ہاں میں نے وہ فہرست پڑھی تھی۔''

''اس کی تفصیل کیا ہے۔''

''اس فہرست کے مطابق اس علاقے میں صرف ٹھاکر صاحب لائسنس یافتہ ہیں۔

پورنا نے جواب دیا۔

''خیر کوئی بات نہیں۔'' اور پھر میجر نے ٹھاکر صاحب کی طرف منہ پھیر کر کہا۔ ''کیا

آپ وہ گدھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس کی آواز آپ اکثر سنتے رہے ہیں؟''

''وہ گدھ کہاں ہے؟ میں اسے ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔''

چلئے میں آپ کو دکھاتا ہوں لیکن آپ اپنے ساتھ اپنی رائفل لے آیئے آپ کی کار یوگیتا کے ہاں سے پردیپ لے آئے گا۔ میجر نے کہا اور پھر پورنا اور نانارائے سے مخاطب ہوا'' آپ دونوں بھی اپنے ریوالوروں میں گولیاں بھر کر آ جائیے۔''

میجر نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اس کا کھٹکا کھول کر دیکھا۔ پھر کھٹکا بند کر کے اسے دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ اس نے پورنا سے کہا جو دروازے تک پہنچ چکی تھی۔

''کتے کو بھی کھول کر اپنے ساتھ لے جانا آج ہمیں اس کی بھی ضرورت پڑے گی۔''

چند منٹ کے بعد میجر کی کار سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ وہ موٹر تیزی سے نیوریشن اسٹور کے سامنے جا کر رکی۔ اسٹور بند تھا۔ میجر کا ماتھا ٹھنکا اس نے ایک شخص سے پوچھا جو شکل صورت سے مالی نظر آتا تھا۔

''یہ لوگ کیا سو رہے ہیں۔''

''نہیں صاحب دو چار روز کے لیے کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ مجھ سے تو یہی کہہ کر گئے ہیں ویسے اپنا بہت سا سامان باندھ کر لے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ دو چار دن کے لیے نہیں کافی دنوں کے لیے باہر گئے ہیں۔''

''وہ یہاں سے کب گئے؟'' میجر نے پوچھا۔

''آدھا گھنٹہ ہوا؟''

''کس طرف گئے ہیں؟''

''میں نے ان کو اس سڑک سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔'' مالی نے جنوب کی جانب سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میجر یہ سن کر فوراً اپنی کار کی طرف لپکا اور اس نے اس کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''موٹر میں پیٹرول کافی ہونا چاہیے۔''

''ہماری موٹر میں تو کافی ہے، پردیپ نے ناگ گڑھ میں پچاس لیٹر پیٹرول اور ڈلوایا تھا۔'' پورنا نے جواب دیا۔

''آپ کی موٹر بھی آ جائے گی۔ اس میں پیٹرول کی کیا کیفیت ہے؟'' میجر نے ٹھاکر

صاحب سے پوچھا۔

''کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' ٹھاکر صاحب بولے۔

''کیا راستے میں کوئی پیٹرول پمپ ہوگا؟''

''ضرور ہوگا۔'' ٹھاکر صاحب نے جواب دیا۔

''ابھی تک پردیپ کیوں نہیں آیا۔ کہیں یوگیتا کے ہاں کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا۔'' میجر نے کہا۔

ٹھاکر صاحب نے یوگیتا کے گھر کی طرف جانے والی سڑک پر گھبراہٹ کے عالم میں نگاہ دوڑائی۔ دفعتاً ہی اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی اس کے منہ سے نکلا۔ ''وہ شاید میری ہی موٹر ہے۔''

دور ایک موٹر گرد چھوڑتی ہوئی آ رہی تھی۔ چند منٹ کے بعد ان کے قریب آ کر رکی اس میں پردیپ تھا۔

''یوگیتا کے ہاں خیریت تو ہے؟'' ٹھاکر صاحب نے تیزی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

''بالکل خیریت ہے۔'' پردیپ نے جواب دیا۔

''تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟'' میجر سنگرام نے پردیپ سے پوچھا۔

''یوگیتا نے تکلف سے کام لیا۔ ناشتے پر بہت سی چیزیں بنانے کا حکم دے دیا میں کچھ بول نہ سکا۔''

''یوگیتا کے چاچا جی کی طبیعت کیسی ہے؟'' ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

''ان کا بازو بندھا ہوا ہے۔ ویسے وہ چل پھر سکتے ہیں۔'' پردیپ نے جواب دیا۔ پھر اس نے نیوریشن اسٹور کی طرف دیکھا جو بند پڑا تھا۔ ''یہ لوگ کہاں گئے؟'' پردیپ نے پوچھا۔

''پنچھی اُڑ گئے ہیں۔'' نانارائے نے کہا۔

''لیکن گھوڑا تو درخت سے بندھا ہوا ہے۔'' پردیپ سنگھ بولا۔

میجر کو گھوڑے کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ اس نے بھی ایک نظر گھوڑے پر ڈالی اور پھر مالی سے پوچھا۔

"ان کے پیچھے گھوڑے کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟"

"اس کی دیکھ بھال میرے سپرد کر کے گئے ہیں۔ اتنے روپے دے گئے ہیں کہ دس دن تک اس کے چارے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں کہ وہ لوگ یہاں سے صرف دو چار دن کے لیے نہیں گئے ہیں۔"

"ہونہہ۔" میجر نے کہا۔ "وقت اُڑتا جا رہا ہے۔ ہمیں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے پیچھے چلنا چاہیے۔"

"تو پھر چلو۔" پردیپ نے بے تاب ہو کر کہا۔ دراصل اسے دشمن کا تعاقب کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔

"اب ہم کو ایک ہی موٹر میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔" ٹھاکر صاحب نارائے اور پردیپ کے ساتھ جا بیٹھے۔ "پردیپ ایک اچھا ڈرائیور ہے۔ اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو گئی تو اسے موٹر میں دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے اچھے داؤ پیچ آتے ہیں۔" یہ کہہ کر میجر اپنی موٹر میں جا بیٹھا۔ جس کی اگلی نشست پر پورنا بیٹھی تھی۔

ٹھاکر صاحب اور نارائے رولز رائس کے پیچھے جا بیٹھے۔ پردیپ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ میجر اپنی کار کو آگے لے گیا۔

دونوں موٹریں جنوب کی سڑک پر ہو لیں۔ وہ ہوا سے باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھیں راہ گیر ان کی رفتار دیکھ کر پہلے ہی راستہ چھوڑ دیتے۔ کوئی ٹرک یا کوئی چھکڑا سامنے آتا ہوا دکھائی دیتا تو میجر اپنی کار کی رفتار دھیمی کر دیتا۔ پردیپ بھی بریک پر پاؤں رکھ دیتا۔ وہ ابھی چند رہ میل دور بھی نہیں گئے ہوں گے کہ پردیپ کی رولز رائس کا پیٹرول ختم ہو گیا۔

"اس نے زور سے آواز دی۔" میجر سنگرام جی؟"

میجر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پردیپ کی کار رکتے ہوئے دیکھ کر وہ جھنجھلا اٹھا۔ میجر کار سے نکل کر رولز رائس کے پاس آیا۔

"یہ تو غضب ہو گیا۔ آپ کی موٹر کا پیٹرول ختم ہو گیا ہے۔" اس نے ٹھاکر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور مجھے دور دور تک اس سڑک پر کوئی پیٹرول پمپ نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"اب ہمیں کیا کر[illegible]" پردیپ نے پوچھا۔

"کیا کرنا چاہیے ہم ان کے تعاقب کو ترک نہیں کر سکتے۔" میجر نے کہا "پردیپ تم باہر آؤ۔ میری موٹر کے پچھلے خانے میں رسا پڑا ہوگا۔ اسے نکالو۔ رولز رائس کے بڑ میں رسہ ڈال کر اسے میری کار کی پشت سے باندھ دو۔ مجھے پیٹرول پمپ تک تمھاری کار کو کھینچ کر لے جانا ہوگا۔"

پردیپ نے پانچ منٹ کے اندر میجر کے حکم کی تعمیل کر دی۔

میجر کی کار سے ٹھاکر صاحب کی کار باندھ دی گئی۔ دس میل تک وہ کچھوے کی طرح رینگتے ہوئے آگے بڑھے۔ پھر کہیں جا کر انھیں پمپ نظر آیا۔ میجر نے اطمینان کا سانس لیا۔

میجر نے احتیاطاً دونوں موٹروں کی ٹنکی لبالب بھروالی اب ایک بار پھر دونوں موٹریں سڑک پر تیزی سے دوڑنے لگیں۔ پورنا نے رفتار کے میٹر کو دیکھا۔ میجر سنگرام کی کار ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

آدھے گھنٹے کے بعد ایک چوراہا آیا۔ وہاں سے چار سڑکیں مختلف سمتوں میں جاتی تھیں۔ دونوں کاریں رک گئیں اب ایک پریشان کن سوال ایک خوفناک روپ دھار کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا کس سڑک سے دشمن کا تعاقب کیا جائے؟

میجر اپنی کار سے نکلا اور اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بار بار چاروں سڑکوں پر گیا۔ آخر کار وہ مسکراتا ہوا واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں سگریٹ کا ایک ٹکڑا تھا۔ وہ کارنیٹ سگریٹ کا ایک ٹکڑا تھا۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا اور بہت خوش ہو رہا تھا۔

"آپ تو اس طرح خوش ہو رہے ہیں جس طرح آپ کو کوہ نور ہیرا پڑا ہوا مل گیا ہو۔"

"اس وقت سگریٹ کا یہ ٹکڑا کوہ نور ہیرے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ یہ بتا رہا ہے کہ دشمن چوتھی سڑک سے گیا ہے۔ اپنی موٹر چوتھی سڑک پر ڈالو۔"

دونوں موٹریں چوتھی سڑک پر ہو لیں۔

انھوں نے راستے میں کتنی ہی موٹروں کو جا لیا اور ان کو پیچھے چھوڑ دیا لیکن ان کو مطلوبہ موٹر نہ ملی۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ اب ان کو سفر کرتے ہوئے دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ کسی ایسی موٹر کے پاس سے ان کی موٹر نہیں گزری تھی۔ جس میں نیورینشن اور اس کی بہن اندرا ہوں۔

اب تو میجر بھی اس تعاقب سے گھبرا گیا تھا کہ شاید دشمن ان کو جُل دے گیا۔ بہر کیف

وہ آگے بڑھتے رہے آدھ گھنٹہ اور گزر گیا۔

اب سڑک ویران اجاڑ اور سایہ دار نظر آنے لگی۔ سڑک کے دونوں طرف اونچے اونچے گھنے پیڑ تھے۔ ایک جگہ دو ٹرک کھڑے تھے۔ ان ٹرکوں میں کوئی نہیں تھا۔ اچانک پورنا کی نگاہ درختوں کے جھنڈوں پر پڑی۔ جہاں دس بارہ آدمی کسی چیز کو گھیرے ہوئے کھڑے تھے۔

"وہاں لوگ کیوں جمع ہیں؟" پورنا نے انگلی سے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
میجر نے اس طرف دیکھا تو فوراً اپنی کار روک لی۔ پردیپ نے بھی کار کے بریک لگا دیے۔
میجر اور اس کی پارٹی کے تمام افراد اس جگہ پہنچے جہاں ایک درجن کے قریب لوگ حلقہ باندھے ہوئے کھڑے تھے۔ وہاں جا کر انھوں نے دیکھا کہ ایک موٹر جس کے پیچھے بہت سا سامان بندھا ہوا تھا الٹی پڑی تھی۔

ابھی تک اسے کسی نے سیدھا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ شاید کار کے نیچے سے ایک لاش نکال چکے تھے۔ جو موٹر سے تھوڑی دور ایک چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ایک عورت جس نے پتلون اور سویٹر پہن رکھا تھا۔ اپنے ماتھے سے خون پونچھ رہی تھی۔

"اندرا؟" ٹھاکر صاحب کے منہ سے نکلا۔

اندرا نے ٹھاکر صاحب کی طرف دیکھا اور اس نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا جیسے اپنی چیخ کو دبانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں آیا تھا۔

اسے شاید ابھی ابھی ہوش آیا تھا۔ میجر نے آگے بڑھ کر اس لاش پر سے چادر ذرا اٹھا دی۔ وہ نیوریشن کی لاش تھی۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی۔ اس کی کھوپڑی پچکی ہوئی تھی۔ اندرا نے بھی اپنے بھائی کی لاش دیکھی لیکن اس کی آنکھوں سے ایک آنسو تک نہ نکلا۔ پورنا بہت حیران ہوئی اور پھر سوچنے لگی۔ شاید صدمے کے باعث اندرا کچھ محسوس کرنے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔

نیوریشن اور اندرا کی موٹر الٹ جانے سے بالکل ناکارہ ہو چکی تھی۔ اس کی چھت بالکل بیٹھ چکی تھی۔

"ہمیں اس موٹر کو سیدھا کر دینا چاہیے۔" میجر سنگرام نے کہا۔ وہاں کھڑے ہوئے لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے تھے کہ آنے والے لوگ اس عورت کو جانتے تھے جو زخمی ہو گئی تھی۔

اور خوبی تقدیر کے باعث موت کے چنگل سے بچ گئی تھی۔ میجر نے موٹر سیدھی کرنے کے لیے کہا تو سب اس پر پل پڑے اور موٹر کو سیدھا کر دیا گیا۔

"آپ کہاں جا رہی تھیں؟" میجر نے اندرا سے پوچھا۔

"بٹرا۔"

"بٹرا؟ لیکن اب تو آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" میجر نے کہا۔ اندرا میجر کی اس بات کا مطلب سمجھ گئی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ایک گدھے کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ ٹھاکر صاحب پر وہ چیخ سن کر ایک لمحے کے لیے کپکپی طاری ہو گئی۔ میجر مسکرایا۔ وہ اندرا کی موٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے موٹر کی پچھلی نشست پر رکھا ہوا ایک بڑے کیمرے کا کیس باہر نکال لیا۔ اور ایک مداری کی طرح اس کا ڈھکن کھولنے سے پہلے میجر نے کہا۔

"ٹھاکر صاحب! یہ رہا آپ کا وہ گدھا!" یہ کہہ کر میجر نے کیمرے کے کیس کا ڈھکن اوپر اٹھا دیا۔ اس میں سے ایک گدھے نے اپنا سر باہر نکالا۔ اور پھر وہ زور سے چیخا۔

"لیجیے۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔" میجر نے کہا۔

ٹھاکر صاحب اس گدھے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ وہاں جمع لوگ بھی حیرت سے اس گدھے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میجر نے کیمرے کے کیس کا ڈھکن گرا دیا اور اندرا کے قریب جا کر پوچھا۔ "آپ نے کیا فیصلہ کیا؟"

"فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ مجھے نہیں۔" اندرا نے کہا۔ اور پھر وہ اپنے بھائی کی لاش کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہم ان کو بھی ساتھ لے چلیں گے۔" میجر نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں آپ کا یہ سامان اپنی موٹروں کے پیچھے باندھنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اس عورت کے جان پہچان کے لوگ اسے واپس اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں تو انھوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ ایک بھاری زحمت سے بچ گئے۔ وہ اپنے ٹرکوں کی طرف بڑھے۔

آدھے گھنٹے میں تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ نیوریشن کی لاش میجر کی کار کی پچھلی نشست پر رکھوا کر پردیپ میجر کے پہلو میں جا بیٹھا۔ ٹھاکر صاحب کی کار میں پورنا، اندرا نانا رائے بیٹھے۔

وہ شام کو واپس پہنچے۔ میجر نے اپنی کار نیوریشن اسٹور کے قریب روک لی۔ ٹھاکر صاحب نے اپنی کار میجر سنگرام کی کار کے قریب لا کر کہا۔

''آپ یہاں کیوں رک گئے ہیں؟''

''کچھ دیر تک ہمارا یہیں پر رکنا مناسب ہے۔'' میجر نے کہا۔ اور پھر انترا سے مخاطب ہوا کہا۔ ''اس دکان کی چابیاں آپ کے پاس ہیں؟''

''اس کی ہر چابی میرے پاس رہا کرتی تھی۔'' انترا نے دکان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

کچھ لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ لوگ ہر عجیب بات کی چھان بین کے لیے سدا مشتاق رہتے ہیں۔ ان کو حیرت ہو رہی تھی کہ انترا واپس آ گئی۔ اس کا بھائی اس کے ساتھ کیوں نہیں آیا تھا۔ میجر نے اپنی کار میں نیوریشن کی لاش کچھ اس طرح رکھوائی تھی کہ جب تک کار کے نزدیک کوئی آ کر جھانک کر نہ دیکھے۔ تب تک کوئی کچھ بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

''پردیپ تم کاروں کی نگرانی کرو اور کسی کو بھی دونوں کاروں کے نزدیک نہ آنے دو۔'' میجر نے حکم دیا اور پھر انترا کے پیچھے دکان کے اندر داخل ہوا۔

ٹھاکر صاحب پورنا اور نارائے چند لمحوں کے بعد دکان کے اندر چلے آئے انھوں نے ایک میز کے گرد میجر اور انترا کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔

وہ ایک حسین عورت تھی۔ جب ٹھاکر صاحب پورنا اور نارائے بھی بیٹھ چکے تو میجر نے کہا ''کیا آپ جانتی ہیں کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں؟''

''جی ہاں کل رات ہی میرے بھائی نے اس شک کا اظہار کیا تھا کہ ٹھاکر صاحب کے ہاں جو مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں وہ پولیس افسر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بھائی نے یہاں سے چل دینے کا فیصلہ کیا۔''

''کیا ہمیشہ کے لیے؟''

''نہیں ہم کچھ دنوں کے بعد پھر واپس آنا چاہتے تھے۔''

''خوب۔'' میجر نے کہا۔ آپ انترا دیوکر ہیں نا؟''

انترا نے فرط استعجاب سے میجر کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''اچھا تو آپ جانتے ہیں؟''

''بالکل جانتا ہوں اور آپ کا بھائی نیوریشن دیوکر ہے؟''

''جی ہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔''

''مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ٹھاکر خاندان اور دیوکر خاندان میں دیرینہ عداوت چلی آ رہی ہے۔ آپ مجھے یہ بتایئے کہ کیا آپ کو معلوم تھا کہ آپ کا بھائی کل رات کہاں کہاں گیا تھا۔''

''مجھے معلوم تھا۔''

''آپ کا بھائی جو کچھ کر رہا تھا کیا آپ اس کی ان حرکتوں کی حمایت کرتی تھیں؟''

''بالکل نہیں۔ میں تو اسے بہت سمجھایا کرتی تھی کہ پرانی بات کو اتنی دور تک گھسیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں لیکن میرا بھائی ایک ہٹیلا آدمی تھا۔''

''کیا آپ یہ جانتی ہیں کہ آپ کا بھائی اگر آج حادثے کا شکار نہ ہوتا تو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جاتا؟ میرے پاس تمام ثبوت موجود ہیں۔'' میجر نے مبالغے سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''آپ چونکہ میری تمام باتوں کا بڑی صاف گوئی سے جواب دے رہی ہیں اس لیے کیا میں پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ کیا آپ کے بھائی نے ہی ٹھاکر صاحب کے بڑے بھائی بلرام سنگھ کا خون کیا۔ یا گولی مار کر ہلاک کیا تھا؟

''جی ہاں.......!'' انترا نے فوراً جواب دیا۔

ٹھاکر صاحب میجر کے سوالات اور انترا کے جوابات پر چونک چونک پڑتے تھے ان کی آنکھوں کے سامنے چار سو سال کی تاریخ کے ورق کھلتے جا رہے تھے۔

''کیا آپ نے اس قتل میں اپنے بھائی کا ساتھ دیا تھا؟'' میجر نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں نے تو اسے قتل سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ میں اس قتل کو بے معنی اور بے فائدہ سمجھتی تھی۔ مجھے یہ یقین تھا کہ میرا بھائی جو کچھ کر رہا ہے اس سے ہم بھاری مصیبت میں پھنس جائیں گے۔''

''کیا آپ نے کبھی کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کو قتل کرنے میں مدد دی ہے؟''

''کبھی نہیں۔''

''میں آپ کی صاف گوئی سے یہ اندازہ لگا سکتا ہوں کہ آپ سچ بول رہی ہیں لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اور وہ ہے گدھ کی بات۔''

''گدھ ہمارے خاندان کا ہمیشہ پالتو جانور رہا ہے۔ میرے بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ گدھ چار سو برس سے ہمارے خاندان میں موجود رہا ہے۔ اسے خاص طور سے پالا جاتا تھا کہ ٹھاکر خاندان کو ہراساں کیا جائے اور اس کو یقین دلایا جائے کہ بددعا اپنا کام کر کے رہے گی۔ ہاں۔ گدھ کو پالنے کا یہی مقصد تھا۔ گدھ کو ایک خاص قسم کی چیخ بلند کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔''

''آپ گھوڑے پر سوار ہو کر کیمرے کے کیس میں گدھ اپنے ساتھ لے جاتی تھیں کیوں؟''

''میرا بھائی مجھے مجبور کیا کرتا تھا۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ قاتل کا ساتھ دیا کرتی تھیں۔'' میجر نے کہا اور اشترا خاموش رہی۔

''کیا آپ کے بھائی کے پاس ایسا کوٹ بھی تھا جس پر آپ کے دیوکر خاندان کا نشان ایک بیج کی صورت میں لگا ہوا تھا؟''

''جی ہاں۔''

''جب آپ کا بھائی بلرام سنگھ کو گولی مار کر ہلاک کرنے کے لیے گیا تھا۔ تو کیا اس نے وہ کوٹ پہن رکھا تھا؟''

''ہاں۔ لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''اس لیے کہ مرنے سے پہلے بلرام سنگھ نے اپنے چھوٹے بھائی ٹھاکر صاحب کو یہ بتایا تھا کہ وہ تین ستاروں سے خبردار رہیں۔ آپ کے خاندانی نشان میں تین ستارے ہیں ناں؟''

''ہیں۔''

''آپ کا بھائی حویلی میں کیا چرانے جایا کرتا تھا؟''

''ایک نقشہ۔''

''نقشہ! کیسا نقشہ۔''

''آپ حویلی کا شاید یہ بھید نہیں جانتے ہیں۔'' اشترا نے کہا۔ ''جب دیوکر خاندان کو اس حویلی سے نکلنا پڑا۔ تو اس نے اپنا خزانہ زمین میں دفنا دیا اور اس کا نقشہ بڑے صندوق کی

لکڑی کی دیوار کو کھوکھلا کر کے اس کے اندر رکھ دیا۔ صندوق کے باہر سے یہ پتہ لگانا مشکل ہے کہ لکڑی کس جگہ سے کھوکھلی ہے۔ صندوق کی لکڑیوں کو کھول کر ہی اس بات کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ میرا بھائی وہ نقشہ حاصل کرنے کے لیے جایا کرتا تھا تاکہ خزانے کا مالک بن سکے۔ وہ نقشہ اس کے ہاتھ نہ لگ سکا۔ میں نے اس خزانے کا راز بتا دیا ہے۔ اگر ٹھاکر صاحب کو اعتراض نہ ہو تو میں وہ نصف خزانہ ان کو پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''اب یہ بتایئے کہ یوگیتا پر گولی کیوں چلائی گئی تھی؟ اور اسے باوردی سرنگ سے ہلاک کرنے کا جتن کیوں کیا گیا؟''

اشترا کے ابرو تن گئے۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا اس پر گولی چلائی گئی تھی؟''

''ہاں...... مگر وہ گولی اس کے پتا کے بازو میں لگی۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''ایک بار تو اس کو باوردی سرنگ سے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی جب کہ وہ موٹر میں جا رہی تھی۔ دوسری بار اس کے کمرے میں سویا ہوا دیکھ کر اس پر گولی چلائی گئی لیکن اتفاق سے کل رات اس کے کمرے میں اس کے پتا سوئے ہوئے تھے۔ گولی ان کے بازو میں لگی اس لیے وہ بچ گئے کیا آپ کو ان واقعات کا کوئی علم نہیں؟''

''بالکل نہیں۔'' اشترا نے کہا۔ اور پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ ''ایک خیال میرے دماغ میں آ رہا ہے۔''

''وہ کیا؟''

''چند روز ہوئے جب میں اپنے بھائی کو یہ سمجھا رہی تھی کہ وہ پرانی عداوت کو بھلا دے اور ان جرائم سے باز آ جائے تو میرے منہ سے یہ بھی نکل گیا تھا کہ عداوت اگر پیار میں تبدیل ہو جائے تو کتنا اچھا ہے۔ پیار ہی سے ہماری حویلی واپس مل سکتی ہے۔ میرے بھائی نے مجھ سے پوچھا ہماری حویلی ہمیں کیونکر مل سکتی ہے۔ جس کے لیے ہمارے خاندان کا ہر فرد ٹھاکر خاندان کے ہر بزرگ کا قتل کر رہا ہے۔ میں نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر میں ٹھاکر صاحب سے شادی کر لوں تو اس طرح حویلی ہمیں واپس مل سکتی ہے۔'' اشترا نے یہ کہتے ہوئے ٹھاکر صاحب کی طرف انکھیوں سے دیکھا۔

''آپ شاید جانتی نہیں ہیں کہ ٹھاکر صاحب یوگیتا سے شادی کرنے والے ہیں۔''

میجر نے کہا۔

''میں ایک مدت سے یہ بات جانتی ہوں۔''

''اچھا تو میں سمجھ گیا۔ آپ کے بھائی کو آپ کی بات پسند آ گئی ہو گی اس نے یوگیتا کو راستے سے ہٹا دینا چاہا تا کہ ٹھاکر صاحب سے آپ کی شادی کے لیے میدان ہموار کر سکیں۔''

''میرا بھائی ایک پُر اسرار انسان تھا۔ وہ کیا سوچتا تھا میرے لیے اس کے دل کا حال جاننا مشکل تھا۔ اس کے دماغ پر صرف ایک ہی بات مسلط تھی کہ اسے ٹھاکر خاندان سے بدلہ لینا ہے۔ وہ صرف بدلہ لینے کے لیے زندہ تھا۔ آپ کو شاید ہمارے خاندان کی روایت بھی معلوم نہیں، ہمارا ہر بزرگ مرتے ہوئے ہمارے خاندان کے فرد کے ماتھے پر خون کا ٹیکہ لگاتا تھا اور اسے یہ حلف دلاتا تھا کہ اسے چین سے نہیں بیٹھنا ہو گا ٹھاکر خاندان کو نیست و نابود کرنے کے لیے زندہ رہنا ہو گا۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ ٹھاکر خاندان کی جن عورتوں کے ہاں لڑکے زیادہ پیدا ہوتے تھے میرے خاندان کے لوگ ٹھاکر خاندان کی ان عورتوں کو بھی ہلاک کروا دیا کرتے تھے۔''

ٹھاکر نے انترا کی اس بات پر اس کی طرف غیظ آلود اور حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

''اب میں آپ سے ایک اور اہم سوال پوچھتا ہوں آپ کو اس کا بھی ٹھیک ٹھاک جواب دینا ہو گا آپ کا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟''

''تیسرا ساتھی؟''

''ہاں مجھے حویلی میں آئے ہوئے کئی دن ہو چکے ہیں حویلی میں بڑے صندوق سے جو آدمی نقشہ چرانے آتا تھا وہ آپ کا بھائی نہیں تھا۔''

''کیا مطلب میرا بھائی ہی نقشہ چرانے جاتا تھا۔''

میجر کچھ سوچ میں پڑ گیا اور پھر بولا۔ ''اگر آپ کا بھائی وہاں جاتا تھا تو وہ پیچھے رہ جاتا ہو گا اور اپنے کسی ساتھی کو نقشہ چرانے کے لیے بھیج دیتا ہو گا۔''

''میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی آپ کو شاید غلط فہمی ہو رہی ہے میں نے اپنے بھائی کے ساتھ کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔''

''آپ جب کیمرے کے کیس میں گدھ لے کر جاتی تھیں اور اسے جھپٹنے کا اشارہ

کرتی تھیں تو کیا آپ کے بھائی کا کوئی ساتھی آس پاس موجود نہیں ہوتا تھا؟''

''میں تو گدھ کو اسی وقت واپس لے آتی تھی جب حویلی کے قریب جا کر وہ میرے اشارے پر ایک چیخ بلند کر دیا کرتا تھا۔''

میجر پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔ ''میں یہ سوال خاص طور پر آپ سے اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ جو شخص حویلی میں نقشہ چرانے کے لیے آتا تھا اس کا قد آپ کے بھائی سے لمبا تھا؟ اور وہ آپ کے بھائی سے زیادہ بھاری بھرکم تھا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔'' انترا نے کہا اس کے لب و لہجے میں صاف صاف یہ بات جھلکتی تھی کہ وہ سچ بول رہی ہے۔

''خیر آپ کے بھائی کے ساتھی کا پتہ چل ہی جائے گا لیکن مجھے ایک اور اندیشہ بھی ہے اور وہ یہ اندیشہ ہے کہ عدالت آپ کو بری کر دے گی ایسا ہو سکتا ہے کہ بری ہو جانے پر آپ اپنے خاندان کی روایات کو آگے بڑھائیں اور ٹھاکر صاحب سے بدلہ لیں۔''

''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں ان جرائم کی سخت مخالف رہی ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں تحریری طور پر لکھ دینے کو تیار ہوں کہ میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔''

''میرا ابھی یہی مطلب تھا کہ آپ ایک تحریری بیان دے دیجئے۔''

''کیا ابھی لکھ دوں؟''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' میجر نے کہا۔ ''یہ بیان آپ سے لکھوا لیا جائے گا۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کا آئندہ کیا پروگرام ہے؟''

''فی الحال میرا کوئی پروگرام نہیں۔ میں یہ سوچتی ہوں کہ میں یہیں رہوں یہ دکان چل نکلی ہے میری اچھی گزر ہو گی۔''

''آپ یہیں رہیں گی؟ کیا آپ بترا نہیں جائیں گی؟''

''میں بترا جا کر کیا کروں گی؟''

''وہاں آپ کے رشتے دار ہوں گے ورنہ آپ آج بترا کیوں جا رہی تھیں؟''

''وہ تو میرا بھائی مجھے وہاں لیے جا رہا تھا۔'' انترا نے کہا اس کے بعد اس نے جھینپتے ہوئے ٹھاکر صاحب کی طرف دیکھا اور بڑی نرمی سے کہا۔ ''میرے خاندان نے نسل در نسل آپ کے خاندان پر جتنا ظلم ڈھایا ہے اور آپ کے خاندان کو جس قدر مصائب سے دوچار کیا

ہے۔ اس کے لیے میں آپ سے معافی مانگتی ہوں اور آپ مجھے معاف کر دیجیے۔ اس وقت آپ کے دل پر جو گزر رہی ہے اسے میں بخوبی جان سکتی ہوں لیکن نہایت پرانی خاندانی عداوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اگر آپ اطمینان سے غور کریں گے تو آپ مجھ سے اتفاق کریں گے۔"

ٹھاکر صاحب خاموش تھے۔ "میں سمجھتا ہوں کہ کماری انترا خلوص کا اظہار کر رہی ہیں۔ آپ ایک بہادر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے افراد نادم اور پریشان دشمن کو ہمیشہ معاف کر دیا کرتے ہوں گے۔ کماری انترا تو آپ کی دشمن بھی نہیں ہیں اس کے باوجود آپ سے معافی مانگ رہی ہیں آپ کو معاف کر دینا چاہیے۔" میجر نے کہا۔

ٹھاکر صاحب شاید میجر کے اسی اشارے کے منتظر تھے۔ انھوں نے اپنا ہاتھ انترا کی طرف بڑھا دیا۔ جب آدمی کے دل میں نیکی کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے تو اس کی شرافت اور اس کی سخاوت کی انتہا نہیں رہتی۔

"اگر آپ یہاں تنہائی محسوس کرتی ہوں تو آپ چل کر میرے ساتھ حویلی میں رہ سکتی ہیں۔ میں آپ کو ہمیشہ اپنی بہن سمجھوں گا۔" ٹھاکر صاحب نے کہا۔

انترا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے روہانسی آواز میں کہا۔ "اب میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ آپ کی اس پیش کش نے مجھے اس دنیا میں بے یار و مددگار نہیں رہنے دیا۔"

"کیا واقعی بڑا میں آپ کا کوئی رشتہ دار نہیں؟" میجر نے پوچھا۔

"کوئی رشتہ دار نہیں۔" انترا نے جواب دیا۔

"تو کیا آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

انترا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"چلیے ناں!" میجر نے کہا اس طرح آپ کے خاندان کی ایک پرانی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔ آپ کے خاندان کا ایک فرد آخر کار چار سو برس کے بعد اپنے جدی مکان میں داخل ہوگا۔ یعنی آپ چل کر وہاں رہیں گی تو آپ کے بزرگوں کو دوسری دنیا میں تسکین ملے گی۔"

"ابھی نہیں۔ میں اس وقت وہاں جاؤں گی جب میرے بھائی بھابی کے ساتھ مجھے یہاں سے لینے آئیں گے۔" انترا نے کہا۔

میجر سنگرام سنگھ اور ٹھاکر صاحب دونوں ہی اس کا مطلب سمجھ گئے۔

میجر نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں آپ کے بھائی کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیجنا ہوگا۔ پولیس آپ کا بیان لے گی اور اس کے بعد ان کا انتم سنسکار ہوگا اور شمشان گھاٹ میں لے جایا جائے گا۔"

"آپ نے میرے سر پر سے بھاری بوجھ اتار دیا ہے میں عمر بھر آپ کی شکر گزار رہوں گی۔"

"ہم اپنی موٹروں کے پیچھے بندھا ہوا سامان اتار کر یہاں رکھ دیتے ہیں۔"

وہ سب باہر نکلے سارا سامان اتار کر انترا کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جب میجر کیمرہ کیس اٹھا کر اندر لے جانے لگا تو انترا نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس نے کیمرے کا کیس کھولا اور اس میں سے گدھ کو نکال لیا۔ اس گدھ نے چیخنا شروع کیا انترا نے اس کے ٹھوکر ماری اور بولی۔

"جاؤ اب تمھارا کام ختم ہو چکا ہے تم جتنی نحوست پھیلا سکتے تھے پھیلا چکے ہو۔" انترا نے دو چار ٹھوکریں گدھ کے اور ماریں تو وہ اپنی گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگا وہ ایک پالتو گدھ تھا اسے غلامی میں بہت آرام ملا تھا۔ اب وہ آزادی حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ انترا اسے ٹھوکریں مارتی ہوئی بہت دور تک لے گئی اور واپس آ کر بولی۔ "یہ گدھ ہمارے پاس پانچ سال سے تھا۔"

"لیکن آپ کو اس علاقے میں آئے ہوئے تو زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔"

"ہمیں یہاں آئے ہوئے صرف پانچ مہینے ہوئے ہیں۔"

"اس سے پہلے آپ کہاں رہتی تھیں۔"

"میں اپنے بھائی کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ اپنے آبائی علاقے میں لیکن ہم بڑا سے نہیں آئے تھے۔"

"آپ کے بھائی نے یہی سال ٹھاکر خاندان سے بدلہ لینے کے لیے کیوں چنا وہ اتنے سالوں تک کیوں انتظار کرتا رہا؟"

"اس لیے کہ صرف چھ مہینے ہوئے کہ اس کے ماتھے پر خون کا ٹیکا لگایا گیا تھا اور اس سے بدلہ لینے کا حلف دلوایا گیا تھا۔ بات یہ تھی کہ میرے والد ایک طویل بیماری میں مبتلا

رہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اچھے ہو جائیں گے تو خود بدلہ لیں گے لیکن جب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ بیماری مستقل ہے اور وہ جانبر نہ ہو سکیں گے تو انھوں نے میرے بھائی کو بدلہ لینے کا خاندانی فرض سونپ دیا میرے بھائی کو حویلی کی تمام تاریخ اور اس کے گرد و نواح کے جغرافیے سے آگاہ کر دیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ حویلی کے آس پاس موجود سرنگوں سے بھی واقف تھیں؟" میجر نے کہا۔

"ہم نے یہاں آتے ہی سب سے پہلے سرنگوں کا جائزہ لیا تھا۔ اتفاق سے وہ صاف ستھری نکلیں۔ میرا بھائی اس بات پر بہت خوش تھا۔"

"آپ کے بھائی کی رائفل یا پستول کہاں ہے؟"

"دونوں ہی ہیں۔ بکس میں بند ہیں۔"

"کیا ان کا لائسنس آپ کے بھائی کے پاس تھا؟"

"اس نے کوئی لائسنس نہیں لیا تھا۔ وہ جزا پیچ کر سب سے پہلے اپنا اسلحہ کسی کنوئیں میں پھینکنا چاہتا تھا۔"

"کیا ہم وہ رائفل اور پستول اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں؟" میجر نے پوچھا۔

"بڑی خوشی سے لے جا سکتے ہیں۔" انترا نے جواب دیا اور وہ گھر کے اندر چلی گئی۔ چند لمحوں بعد وہ رائفل اور پستول لے آئی۔ میجر نے ان کو اپنی موٹر میں رکھ لیا۔

میجر اپنی کار کا دروازہ کھول کر بیٹھنے ہی والا تھا کہ اسے کوئی بات یاد آ گئی انترا دروازے میں کھڑی تھی۔

میجر نے اس کے قریب آ کر کہا۔ "دو باتیں ابھی تک میرے دل میں کھٹک رہی ہیں جو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھئے۔"

"آپ نے بتایا ہے کہ آپ کے خاندان میں جو گدھ رکھا جاتا تھا اسے سدھایا جاتا تھا تا کہ وہ ایک خاص قسم کی چیخ بلند کر سکے۔"

"جی ہاں۔"

"وہ گدھ کون سدھاتا تھا؟ کیا اس گدھ کو آپ کے بھائی نے سدھایا تھا؟"

"نہیں ہمارے پتا نے سدھا سدھایا گدھ ہمیں دیا تھا۔" انترا نے کہا۔ "اور ہمارے پتا نے ہمیں بتایا تھا کہ یہ گدھ ہمارے خاندان کے کسی فرد نے سدھایا تھا۔"

"ہونہہ۔" میجر گہری سوچ میں ڈوب گیا اس نے ایک اور سوال کیا۔

"کیا آپ کے بھائی کے پاس دستی بم بھی تھے؟"

"جی ہاں۔ میں نے اس کے پاس صرف ایک دستی بم دیکھا تھا۔"

اور وہ دستی بم آپ کے بھائی نے کل یوگیتا پر پھینکا تھا؟"

"یوگیتا پر؟"

"ہاں کل جب میں یوگیتا کو اپنے ساتھ آپ کے اسٹور میں لایا تھا تو آپ کا بھائی اسے دیکھ کر سخت حیران ہوا تھا۔"

"ہاں میں نے بھی یہی محسوس کیا تھا جب آپ کل یوگیتا کے ساتھ آئے تھے۔ انترا نے کہا لیکن میرا بھائی کیوں حیران ہوا تھا؟"

"اس لیے کہ وہ پرسوں رات گھوڑے پر سوار ہو کر یوگیتا کے یہاں گیا تھا اور اس نے یہ سمجھ کر یوگیتا پر گولی چلائی تھی کہ جس پر وہ گولی چلا رہا ہے وہ یوگیتا ہے مگر گولی یوگیتا کے پتا کے لگی اور کل آپ کے بھائی نے یوگیتا کو زندہ دیکھ کر اس پر ٹائم بم پھینکا لیکن آپ کے بھائی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ جس پر ٹائم بم پھینک رہا ہے وہ یوگیتا نہیں ہے۔"

"وہ یوگیتا نہیں تھی؟" انترا نے پوچھا۔

"نہیں۔ یوگیتا کے بھیس میں میرا اسسٹنٹ پردیپ تھا۔"

"اوہ شاید اسی لیے میرا بھائی گھبرا گیا کہ وہ پولیس افسروں سے بازی نہیں لے جا سکے گا۔"

"کیا آپ کا بھائی پرسوں رات آپ کے سامنے گھوڑے پر سوار ہو کر گیا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ کا بھائی جب پرسوں رات لوٹا تھا تو گھوڑا واپس لایا تھا؟"

"نہیں اس نے واپس آ کر کہا تھا کہ وہ گھوڑا اپنے کسی واقف جاگیردار کے ہاں چھوڑ آیا ہے۔"

"آپ کے بھائی نے آپ سے جھوٹ بولا۔" میجر نے کہا۔ "اس کے گھوڑے کو تو

میں نے پرسوں رات گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا اس کی لاش سرنگ میں پڑی ہے۔"

"مگر میرا بھائی دوسرے دن صبح گھوڑا واپس لے آیا تھا۔" انترا نے کہا اور پھر اسے جیسے کچھ یاد آ گیا۔ "اوہ میرا بھائی نیا گھوڑا لایا ہوگا۔ کیونکہ کل جب میں نے اس گھوڑے کی سواری کی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ راستہ بھول رہا ہے۔ اب میں سمجھی کہ ہم نے جس جاگیردار سے پہلا گھوڑا خریدا تھا۔ اس کے پاس دو جڑواں گھوڑے تھے۔ میرا بھائی مجھے اندھیرے میں رکھنے کے لیے وہ گھوڑا اس سے خرید لایا ہوگا۔"

میجر بہت خوش ہوا کیونکہ اس کا قیاس بالکل صحیح ثابت ہوا تھا وہ اب اس بات کا اور بھی قائل ہو گیا کہ انترا اس سے سچ بول رہی تھی۔ اس نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے انترا سے اس کو گہری ہمدردی ہوتی جا رہی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ قانون انترا کو بھی معاف نہیں کرے گا اس کو ایک قاتل کی شریک کار قرار دیا جائے گا۔

میجر نے اس سے آخری سوال پوچھا۔

"جب آپ کے چچا زندہ تھے۔ تو آپ کا کوئی رشتہ دار بھی آپ سے ملنے کے لیے نہیں آیا تھا؟"

ہمارا کوئی رشتہ دار نہیں۔ اگر کوئی ہے تو میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا میں صرف ایک آدمی کو جانتی ہوں جو سال میں ایک بار میرے چچا سے ملنے آتا تھا۔ وہ کوئی غریب آدمی تھا ہمارے ہاں ایک ہی رات رہتا تھا۔ صبح ہوتے ہی چلا جاتا تھا میری ماں کے رشتہ دار ہیں لیکن وہ کبھی ہم سے ملنے نہیں آئے۔ میرے چچا میری ماں کے رشتہ داروں کو پسند نہیں کرتے تھے۔"

"شکریہ۔" میجر نے کہا۔ "میں نے آپ کا کافی وقت ضائع کیا ہے۔ نمستے۔"

"نمستے؟" یہ کہہ کر انترا دکان کے اندر چلی گئی اور وہ سب حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں ٹھاکر صاحب نے اپنی موٹر روک لی میجر کی کار ان کی کار کے پیچھے تھی۔ جب میجر کی کار ان کے نزدیک آ گئی تو ٹھاکر صاحب نے اپنی کار سے باہر نکل کر کہا۔ "آپ چلیے میں یوگیتا سے مل کر آتا ہوں۔"

شام اب رات میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

"آج آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ کل صبح سے آپ کو پوری آزادی مل جائے گی۔

آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ نیوریشن دیوکر کا ساتھی ابھی آزادانہ طور پر گھوم رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم منزل پر پہنچ کر ناکام ہو جائیں اور دشمن کامیاب ہو جائے۔"

"آپ کہہ رہے ہیں کہ کل صبح سے مجھے پوری آزادی مل جائے گی کیا نیوریشن دیوکر کے ساتھی کو آج رات ہی اپنی گرفت میں لینے کی امید رکھتے ہیں؟"

"امید تو ہے لیکن اس کا انحصار حالات پر ہے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ اس کے ساتھی کو اس کے فرار اور اس کی موت کی خبر ہے یا نہیں ایک بات اور بھی ہے مجھے یہ دیکھنا ہے کہ نیوریشن کے ساتھی کو یہ اعتماد کہاں تک ہے کہ اسے کوئی خطرہ نہیں۔" یہ کہہ کر میجر، پردیپ سے مخاطب ہوا۔

"پردیپ تم نیوریشن دیوکر کی لاش آج ہی بستی ناگ گڑھ کے تھانے میں پہنچا دو۔ وہاں ڈیوٹی پر موجود پولیس افسر کو اپنے ساتھ لے آؤ۔ میں نیوریشن کی لاش آج ہی پولیس تھانے اس لیے بھیجنا چاہتا ہوں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ وہ مر چکا ہے۔"

پردیپ میجر کی موٹر میں نیوریشن دیوکر کی لاش لیے ہوئے بستی ناگ گڑھ کی جانب روانہ ہو گیا۔

پورنا اور میجر سنگرام سنگھ اور ٹھاکر ویر سنگھ بھی موٹر میں جا بیٹھے۔

کار حویلی کے احاطے میں داخل ہوئی میجر اس سے نکل کر ایک طرف کھڑا ہو گیا وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

پانچ منٹ کے بعد وہ حویلی میں داخل ہوئے جس میں اندھیرا تھا۔

"سری رام بابا کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے ورنہ یہاں اندھیرا ہرگز نہ ہوتا۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔" ٹھاکر صاحب نے کہا اور نوکروں کی کوٹھڑیوں کی طرف چل پڑے۔

نانا رائے نے حویلی کی بتیاں روشن کر دیں۔

"آپ میرے ساتھ ادھر آیئے۔" میجر سنگرام سنگھ نے نانا رائے سے کہا۔

میجر اسے اس کمرے میں لے گیا جس میں دستاویزات کا بڑا صندوق پڑا ہوا تھا اس کمرے کا فانوس روشن کر دیا گیا۔ میجر اس صندوق کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس نے اس کا تالا ٹٹول کر دیکھا اس کے ہونٹ گول ہو گئے اور وہ سیٹی بجانے لگا۔

اتنے میں ٹھاکر وہاں پہنچ گئے اور بولے۔ "سری رام بابا بخار میں پھنک رہا ہے آج

رات کا کھانا نہیں ملے گا۔"
"کیوں نہیں ملے گا۔" میجر نے کہا۔ "پورنا بہت اچھا کھانا بنالیتی ہے۔ میں یہاں سے نمٹ کر ابھی اس سے جا کر کہتا ہوں کہ آج وہ اپنا عورت والا فرض انجام دے۔" اس کے بعد میجر نے اپنا سر کھجاتے ہوئے ٹھاکر صاحب سے پوچھا۔ "اس صندوق کی چابیاں کہاں ہیں؟"

"میرے کمرے میں۔"

"آپ اپنے کمرے میں اس کی چابیاں کہاں رکھتے ہیں؟"

"اپنے صندوق میں رکھا کرتا تھا لیکن جس دن آپ نے مجھے یہ ہدایت دی تھی کہ میں ان چابیوں کو چھپا کر رکھ دوں۔ میں نے ان کو ایسی جگہ رکھ دیا تھا کہ ان کو میں ہی ڈھونڈ سکتا ہوں۔"

"آپ ذرا وہ چابیاں لے آئیے۔" میجر نے کہا۔

ٹھاکر صاحب اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

"آپ چابیاں کیوں منگوا رہے ہیں؟" نانا رائے نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہماری غیر حاضری میں کسی نے یہ صندوق کھولا ہے یا کھولنے کی کوشش کی ہے۔" میجر نے جواب دیا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نیوریشن دیوکر کا ساتھی یہاں آیا تھا؟"

"ہاں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹھاکر صاحب کو ابھی خطرہ موجود ہے۔"

"اسی لیے تو میں نے ان کو یوگیتا کے گھر جانے نہیں دیا تھا۔"

ٹھاکر صاحب واپس آگئے ان کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

"چابیاں وہاں نہیں ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ظاہر ہے، نیوریشن کے ساتھی نے میدان خالی پا کر اپنا کام جاری رکھا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس مرتبہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو چکا ہے۔"

"یعنی مخبر خزانے کا نقشہ لے جا چکا ہے۔"

"ہاں۔"

ٹھاکر صاحب کا رنگ اور پھیکا پڑ گیا۔

"دشمن نقشہ لے جانے میں کامیاب ہو چکا ہے تو اپنے دوسرے مقصد میں بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔ مجھ پر یا یوگیتا پر کسی بھی وقت حملہ کر سکتا ہے ہماری زندگی ابھی تک خطرے میں ہے۔" ٹھاکر صاحب نے کہا "لیکن آپ تو یہ کہتے تھے کہ آج رات نیوریشن کے ساتھی کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔"

"مگر میں نے یہ شرط بھی تو عائد کی تھی کہ اگر حالات موافق ہوئے تو دشمن کو پکڑا جا سکے گا۔" میجر نے کہا۔

"کیا حالات ناموافق ہیں؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"موافق ہیں۔" میجر سنگرام نے کہا۔

میجر کے اس ڈرامائی انکشاف پر نانا رائے اور ٹھاکر صاحب حیران رہ گئے۔

"اگر حالات موافق اور سازگار ہیں تو اسے پکڑنے میں کیا دیر ہے؟" ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

"کوئی دیر نہیں؟" میجر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں پورنا کے پاس جا کر اسے کھانا تیار کرنے کے لیے کہہ آؤں۔" میجر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

نانا رائے اور ٹھاکر وہیں کھڑے رہے اور ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے رہے۔

میجر ہاتھ میں ٹارچ لیے واپس آ گیا۔

"چلیے میں آپ کو نیوریشن دیوکر کے ساتھی سریندر دیوکر سے ملاتا ہوں۔"

"آپ تو اس کا نام بھی جانتے ہیں۔" ٹھاکر صاحب کے منہ سے نکلا۔

"میں اس کا نام ہی نہیں اسے بھی جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔"

"کہاں رہتا ہے؟" ٹھاکر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"قریب ہی رہتا ہے آپ بے قرار کیوں ہوئے جاتے ہیں۔" وہ تھوڑی ہی دور

آگے بڑھے تو میجر نے ٹھاکر صاحب سے پوچھا۔ ''سری رام بابا کا کمرہ کہاں ہے ذرا دیکھیں تو اسے کہیں زیادہ بخار تو نہیں ہے۔''

ٹھاکر صاحب میجر کو سری رام بابا کے کمرے میں لے گئے۔ میجر نے بخار میں پھنکتے ہوئے سری رام بابا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیجئے نیوریشن دیو کر کا دوسرا ساتھی آپ کے سامنے موجود ہے۔ سری رام دیو کر۔''

ٹھاکر صاحب اور نانا رائے میجر کی اس ڈرامائی انکشاف پر بھونچکے رہ گئے ٹھاکر صاحب کے منہ سے نکلا۔ ''سری رام بابا میرے خاندان کا وفادار نوکر ہے۔''

''ہاں ٹھاکر صاحب! آپ کے خاندان کی کہانی ایک بھیانک انتقام کی کہانی ہے اس کے بارے میں غور کرتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دیو کر خاندان اپنے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد آپ کے خاندان میں ملازم بھی کرواتا رہا ہے۔ اس نوکر کی مدد سے آپ کے خاندان میں ہر قسم کی وارداتیں کروائی جاتی تھیں۔ آپ کے یہاں نوکر اس لیے اچھے دن کاٹ لیتے تھے کیونکہ وہ اپنی وفاداری کا بے پناہ ثبوت دیا کرتے تھے لیکن دراصل وہ اپنے خاندان کے وفادار ہوتے تھے۔ مخبری کرتے تھے اور سنگین جرائم میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ آپ اس امر پر غور کیجئے کہ یہ لوگ کتنے سخت جان تھے اپنے خاندان کے انتقام کی روایت کو برقرار رکھنے کے لیے کس قدر ایثار کر سکتے تھے۔

نیوریشن دیو کر اپنی بہن کو گدھ کے ساتھ یہاں اس لیے بھی بھیجتا تھا کہ سری رام بابا خبردار ہو جائیں۔ آپ کے دستاویزات والے کمرے میں سری رام بابا اپنے خاندان کا بابا ہمن کردہ نقشہ چرانے آتا تھا۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ سری رام بابا گرانڈیل شخص ہے۔''

سری رام بابا میجر کی باتیں سن رہا تھا لیکن اپنی کراہوں سے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں سن رہا۔ وہ میجر کے منہ سے اپنا اصلی نام سن کر سخت حیران ہو رہا تھا۔

''میجر صاحب، سری رام بابا کو ایسا بھیس بدل کر وہ نقشہ چرانے کی کیا ضرورت تھی وہ اس نقشے کو بہت پہلے چرا سکتا تھا۔ میں اکثر اپنے گھر سے باہر بھی رہا ہوں۔ مثلاً میں آپ کے پاس شہر بھی گیا تھا وہاں دو دن رہا۔'' ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔

''آپ بھی بہت بھولے ہیں۔ نیوریشن کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا اس نے پہلے سری رام بابا کو نقشے کا اصل راز بتایا ہی نہ ہوگا۔ حال ہی میں اسے آگاہ کیا ہوگا اور خزانے میں سے

کچھ حصہ دینے کا وعدہ کیا ہوگا۔'' میجر کچھ سوچنے کے لیے رکا تو نانا رائے نے پوچھا۔

''سری رام بابا کو چور بن کر آنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟''

''نیوریشن ہر بات کو جانی بوجھی سازش کا رنگ دینے سے گریز کرتا تھا سری رام بابا اس کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کرتا رہا۔''

''او میرے بھگوان مجھے تو اس پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک خاندان میں انتقام کا جذبہ اتنی شدت سے کیونکر موجود رہ سکتا ہے۔''

''یہی تو اس قصے کی خصوصیت ہے۔'' میجر نے سری رام بابا کی چارپائی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میجر نے سری رام بابا کی چارپائی کے قریب جا کر اس کے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالا وہاں سے دستاویزات والے صندوق کی چابیاں نکال کر ٹھاکر صاحب کو دکھائیں۔ سری رام بابا نے میجر کی طرف دیکھا اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

''سری رام بابا وہ نقشہ کہاں ہے؟'' سری رام بابا نے اپنے بستر کی دری کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر دے دیا اور منہ سے کچھ نہ کہا۔

''لیجئے نقشہ بھی لیجئے۔'' میجر نے ٹھاکر صاحب کو کاغذ دیتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر صاحب کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں اور وہ سری رام بابا کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

''یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ سری رام بابا نے کسی تیز دھار والے آلے سے اپنے کندھے پر جو زخم لگایا تھا اس کا زہر اس کے جسم میں پھیل گیا اور اس کو بخار آ گیا ورنہ سری رام بابا کو ڈھونڈ نکالنا جوئے شیر لانے کے برابر ہو جاتا اور سری رام بابا نقشہ لے کر رفو چکر ہو چکا ہوتا۔ خیر پردیپ تھوڑی دیر بعد پولیس افسر کو ساتھ لے آئے گا۔ سری رام بابا کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وہی آ کر بیان بھی قلم بند کرے گا سری رام بابا کو ہسپتال میں داخل کروانے کی ذمے داری بھی اسی کی ہوگی۔''

میجر جان بوجھ کر ایسی باتیں کر رہا تھا تا کہ سری رام بابا پر نفسیاتی اثر ڈال کر اسے اپنے جرم کا اقبال کرنے پر تیار کیا جائے۔ میجر کی چال کامیاب ثابت ہوئی۔

سری رام بابا نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''میں اسپتال نہیں جاؤں گا۔ میں نے اپنی

ساری عمر ہمیں اس گھر میں کاٹ دی ہے اپنے بزرگوں کے گھر میں دیو کر خاندان کی شاخوں میں سے میرے ہی خاندان کی شاخ اتنی خوش قسمت رہی ہے کہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی شخص اس چھت کے نیچے سوتا رہا ہے اور اپنا فرض خوش اسلوبی سے سرانجام دیتا رہا چار سو برس سے۔"

"کیا مطلب؟" میجر نے پوچھا۔

"میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ میں جیل سے یا موت سے بالکل نہیں ڈرتا۔" سری رام بابا نے رعب دار آواز میں کہا۔ "میں خوش ہوں کہ میرا جنم سپھل رہا مجھے جو کام سونپا گیا تھا میں نے اسے پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔" اور پھر جانے سری رام بابا کو کیا خیال آیا کہ وہ بھڑک اٹھا اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ اس نے نعرہ لگانے کے انداز میں کہا۔

"ہمارے دشمن ضرور برباد ہو جائیں گے۔"

"تمھارا دشمن کون ہے؟" میجر نے پوچھا۔

"ٹھاکر پریوار۔"

ٹھاکر صاحب کی مٹھیاں بھنچ گئیں وہ اپنے دانت پیسنے لگے میجر نے ان کو آنکھ کے اشارے سے زیادہ برہم ہونے سے روک دیا۔

"اب ٹھاکر پریوار کو کوئی برباد نہیں کر سکے گا نیوریشن دیو کر آج ایک موٹر حادثہ میں پرلوک سدھار چکا ہے اور تمھارا بھید کھل چکا ہے۔"

"نیوریشن دیو کر سدھار چکا ہے؟" سری رام بابا نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ "نیوریشن مر گیا مگر اندرا تو زندہ ہے اسے اپنے خاندان کی پرتگیہ پوری کرنی ہوگی۔"

"اندرا!" میجر نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اندرا کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔" میجر نے جھوٹ بولا۔

میجر کے اس جھوٹ کا فوراً اثر ہوا۔ سری رام بابا جو کہنیوں کے بل بستر پر بیٹھ گیا تھا پھر سے چارپائی پر لیٹ گیا اس کے منہ سے نکلا۔

"اوہ...... اوہ میرا بدن بخار میں بھنتا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ٹھاکر پریوار کو تباہ کرتے کرتے ہم خود تباہ ہو گئے۔ کیا اب بدلہ لینے والا کوئی نہیں رہا؟"

"سری رام بابا ظلم کی عمر لمبی نہیں ہوتی۔ ایک دن اسے اپنے گناہوں کا حساب چکانا پڑتا ہے لیکن میں تمھاری تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتا کہ تم نے اپنے خاندان کا بدلہ لینے کے

لیے اپنی ساری عمر غلامی میں بسر کر دی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بدلے کا جذبہ اتنی دیر تک کیسے برقرار رہ سکتا ہے۔"

"یہ بدلہ کے جذبے کا سوال نہیں۔ یہ خاندانی روایت کی بات ہے یا ایک مجبوری تھی اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔"

"وہ کیسی مجبوری تھی؟"

"دیو کر خاندان کی دو شاخیں ہو گئیں تھیں ویسے تو وہ الگ ہو گئے تھے لیکن بدلے کی جو روایت اپنائی گئی تھی اس نے خاندان کی دونوں شاخوں کو آپس میں باندھے رکھا۔ خاندان کی ایک شاخ نے یہ کام سنبھالا کہ وہ بڑی ہوشیاری سے ٹھاکر خاندان کے افراد کو موت کی نیند سلاتا رہے گا اور خاندان کی دوسری شاخ نے یہ ذمہ اپنے اوپر لیا کہ وہ اپنے ایک نہ ایک فرد کو ٹھاکر خاندان کا ملازم بنا کر اس حویلی میں بھیجتا رہے گا اور ٹھاکر خاندان کا وہ ملازم ٹھاکر خاندان کے ہر بھید سے اپنے خاندان کو آگاہ کرتا رہے گا۔ ٹھاکر خاندان کا صفایا کرنے میں اپنے خاندان کا ہاتھ بٹاتا رہے گا۔ میں اپنے خاندان کی اس شاخ سے تعلق رکھتا ہوں جو کئی نسلوں تک ٹھاکر پریوار کے لیے نوکر مہیا کرتی رہی ہے۔" سری رام بابا کا گلا خشک ہو گیا اس نے پانی مانگا۔

میجر نے اس کی چارپائی کے پاس پڑے ہوئے گھڑے میں سے ایک گلاس پانی انڈیلا اور وہ گلاس اور دوسری رام بابا کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ٹھاکر پریوار کے ہاں نوکری کے لیے ہمارے خاندان میں لاٹری ڈالی جاتی تھی۔ لاٹری میں جس کا نام نکلتا ٹھاکر پریوار کی نوکری اس کی قسمت بن جاتی۔ اس بچے کو گھریلو ملازمت کی تربیت دی جاتی اس تربیت کے بعد اسے مندر میں لے جایا جاتا اس سے قسم دلوائی جاتی۔ ساتھ ہی ساتھ اسے وفاداری کی قسم بھی دی جاتی تھی کہ اپنے مالک کے ساتھ وفادار رہنے کے سوا کبھی اپنے خاندان سے غداری نہیں کرے گا۔ اسے ٹھاکر پریوار سے نفرت بھی سکھائی جاتی تھی۔ جب میرے ماموں کو شک کی بنا پر ٹھاکر خاندان نے نوکری سے جواب دے دیا تو میں پہلے ہی مندر میں جا کر وہ مخصوص قسم کھا چکا تھا۔ ٹھاکر پریوار کی ملازمت بچپن ہی میں میرے حصے میں آ چکی تھی میں نے لمبی عمر پائی۔ میرے ہوتے ہوئے ٹھاکر خاندان کے دو فرد قتل کیے جا چکے ہیں۔

ٹھاکر صاحب کے پتا اور ان کے بڑے بھائی، میں خوش ہوں کہ میں نے ان کے قتل میں ہاتھ بٹایا۔ آج سے کئی برس پہلے میں نے ہی نیوریشن دیو کر کے پتا کو جان بوجھ کر بتایا تھا کہ ٹھاکر جیون سنگھ کے پتا فوج میں کرنل بن کر جا رہے ہیں اور انھوں نے بدیش میں جا کر ٹھاکر صاحب سے بدلہ لیا۔ نیوریشن نے میری ہی مدد سے بلرام سنگھ کو ٹھکانے لگایا۔" سری رام بابا سانس لینے کے لیے رکا۔

"جب تمھارے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد ٹھاکر خاندان میں آ کر ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا تو پھر ایک ایک کر کے ٹھاکر پریوار کے افراد کو ہلاک کیوں کیا جاتا تھا وہ بڑی آسانی سے کھانے میں زہر ملا کر سارے ٹھاکر پریوار کو موت کے گھاٹ اُتار سکتا تھا۔"

"وہ ملازم ایسا نہیں کر سکتا تھا ٹھاکر پریوار کے صرف اسی فرد کو ہلاک کرنا ہوتا تھا جو اپنے باپ کی موت کے بعد حویلی کا مالک بنتا تھا اور ٹھاکر کا لقب پاتا تھا۔ نوکر کو ٹھاکر خاندان کے کسی فرد کو قتل کرنے کی اجازت اس لیے بھی نہیں تھی کہ ہمارا خاندان دنیا پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ٹھاکر خاندان کے سربراہ کو قتل کیا جاتا ہے وہ اس کے قتل کا سبب کو بددعا کو قرار دینا چاہتا تھا۔"

"ہوں۔" میجر نے کچھ سوچتے ہوئے سری رام بابا کے ہاتھوں کی طرف دیکھا اس کے ہاتھوں پر بڑی بڑی خراشیں تھیں۔

"کیا تم نے ہی نیوریشن کو گدھ سدھا کر دیا تھا؟"

"ہاں مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"سری رام بابا میں نے تو پہلے ہی دن تمھارے ہاتھوں پر خراشیں دیکھ لی تھیں۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی جانور کی تیز چونچ کے نشانات ہیں؟"

سری رام بابا نے اپنے ہاتھ فوراً چھپا لیے اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمھاری طبیعت زیادہ خراب ہے لیکن فکر کی کوئی بات نہیں پولیس افسر کے ساتھ تمھیں اسپتال بھیج دیا جائے گا۔" میجر نے کہا۔

اس دفعہ سری رام بابا نے کوئی احتجاج نہیں کیا اور خاموش رہا۔

میجر ٹھاکر صاحب سے مخاطب ہوا۔ "اب میں آپ کو ایک اور عجیب منظر دکھانا چاہتا ہوں آپ میرے ساتھ اپنے خاندانی مندر میں چلیے۔ اس کی چابی لے آیئے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب مندر میں داخل ہوئے مندر میں بہت اندھیرا تھا مگر ٹارچ کی روشنی اچھا کام دے رہی تھی۔ میجر نے مندر کی وہی کوٹھڑی کھولی جس کے فرش کی سِل اپنی جگہ سے ہٹ جاتی تھی اور سیڑھیاں تہہ خانے میں جاتی تھیں۔

ٹھاکر صاحب اور نانا رائے نے اس تہہ خانے میں ایک بھیانک منظر دیکھا۔ چاروں طرف ہڈیوں کے ڈھانچے تھے انسانوں کے مکمل ڈھانچے۔

"آپ ایک سائنس دان ہیں۔" میجر نے نانا رائے سے کہا۔ "کیا آپ ان ڈھانچوں کو دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ یہ ہڈیوں کے ڈھانچے مردوں کے ہیں یا عورتوں کے؟"

نانا رائے نے میجر سے ٹارچ لے کر اس کی روشنی میں ہڈیوں کے ان ڈھانچوں کا معائنہ کیا اور پھر بولا۔ "یہ عورتوں کے ڈھانچے ہیں۔"

"میرا بھی یہی یقین تھا۔" میجر نے کہا اور پھر ٹھاکر صاحب سے مخاطب ہوا۔ "یہ آپ کے خاندان کی ان عورتوں کے ڈھانچے ہیں جن کے ہاں زیادہ اولاد ہوتی تھی۔ اور وہ گم ہو جایا کرتی تھیں۔ آپ کے گھر کے ملازم ان کا ڈھانے والے بھیدی ہوتے تھے جب آپ کے خاندان کی وہ عورت مندر میں کبھی اکیلی نہانے آتی تھی تو اسے تہہ خانے میں گھسیٹ کر لے جایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے خاندان کی ہر گم شدہ عورت کا پتہ نہ چل سکا۔"

ٹھاکر صاحب نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں چار سو سال کی خاندانی تاریخ کی ہولناکی میں اور اضافہ ہو گیا۔

"آؤ چلیں۔ میں نے اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے اور آپ کو بھیانک خاندانی بددعا سے نجات دلا دی ہے۔" میجر نے کہا۔

جب وہ واپس حویلی پہنچے تو پورا کھانا تیار کر چکی تھی اور پردیپ بھی بستی نائک گڑھ کے پولیس افسر کے ہمراہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ پولیس افسر اپنے محکمے کی وین میں آیا اور اپنے ساتھ دو کانسٹیبلوں کو لایا تھا۔

کھانے کی میز پر میجر نے پولیس افسر کو ساری کہانی سے آگاہ کر دیا۔ جب پولیس افسر سری رام بابا کا بیان لے چکا تھا۔ جس کا نام سریندر دیو کر تھا تو میجر کی ایک ایک بات کی تصدیق ہو گئی۔

تھا کر میجر سنگرام سنگھ کو اس طرح دیکھتے رہے جیسے کوئی عقیدت مندانہ نظروں سے اپنے سب سے پیارے اور قابل تعظیم دیوتا کی طرف دیکھتا ہے۔

پولیس افسر اسی رات سری رام بابا اور اندرا دیو کر کو اپنے ساتھ لے گیا۔ نیوریشن دیو کر کی لاش پہلے ہی پر دیپ کے ساتھ بھیج دی گئی تھی۔ میجر سنگرام سنگھ کا کہنا تھا کہ فوج سے نکالے جانے کے بعد اس کی پوری زندگی ہی پُراسرار واقعات میں گزری۔ خاص طور سے وہ اس کہانی کو بڑے عجیب انداز میں بیان کرتا جس میں ایک ایسے آدمی کی زندگی کے واقعات تھے جو کہتا تھا کہ وہ کبھی انسان تھا لیکن اب سانپ ہے۔ میجر نے نانارائے کو یہ داستان سناتے ہوئے کہا۔

وہ ایک خوبصورت جوان تھا کیا تم یقین کرو گے نانارائے کہ اس نے میرے سامنے جون بدل کر خود کو سانپ کے روپ میں ڈھال لیا تھا۔

''یقین تو نہ کرتا لیکن یہ جانتا ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتے۔

''یہ بالکل سچ ہے میری اس سے ملاقات بہت عجیب حالات میں ہوئی تھی جس کی تفصیل پھر کبھی سناؤں گا لیکن مجھے اس قدر متاثر کر لیا کہ میں اس کی زندگی کے واقعات میں کھو گیا بہت ہی پُراسرار شخصیت کا مالک تھا جب اس نے کہا کہ وہ سانپ ہے تو میں ہنس پڑا تھا۔

تمہاری ہنسی بجا ہے لیکن تمہارا تجربہ مختصر اور وجہ بھی ٹھیک ہے تمہاری عمر ہی کتنی ہے۔''

''کیا تم مجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہو؟ میجر نے سوال کیا تو وہ مسکرا دیا۔ پھر پُرخیال لہجے میں بولا۔

''اس وقت کا کوئی تعین نہیں تھا اس لیے اس دور کو کوئی نام نہیں دے سکتا تم اسے دس ہزار سال قبل مسیح سنین کہہ سکتے ہو۔''

''کیا؟'' میجر نے حیرت سے کہا۔

ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں اس وقت میرا کوئی نام بھی نہیں تھا بعد میں میرے بہت سے نام بدلے میں اس وقت بھی تھا اور پھر بے شمار ادوار میں رہا۔ بہت سے روپ بدلے یہاں تک کہ موجودہ دور تک پہنچا۔

''بکواس کر رہے ہو؟''

''میں سانپ کے بدن میں تھا اور اپنے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے میری سوچ لمحوں میں میرے وجود کو بدل دیتی تھی۔''

''خوب۔'' میجر نے مسکراتے ہوئے کہا اس کا خیال تھا کہ یہ شخص اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔ میجر نے اس سے بہت سے سوالات کیے لیکن وہ صرف اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا اس نے اپنی بات کو مسلسل کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں تم یقین کر لو۔''

''تم جو کہنا چاہتے ہو کہتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔'' میجر نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن عجیب ڈھیٹ وجود تھا کسی شے کو خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا جب کہ میجر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی بکواس مکمل کر لے اس کے بعد اسے دیکھے گا اس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔

☆☆☆

رات گہری ہوئی آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاروں طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ میں اپنی آرام گاہ میں لیٹا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ یہ جگہ کچھ وقت گزارنے کے لیے بہتر ہے۔ اب یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کتنے دن یہاں دل لگے گا۔ ہو سکتا ہے کہ طبیعت بہت جلد اکتا جائے۔ اب اس بات سے تو انکار نہیں کر سکتا تھا کہ انسان نہیں ہوں۔ انسانی فطرت بہرطور انسانوں کو ہی طلب کرتی ہے۔ بے زاری کی یہ کیفیت بہت جلد ختم ہو جائے۔ اور میں پھر انسانوں ہی کے درمیان جانے کی خواہش دل میں پاؤں لیکن اس پُر فضا مقام سے بہرطور کچھ عرصے لطف اندوز ہوں گا بعد میں دیکھا جائے گا جیسی بھی صورت حال ہو۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ اچانک کانوں میں موسیقی کی آواز ابھری ہوا کے دوش پر یہ آواز مدھم مدھم سُروں میں مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے دن کی روشنی میں تو میں نے یہاں انسانی زندگی کا نشان بھی نہیں پایا تھا پھر یہ کون ہے؟ ایک تجسس دل میں ابھرا اور میں اس تجسس کو دبا نہ سکا۔ ذرا دیکھوں تو سہی ان آوازوں کا کیا راز ہے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور آوازوں کی کھوج میں چل پڑا۔ گھنگھرو کی جھنکار طبلے کی تھاپ اور دوسرے سازوں کی آواز اس بات کا اظہار کر رہی تھی کہ یہ صرف سماعت کا واہمہ نہیں ہے بلکہ حقیقتاً کہیں رقص و موسیقی کا دور چل رہا ہے۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ آواز اس آبشار کے دوسری جانب سے آ رہی ہے۔ جسے میں نے دن کی روشنی میں دیکھا تھا اور جو اب بھی دودھ کی سفید دھاروں کی مانند بلندیوں سے بہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ پہاڑی زیادہ وسعتوں میں نہیں ہے اور اس کے دوسری جانب یا تو کوئی آبادی ہے یا پھر کوئی ایسا سلسلہ جو اس وقت میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ میں اپنے تجسس کو کسی طور نہ دبا سکا اور اچھا خاصا طویل سفر طے کر کے آبشار کے قریب پہنچ گیا۔ آوازیں زیادہ واضح ہو گئی تھیں اس میں انسانی آوازیں بھی شامل تھیں۔

میں بالآخر آبشار کے دوسری طرف جانے کا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا گھور سناٹے اور اندھیرے میں اس طرف اُجالے ایک چھوٹے سے حصے کو منور کیے ہوئے تھے۔ خاص قسم کی مشعلیں جلائی گئی تھیں جو ہواؤں سے بھی نہ بجھیں اور ان مشعلوں کے درمیان ایک سجا سجائی ہوئی تھی۔ دو نازنین ناریاں رقص پیش کر رہی تھیں۔ جنگل میں منگل منایا جا رہا تھا کیونکہ آس پاس کوئی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاید کوئی قافلہ تھا جو یہاں وقت گزاری کے لیے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ غرض یہ کہ یہ حسین منظر میری آنکھوں کے سامنے واضح ہو گیا۔

میں نے کچھ اور قریب جا کر ان رنگ رلیاں منانے والوں کا نظارہ کرنے کے بارے میں سوچا اور چھپتا چھپاتا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ان لوگوں کو دیکھا جا سکتا تھا۔ سو میں نے دیکھا کہ پریوں کا ایک غول ہے۔ جس نے ایک بڑی اور وسیع چٹان پر ڈیرہ جما رکھا تھا۔ آس پاس چھوٹے چھوٹے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ ان خیموں سے کافی فاصلے پر سپاہی ایستادہ تھے وہ خاص قسم کے لباس پہنے ہوئے مستعد تھے لیکن یوں لگتا تھا جیسے انہیں اس حسین مجمع کے پاس آنے کی اجازت نہیں ہے اور وہ صرف پہرہ دے رہے ہیں۔

اپسراؤں کے غول میں ایک چاند لٹکا ہوا تھا چھوٹے سے سنگھاسن پر انتہائی زرق برق لباس میں ملبوس ایک ایسی لڑکی جسے دیکھ کر آنکھیں بند نہ کرنے کو جی چاہے۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے پریوں کا رقص دیکھ رہی تھی۔ لڑکیاں ہی ساز بجا رہی تھیں اور لڑکیاں ہی جام لنڈھا رہی تھیں یہ حسین محفل مجھے بہت پسند آئی لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ ان لوگوں کے قریب جا کر خود کو نمایاں کر دینا لاتعداد مصیبتوں کا باعث بن سکتا ہے دور ہی سے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ بہت دیر تک میں یہ رقص دیکھتا رہا وہ دو لڑکیاں تھک کر بیٹھ گئیں تو دوسری دو لڑکیوں نے رقص کرنا شروع کر دیا۔ پھر بہت دیر کے بعد وہ مست شباب حسینہ انگڑائی لے کر کھڑی ہو گئی اور اس نے ہاتھ اٹھا کر جانا لڑکیوں سے رقص و سرود بند کرنے کے لیے کہا۔

مشعلیں آہستہ آہستہ بجھنے لگیں۔

اپسرا ایک خیمے کی جانب چل پڑی اور پریوں کا غول اس کے پیچھے لگ گیا۔ پھر وہاں مکمل تاریکی چھا گئی تھی۔ وہ سب آرام کرنے لیٹ گئی تھیں میں بھی اپنی قیام گاہ کی طرف واپس پلٹ پڑا اور کچھ دیر بعد اپنے مخصوص ٹھکانے پر جا لیٹا۔ دوسری صبح بڑی خوشگوار تھی۔ منظر

ننھی بوندیں آسمان سے ٹپک رہی تھیں اور ان کی رفتار اس قدر مدھم تھی کہ بس ایک ہلکی سی پھوار کا احساس ہوتا تھا۔ کچھ فاصلے پر جھرنے کا سفید پانی بہتا ہوا گزر رہا تھا اور یہ ننھی منی بوندیں اس میں شامل ہو کر ایک عجیب سی بہار دے رہی تھیں۔ میں آوارہ گردی کرنے والے انداز میں چل پڑا اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے جھرنا گر رہا تھا۔

میں نے پانی میں قدم رکھ دیے اور اس کے بعد ایک خوشگوار غسل کرنے لگا۔ پانی کی گہرائیاں میرے لیے بہت مست کن تھیں۔ بہت دن کے بعد ایسے قدرتی ماحول میں نہانے کا موقع ملا تھا۔ میں بہت دیر تک پانی کے اندر ہی اندر تیرتا رہا اور پھر کچھ فاصلے پر ابھرا لیکن جیسے ہی میں نے سر ابھارا، ایک ہلکی سی آواز میرے کانوں میں گونجی، نسوانی آواز تھی اور انداز چیخنے کا سا تھا۔ میں نے حیرانی سے ادھر نگاہیں دوڑائیں تو وہی رات والی حسینہ کچھ فاصلے پر پانی میں نظر آئی لیکن اس طرح کہ ہوش وحواس معطل ہو جائیں۔

اس کے سارے بال بھیگے ہوئے تھے اور وہ شبنم سے دھلے پھول کے مانند نظر آ رہی تھی۔ میری نگاہیں اس پر جم گئیں۔ وہ وحشت کے عالم میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا آس پاس کوئی موجود نہیں تھا وہ بے لباس ہونے کی وجہ سے پانی سے نکل کر بھاگ بھی نہیں سکتی تھی بہرحال کچھ اخلاقی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور میں چونکہ جان بوجھ کر وہاں نہیں گیا تھا بلکہ پانی کے نیچے نیچے تیرتا ہوا اس جگہ تک پہنچ گیا تھا ورنہ اگر میں اسے اس طرح دیکھ لیتا تو اس کے قریب جانے کی کوشش نہ کرتا۔ میں رخ پلٹ کر دوسرے کنارے کی سمت چل پڑا اور پھر کنارے سے ابھر کر بھی میں نے اس کی طرف منہ نہیں کیا بلکہ سیدھا سیدھا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے حسن وجمال کا عکس میرے دل پر جم گیا تھا بلاشبہ انتہائی حسین لڑکی تھی ایسی کہ ایک بار دیکھنے کے بعد بار بار دیکھنے کو جی چاہے۔ میں نے اسے ایک ہی نگاہ میں پہچان لیا تھا وہی تھی جس کی سب ناز برداریاں کر رہے تھے۔ ہو گی مجھے کیا، بہرحال میں تھوڑی دیر کے بعد اپنے ٹھکانے پر واپس آ گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔

واقعی انسان سوچتا تو ہے کہ اسے پُرسکون گوشوں میں زندگی گزار کر زندگی کا لطف حاصل کرنا چاہیے لیکن یہ کام تو ان درویشوں، ولیوں، رشیوں اور منیوں ہی کا ہے کہ جو دنیا

تیاگ کر پہاڑوں میں جا بستے ہیں۔ وہ شخص جسے زندگی کی دلکشی کا احساس ہو چار دن بھی انسانوں کی دنیا سے دور نہیں رہ سکتا۔ ہاں، پدم چند کے ساتھ میں نے جو وقت گزارہ تھا وہ تو درحقیقت انسانی وقت ہی نہیں تھا۔ اس وقت میری اپنی سوچوں میں نجانے کیا کچھ شامل ہو چکا تھا۔

چنانچہ اس وقت کے بارے میں تو سوچنا ہی حماقت کی بات تھی وہاں سے نکل کر جب ایک بار پھر اپنے آپ کو انسانوں کے درمیان پایا تھا تو خیالات ہی بدل گئے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ ساری عمر انسانوں کی قربت میں گزاری جا سکتی ہے۔ ان سے دور رہ کر چند لمحات گزارنا بھی ایک مشکل کام ہے۔ بہرحال دیکھتے ہیں کتنا وقت اس طرح گزر سکتا ہے اس کے بعد کسی انسانی آبادی کا رخ کریں گے۔ بس یونہی نجانے کب تک سوچتا رہا تھا۔ بوندیں بند ہو گئی تھیں اور اب آسمان سے بادلوں کی دھند چھٹنے لگی تھی۔ ابھی میں اپنی سوچوں میں ہی گم تھا کہ مجھے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور اس وقت میں چونک کر اٹھ بیٹھا جب میں نے کچھ فاصلے پر پانچ چھ سپاہیوں کو دیکھا جو میری جانب چلے آ رہے تھے ایک لمحے میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ وہی سپاہی ہیں جو رات کو پہرہ دے رہے تھے میں اٹھ کھڑا ہوا بلاوجہ مجھ سے جھگڑا مول لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا یقینی طور پر میرے بارے میں ہی انہوں نے قدم اٹھایا ہے۔

سپاہی میرے پاس پہنچ گئے آگے والے شخص نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"جے ہو مہاراج کی آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟"

"ہاں پوچھو۔" میں نے سپاہی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا صبح صبح جھرنے کے کنارے آپ ہی نہا رہے تھے؟"

"ہاں میں ہی تھا۔" میں نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔

کماری نندنی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"کون کماری نندنی۔"

"ہماری راج کماری ہیں ریاست پورنیا کی راجکماری۔"

"کیوں ملنا چاہتی ہیں وہ مجھ سے؟"

"مہاراج انھوں نے آپ کے لیے سندیس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ وہ دوستوں کی طرح آپ سے ملنے کی آرزو رکھتی ہیں اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ ان کی آرزو پوری

کریں۔"

"اگر وہ دوستوں کی طرح ملنا چاہتی ہیں تو مجھے چلنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں بھی اس وقت جھرنے کے پانی میں نہا رہا تھا جب تمھاری کماری وہاں پانی میں نہا رہی تھیں لیکن اس کے بعد میں خاموشی سے وہاں سے واپس چلا آیا۔"

"کماری جی کو آپ کی یہ بات بہت پسند آئی ہے وہ آپ کی تعریفیں کرتے ہوئے یہ بات بتا رہی تھیں کہ آپ بہت اچھے آدمی ہیں چلیں گے مہاراج۔"

"ہاں چلو...... اگر یہ بات ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں میں نے ان سے پوچھا کہ انھیں یہ کس طرح پتہ چل گیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔

"کماری نندنی نے کہا تھا آپ اسی علاقے میں موجود ہیں اور اسی علاقے میں آپ کی تلاش کی جائے ہم تو بہت دیر کھوج کے بعد یہاں تک پہنچے ہیں مہاراج۔"

کچھ دیر کے بعد میں اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں خیمے لگے ہوئے تھے بہت ہی خوبصورت خیمے لگے ہوئے تھے تھوڑے فاصلے پر سپاہی اب بھی ٹہل رہے تھے لیکن شاید ان کے لیے جگہ مخصوص کر دی گئی تھی وہاں سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ جب مجھے لانے والے سپاہی ایک مخصوص جگہ پر پہنچے تو وہاں میں نے دو لڑکیوں کو دیکھا جو غالباً انتظار کر رہی تھیں۔ انھوں نے بھی مجھے پُر شوق نگاہوں سے دیکھا اور ان کی آنکھوں پسندیدگی کے جذبات ابھر آئے۔

"یہی ہیں وہ۔" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"ہاں یہی ہیں ہم نے معلوم کر لیا ہے۔"

"آیئے مہاراج۔" ایک لڑکی اپنے ہونٹ چباتی ہوئی بولی۔ عجیب سا انداز تھا اس کا آنکھوں میں شوخی کی جھلکیاں چہرے پر شوخ مسکراہٹ چال میں بانکپن۔ دونوں کی دونوں میرے دونوں سمت چل پڑیں اور پھر وہ مجھے لیے ہوئے اس بڑی چھولداری کے پاس پہنچ گئیں۔ جس کے سامنے لڑکیاں ہی پہرہ دے رہی تھیں۔

"اندر چلیے مہاراج۔" مجھے ساتھ لانے والیوں نے کہا۔ اور میں پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔

وسیع و عریض چھولداری کو اس جنگل میں بھی کسی عالی شان محل کے کمرے کے مانند سجاوٹ دی گئی تھی۔ دو لڑکیاں اس کے پیروں کے پاس بیٹھی تھیں۔ ایک پیچھے مور چھل جھل رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور پھر ہاتھ اٹھا کر وہاں موجود لڑکیوں سے چلے جانے کے لیے کہا۔ تینوں کی تینوں لڑکیاں گردن جھکائے چھولداری سے باہر نکل گئی تھیں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"بیٹھیے مہاراج۔ وہ آپ کے لیے سنگھاسن موجود ہے۔"

میں بیٹھ گیا میں نے کہا۔ "آپ نے مجھے بلایا ہے کماری جی۔"

"ارے آپ کو تو ہمارا نام بھی معلوم ہو گیا۔"

"آپ کے سپاہیوں نے مجھے بتایا تھا کہ کماری نندنی نے مجھے طلب کیا ہے۔"

"ہاں کماری نندنی ہی ہیں ہم ریاست پورنما کے رہنے والے ہیں اور وہاں ہمارے پتا مہاراج ہیرداس کھیمی حکمران ہیں۔"

"مجھ سے کوئی بھول ہو گئی ہے کماری جی۔"

"نہیں۔ ہم تو آپ کے قائل ہو گئے ہیں، ہم نہا رہے تھے جب آپ ہمیں نظر آئے یہ اندازہ ہمیں ہو گیا تھا کہ آپ کو بھی ہمارے بارے میں پتا نہیں ہے پھر آپ خاموشی سے گردن موڑ کر چلے گئے اور ہم دور تک آپ کو دیکھتے رہے۔ آپ نے ایک بار بھی پلٹ کر ہماری طرف نہیں دیکھا یہ آپ کی شرافت تھی اور ہمیں آپ کی شرافت بہت پسند آئی۔ ہم نے واپس آنے کے بعد اپنی سکھیوں سے کہا، کہ آپ کو تلاش کیا جائے ہم آپ سے ملنا چاہتے تھے۔"

"بہت شکریہ! آپ کو خود ہی اندازہ ہو گیا کہ میں بالکل اتفاقیہ طور پر وہاں نہا رہا تھا اگر مجھے آپ کی آہٹ بھی مل جاتی تو میں اس علاقے کا رخ نہ کرتا۔"

"ہاں ہمیں اس کا پورا پورا اندازہ ہے آپ کا نام کیا ہے؟"

"تر ویدی۔"

"واہ...... سچ مچ آپ کی صورت کی طرح سندر۔"

"شکریہ کماری نندنی۔ میں تو آپ کو دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ آسمان سے کوئی اپسرا اتر آئی ہے۔"

''ارے نہیں ہم اتنے سندر تو نہیں ہیں۔''

''آپ ہیں۔ واقعی آپ ہیں کماری جی۔''

''تب پھر دھن واد........ لیکن آپ یہاں کہاں بھٹک رہے ہیں؟''

''بس یوں سمجھ لیجئے صحراؤں کا رسیا ہوں۔ جنگلوں، پہاڑوں میں بڑا سکون ملتا ہے مجھے کبھی کبھی گھومتا پھرتا چلا آتا ہوں۔''

''کہاں کے رہنے والے ہیں؟'' اس نے پوچھا اور مجھے بتانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

''ایک چھوٹی سی بستی ہے چترپری کے نام سے بہت فاصلہ ہے یہاں سے اس کا شاید آپ نے کبھی اس کا نام بھی نہ سنا ہو بس وہیں کا رہنے والا ہوں۔''

''ماتا پتا نہیں ہیں؟'' اس نے سوال کیا اور اچانک ہی میرے ذہن میں ایک عجیب سے کیفیت بیدار ہو گئی۔ انسان کو اس کے ماں باپ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن کرم داد اب ان تمام چیزوں سے کہاں واقف تھا، صدیوں پرانی بات تھی کسی سے کہتا تو وہ تسلیم نہ کرتا اور جھوٹ سمجھتا لیکن یہ حقیقت تھی اور جب بھی کبھی یہ حقیقت یاد آ جاتی تھی دل و دماغ کی عجیب سی کیفیت ہو جاتی تھی اس نے خود کہا۔

''مر گئے شاید؟''

میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور خاموش رہا۔

''اگر ہم سے کوئی بھول ہو گئی ہے تو ہمیں شما کر دیجئے۔ ہم نے تو بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔''

''نہیں راج کماری جی! کوئی بات نہیں ہے ہاں میرے ماتا پتا مر گئے ہیں نجانے کب سے انہیں نہیں دیکھا۔''

''ہوں۔ ہمیں آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے ترویدی جی! ہم کبھی کبھار سیر سپاٹوں کے لیے نکل آتے ہیں۔ سکھیوں کے ساتھ جنگلوں کے قیام میں بہت مزہ آتا ہے اب دیکھئے ناں یہ کیسی خوبصورت جگہ ہے سرسبز و شاداب جنگل، گھاس کے بڑے بڑے میدانوں میں دوڑتے ہوئے ہرن اور ان کے بچے چھوٹے چھوٹے جانور پھر موسم بھی بہت اچھا ہے ہمیں تو بہت اچھا لگتا ہے یہ سب کچھ آپ کو کیسا لگا آپ یہاں کب پہنچے؟''

میرا دل تو چاہا کہ میں اسے رات کے بارے میں بتا دوں لیکن مناسب نہیں تھا ہو سکتا ہے وہ یہ سوچتی کہ رات کے واقعہ سے متاثر ہو کر میں نے جھرنے کی طرف رخ کیا ہوتا کہ دوبارہ مجھے وہ نظر آ جائے چنانچہ میں نے یونہی ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''بس یوں سمجھ لیجئے زیادہ وقت نہیں گزرا۔''

''خیر اب اگر آپ یہاں ہمیں مل ہی گئے ہیں تو اکیلے رہنے کی ضرورت نہیں اور تو کوئی نہیں ہے نا، آپ کے ساتھ۔''

''نہیں۔''

''یہاں بہت سے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں آپ کی سیوا کر کے خوشی ہوگی۔''

''لیکن آپ کو تکلیف ہوگی راج کماری جی۔''

''نہیں ہم راج کماری ہیں اور راج کماری دیوی کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اب آپ چتنے لمبے بھی یہاں ہیں ہمارے ساتھ ہی رہیے ہم بھی بہت دن تک یہاں نہیں رہیں گے۔ پتا جی سے تھوڑے دنوں کی آگیا لے کر آئے تھے اب اس کے بعد ہمیں واپس جانا ہوگا۔ پھر آپ کا بھی جہاں من چاہے چلے جائیں۔''

اس کے انداز میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا ویسے بھی اس حسین ترین دعوت کو ٹھکرانا کم از کم کسی انسان کے لیے تو مشکل ہی کام تھا میں نے نیم رضامندی کے انداز میں کہا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کماری جی! بس آپ ہی کی تکلیف کا خیال ہے۔''

''آپ جیسے اچھے ساتھیوں اور دوستوں کی سیوا کر کے کس پاپی کو تکلیف ہوتی ہوگی۔'' اس نے کہا۔

''بہت بہت دھن واد، اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں آپ نے ہماری بات مان کر ہمیں دھن واد کا موقع دیا ہے۔ اب آپ یوں کیجئے کہ ہم آپ کے لیے ایک جگہ بنائے دیتے ہیں بعد میں آپ کے ساتھ بھوجن کریں گے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔''

''نہیں کماری جی! اب مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا اور اس نے تالی بجائی، وہی تینوں لڑکیاں فوراً اندر آ گئی تھیں جو تھوڑی دیر پہلے یہاں موجود

تھیں۔

''مہاراج، ہمارے مہمان ہیں انھیں ہمارے علاقے میں ٹھہرا دیا جائے۔ آج رات ان کے لیے سجا جائے گی۔''

''جی مہارانی جی۔'' لڑکیوں نے جواب دیا اور ہوش ربا نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگیں۔ مقصد یہ تھا کہ میں ان کے ساتھ چلوں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ جس پھلواری میں انھوں نے میرے قیام کا بندوبست کیا تھا وہ خوب سجی ہوئی تھی ہر طرح کی آسائشیں یہاں موجود تھیں۔ یہاں پہنچنے کے بعد میں کماری نندنی کے بارے میں سوچ میں ڈوب گیا۔ کماری جی کی یہ مہربانی بے مقصد نہیں تھی۔ بہر طور جنگل میں رنگ رلیاں منانے آئی تھیں۔ میرا کیا نقصان ہے اچھا ہے تنہائی کا احساس بھی دور ہو جائے گا جنگل کا جنگل اور تنہائی کی تنہائی۔

بہر طور اس کے بعد میری خاطر مدارت کا سلسلہ شروع ہو گیا کھانے پینے کی اشیاء سے مجھے بہت زیادہ شغف نہیں تھا۔ اگر طویل عرصے بھی کچھ کھانے کو نہ ملتا تو مجھے اس کی ضرورت بھی نہ تھی لیکن بہر طور میں نے اس خاطر مدارت کو نظر انداز نہیں کیا اور کماری جی کی عنایتوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ شام جھک آئی اور اس کے بعد رات ہو گئی۔ پچھلی رات کی طرح آج آسمان ابر آلود نہیں تھا بلکہ بڑا اشفاف اور کھوکھلا سا تھا جیسے دھل کر نکھر گیا ہو۔

رات کا کھانا بھی کماری جی نے میرے خیمے ہی میں بھجوایا اور اس کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب سجا جمے گی چنانچہ کام شروع ہو گیا وہی چٹان منتخب کی گئی تھی جس پر میں نے ان اپسراؤں کو رقصاں دیکھا تھا۔ وہ لڑکیاں مجھے لینے آئی تھیں اور میں تیار ہو کر چل پڑا تھا وہاں سب میرے منتظر تھے۔ راج کماری سنگھاسن پر موجود اور برابر میں ہی ایک اور بیٹھنے کی جگہ بنائی گئی تھی جو نندنی جی کے بہت قریب تھی۔ یہاں میرے بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ نندنی جی نے کھڑے ہو کر میرا سواگت کیا۔ بال بال موتی پروئے ہوئے تھے انھوں نے اس وقت اور بلاشبہ دیکھنے کی چیز نظر آ رہی تھیں پھر بھی میں نے اپنے آپ پر قابو ہی رکھا اور ان کے اشارے پر اس جگہ بیٹھ گیا۔

سازندوں نے ساز چھیڑے اور بڑی مست کن دھنیں بجائی جانے لگیں۔ پھر رقاصائیں اپنے بدن کا کمال دکھانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں اور رقص و موسیقی کی اس سحر انگیز محفل کا آغاز ہو گیا جس میں جام لنڈھائے جانے لگے۔ میرے لیے ایسی محفلیں اب نئی

نہیں تھیں۔ بہت پہلے ان کے لطف سے آشنا ہو چکا تھا نشہ آور شے میرے حواس کو متاثر نہیں کرتی تھی۔ خواہ ان کی کتنی ہی مقدار میرے وجود میں اتر جائے۔ چنانچہ میں نے جام قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ نندنی کی پُر شوق نگاہیں میرا طواف کر رہی تھیں وہ جام پر جام چڑھا رہی تھی اور پھر وہ بدمست ہو کر میرے قریب آ گئی۔

''اٹھو تر ویدی، اب یہاں سے چلیں۔'' میں خاموشی سے اٹھ گیا وہ لڑکھڑاتی ہوئی میرے ساتھ دور نکل آئی اور پھر ایک حسین گوشے میں جا کر وہ میرے بازوؤں میں جھول گئی۔ اس کے انگ انگ میں مستی پھوٹ رہی تھی میں نے اسے سنبھال لیا ورنہ وہ گر پڑتی لیکن اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا وہ نشے میں ڈوبی آنکھوں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔

''کیسے کٹھور ہو تر ویدی۔ آسمان پر پورا چندرما ہے دھرتی پر ہوائیں بکھری ہوئی ہیں۔ خوشبوؤں میں ڈوبی ہوئی ہوائیں اور تم اس طرح مجھ سے بے پرواہ ہو جیسے میں سندر ہی نہیں ہوں۔ بولو تر ویدی کیا میں سندر نہیں ہوں؟''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

''ہاں تم سندر ہو۔'' سنسار کی ہر ناری اپنے بارے میں ایسا ہی خیال رکھتی ہے۔ میں بیٹھ گیا اس نے اپنا سر میری آغوش میں رکھ دیا تھا۔

''تو پھر میری سندرتا کو سویکار کیوں نہیں کرتے کیا کمی ہے مجھ میں؟'' اس نے کہا۔ لیکن میرا ذہن آہستہ آہستہ بھٹکنے لگا۔ اچانک ہی ایک دھواں سا میری نگاہوں کے سامنے لہرانے لگا تھا۔ یہ احساس اس نے ہی دلایا تھا کہ آسمان کا چاند پورا ہو چکا ہے۔ میری نگاہیں چاند کی طرف اٹھ گئیں چاند کا سنہرا طباق جیسے اتنا قریب ہو کہ ہاتھ بڑھاؤں اور چھولوں لیکن چاند کے اشارے کچھ اور ہی تھے۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھنے لگی...... ہاں چندر ماہیں پورا ہو گیا اور میں...... میں...... میں...... میری نگاہیں کماری نندنی کی جانب اٹھ گئیں اس کا سر ڈھلکا ہوا تھا لمبی سفید گردن ایک جانب ڈھلکی ہوئی تھی اور اس کی گردن کی رگ پھولتی پچکتی نظر آ رہی تھی اس رگ میں سرخ زندگی دوڑ رہی تھی۔ وہ زندگی جو میرے رگ و پے کو نیا سرور بخشتی تھی۔ میرے وجود میں ایک ایسی آگ لگا دیتی تھی کہ جینے کو جی چاہے اور اس کا حسین مرمریں وجود میری نگاہوں میں بے وقعت ہو گیا۔ اگر تھی کوئی شے اس کے وجود میں باعث دلکشی تو وہ صرف اس کی گردن کی پھولی ہوئی رگیں تھیں۔ اس نرم و نازک جسم میں

دوڑتا ہوا خون سرخ رنگ کی چاشنی سے بھرپور میرے ہونٹ اس کی گردن کی جانب جھک گئے اور جب اس نے میرے ہونٹوں کا لمس محسوس کیا تو مدہوش ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ البتہ میرے نوکیلے دانت اس کی گردن کی رگوں میں پیوست ہو گئے اور اس کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی لیکن میں نے اس کا منہ اپنے جبڑے شکنجے میں کس لیا۔ اب میں اس کا صحیح طور سے پرستار تھا میں نے اپنے مضبوط دانتوں سے اس کا نرخرہ ادھیڑ ڈالا اور غٹاغٹ اس کی گردن سے اچھلتے ہوئے خون کو اپنے معدے میں اتارنے لگا۔ شراب کے اتنے سارے جام میرے وجود میں وہ نشہ اور کیفیت نہیں پیدا کر سکے تھے جو اس کے وجود سے ابلنے والے خون نے میرے پورے جسم پر طاری کر دی تھی۔ اس کا خون چوستا رہا اور اس کا بدن پھڑ پھڑاتا رہا لیکن جس طرح میں نے اسے دبوچ رکھا تھا اس کے تحت وہ جنبش تو کر سکتی تھی لیکن میری گرفت سے ایک انچ دور نہیں کھسک سکتی تھی۔ اور بھلا اسے اس وقت تک چھوڑنے کا کیا سوال تھا۔ جب تک کہ اس کی رگوں میں خون رواں دواں تھا۔

میری مہارت کام آ رہی تھی اور جب سارا خون میرے وجود میں داخل ہو گیا تو میں نے اس کی گردن سے ہونٹ ہٹا لیے اور مسرور نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کا گلابی رنگ سفید پڑ چکا تھا اور میرے اندر سرور کی ایک ایسی کیفیت بیدار ہو رہی تھی کہ جی چاہ رہا تھا کہ وہیں آنکھیں بند کر کے لیٹوں اور سو جاؤں لیکن یہاں رکنا مناسب نہیں تھا کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر کماری نندنی کا سارا لشکر موجود تھا بہتر یہ ہے کہ تھوڑی سی ہمت کروں اور یہاں سے نکل جاؤں۔

چنانچہ میں نے اسے اپنے آپ سے تھوڑا سا پرے کر دیا لیکن نہ جانے وہ میری آنکھوں کا دھوکا تھا یا ایک پُراسرار حقیقت کہ اچانک ہی میں نے نندنی کے بے جان جسم کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وہ اس طرح کروٹیں بدل رہا تھا جیسے اس کے اعضا میں تشنج ہو حالانکہ وہ مر چکی تھی لیکن اس کی یہ کیفیت میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میرے ہوش و حواس پر جو نشہ طاری تھا وہ آہستہ آہستہ زائل ہونے لگا۔

ناقابلِ یقین منظر تھا جو میری نگاہوں کے سامنے تھا نندنی کا وجود اب زمین پر رینگ رہا تھا اور اس کا بدن آہستہ آہستہ پتلا ہوتا جا رہا۔ پھر میری آنکھوں نے ایک انتہائی حیرت ناک منظر دیکھا۔ اس کے خدوخال مٹتے جا رہے تھے۔ ہاتھ، پاؤں، بدن، چہرہ

سب اس طرح سے ہو رہا تھا کہ میری نگاہوں نے اس سے پہلے ایسا منظر نہیں دیکھا تھا اور پھر جب وہ بالکل ایک پتلی سی رسّی کی شکل میں رہ گئی تو میں نے اسے متعجب نگاہوں سے دیکھا؟

ہاں وہ انسانی وجود نہیں رہا تھا۔ سفید رنگ کی ایک خوبصورت ناگن میرے سامنے مردہ پڑی ہوئی تھی اور اس کی گردن کے پاس میرے دانتوں کے نشانات موجود تھے۔ وہ بے شک مر چکی تھی لیکن نجانے کیوں اس انسانی جسم نے ناگن کا روپ دھار لیا تھا پھر ایک دم ہی میرے اندر ایک عجیب سی گرمی دوڑنے لگی۔ یہ گرمی بھی ناقابلِ یقین تھی اس سے پہلے بھی میری اندرونی کیفیات ایسی نہیں ہوئی تھی مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون کھولنے لگا ہو۔ شدید تپش سے میرا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا اور میں ایک انتہائی عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا اور ادھر اُدھر دوڑنے لگا دوڑتے ہوئے میں ایک چٹان سے نیچے آیا۔ اور یہاں پہنچ کر اچانک مجھے ٹھٹک جانا پڑا۔

ایک شخص ایک بڑے سے پتھر پر آسن مارے بیٹھا ہوا تھا۔ میں شدید بے کلی کا شکار تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں لیکن ایک شخص کو دیکھ کر میں اچانک رک گیا اور پھر میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا یہاں بھی میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا کیونکہ میں نے اسے پہچان لیا تھا۔

یہ پدم چندری تھا دھن راج۔ اسے یہاں دیکھ کر میرے وجود میں بجلی سی دوڑ گئی میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے پہنچ گیا وہ آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے سینہ تانے بیٹھا ہوا تھا اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا میرے منہ سے آہستہ سے آواز نکلی۔

"دھن راج!" اور اس نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

"کیسے ہو تر ویدی۔ کیسے ہو؟"

"تم یہاں کیسے آ گئے دھن راج؟"

"کیوں تمہارا خیال ہے کہ میں اس سنسار کے کسی گوشے میں نمودار نہیں ہو سکتا۔"

"مم...... مگر تم...... دھن راج...... میں...... میں ایک عجیب سی پریشانی کا شکار ہوں۔"

"ہوں کیا بات ہے؟"

"میرے پورے بدن میں آگ سی لگ رہی ہے۔"

"یہ آگ ہماری لگائی ہوئی ہے مورکھ!" اس نے بدستور زہریلی آواز میں کہا۔

"تمھاری؟"

"ہاں...... ہماری۔"

"ہم...... مگر کیوں، دھن راج؟"

"پاگل نہیں ہو۔ دیوانے نہیں ہو۔ سنسار باسی ہو۔ سنسار کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہو۔ ایک منش بڑے پریم سے ایک بیج زمین کھود کر اس میں ڈالتا ہے اور اس کے پاس بیٹھا دیکھتا رہتا ہے کہ کب اس میں بیج سے کونپل پھوٹے اور جب اس بیج سے کونپل پھوٹتی ہے وہ چشم تصور سے اسے ایک تناور درخت بنتے دیکھتا ہے پھر وہ سوچتا ہے کہ اس درخت میں پھل نکلیں گے۔ پھول کھلیں گے اور یہ پھل اور پھول اس کی ملکیت ہوں گے سمجھ رہے ہو نا۔ میری بات۔"

"ہاں سمجھ رہا ہوں۔ دھن راج!" میں نے کہا۔

"مگر اچانک ہی پتا چلے کہ وہ درخت اپنی جگہ سے اٹھ کر چل دے اور کہے کہ میرا ایک بھی پھل تیرا نہیں ہے تو پھر پھل لگانے والے یا درخت کا بیج بونے والے کے من میں اس درخت کے لیے کیا کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔"

"دھن راج میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"تعجب کی بات ہے مگر نہیں، تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس وقت ترویدی کا من ترویدی کے من کے طور پر کام نہیں کر رہا بلکہ وہ میری مٹھی میں ہے۔ من پاپی، من دیوانے اچھے انداز نہیں ہے ارے باؤلے کہ میں تو زمین کی گہرائیوں میں سو رہا تھا۔ میں نے تو ایک سے کا تعین کر لیا تھا کہ اس کے بعد جاگوں گا اور بلرام سنگھ اور اپنے دوسرے دشمنوں سے بدلہ لوں گا۔ اور اسی کے لیے تو میں نے تجھ پر محنت کی تھی لیکن تیری جون بدل گئی تُو نے آنکھیں بدل لیں مجھ سے وہ سب کچھ لینے کے بعد کہ اگر سنسار میں کسی اور کو مل جاتا تو وہ سنسار کا راجا ہوتا، کون تھا جو اس کے مقابلے پر آتا۔ میں نے تجھے جسم کی طاقت اور ترویدی کی عقل دی لیکن اس عقل اور طاقت کو تُو نے میرے ہی خلاف استعمال کر ڈالا باؤلے۔"

"دھن راج تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"ارے سمجھنے کا پھیر ہے ورنہ جو مجھے کہنا تھا وہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں۔ تُو نے مجھے اپنا نہ مان کر میری بات نہ مان کر میرے اشاروں پر نہ چل کر مجھے اپنا دشمن بنا لیا ہے، ہماری تیری دوستی تو کبھی کی ختم ہو چکی ہے۔"

"وہ ساری باتیں، اپنی جگہ ہیں لیکن لیکن یہ سب کچھ کیا ہوا۔"

"تُو کیا سمجھتا ہے باؤلے۔ کیا یہ پھل دوسروں کے کھانے کے لیے چھوڑ دوں؟ نہیں جو میں نے کیا ہے وہ مجھے ہی بھگتنا ہے من، نہ یہ کماری نندنی تھی نا اس کا تعلق کسی ریاست پورنما سے تھا۔ بلکہ یہ میرا گیان ہے جو عورت کی صورت دھار کر تیرے سامنے آیا تھا بہت اونچا اڑ رہا تھا تُو سنسار میں، میں نے سوچا کہ اب تھوڑی سی دھرتی تجھے دکھا دی جائے اگر میرے کام کا رہتا تو سنسار میں عیش ہی عیش ہوتے تیرے مگر تُو مجھ سے ہٹ گیا میں تجھے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

"دھن راج میں تجھ سے ہٹا نہیں تھا میں نے تو تجھ سے یہ کہا تھا کہ تُو نے مجھے شریر شکتی دی ہے سب کچھ دیا ہے تُو نے...... مجھے گیان شکتی کیوں نہیں دیتا۔ بس یہیں مجھے رکنا پڑتا کہ اگر مجھے گیان شکتی مل جاتی تو میں سنسار میں بہت سے بڑے بڑے کام کر سکتا تھا۔"

"اور میرا کیا ہوتا؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں تیرا ساتھی رہتا۔ دھن راج۔"

"جھوٹ بولتا ہے۔ رے منش میں یہ کمزوری تو اس لمحے سے ہے جب اس دھرتی پر منش کا وجود ہوا تھا وہ اپنے بارے میں پہلے سوچتا ہے بعد میں کسی اور کے بارے میں۔ وہ بھی گروان نہیں رہتا۔ اور وہ سمجھدار لوگ ہوتے ہیں جو اپنا سب کچھ کسی کو نہیں دیتے۔ میرے پاس بھی تو کچھ ہونا چاہیے تھا ورنہ آج تیرے ساتھ وہ نہیں کر سکتا تھا جو میں نے کیا۔ اب اس سنسار کی مشکلوں سے گزر وہ بھوگ جو تجھے بھوگنا ہے۔"

میں اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ بہر طور وہ میرا استاد تھا۔ اس کے خلاف تو میں ایسا عمل کبھی نہیں کر سکتا تھا جو استاد کی شان کے خلاف ہو لیکن اس نے کیا کیا ہے اور اس سے مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے یہ سوال بھی میں نے اس لیے کر ڈالا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے دھن راج کہ میرے اندر ایک آگ سی روشن ہو گئی ایک بے کلی ایک پریشانی سی ہے میرے شریر میں لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ دور ہو جائے گی۔

اس سے مجھے نقصان کیا پہنچا؟"

"ابھی پتا چل جائے گا باؤلے۔ ابھی پتا چل جائے گا۔ میں نے کچا قدم تھوڑی اٹھایا ہے ابھی تیرا شریر بھی پگھلنا شروع ہو جائے گا اور تھوڑی دیر بعد تو ایک ناگ کا روپ دھار لے گا۔ جسے دیکھنے والے اس سے خوف کھائیں گے ڈریں گے کر تُو ہو گا کون، شیش ناگ!"

پدم چندری قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

پھر حقیقتاً مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میرے پورے وجود میں بھونچال آ گیا ہو۔ میری رگیں اندر سے پھڑک رہی تھیں چیخ رہی تھیں گویہ تکلیف میرے لیے ناقابل برداشت نہیں تھی لیکن اس عجیب سے احساس سے میں واقعی کانپ گیا تھا کہ میرا جسم سانپ کا روپ اختیار کر جائے گا اور یہی ہوا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے میرے پیروں کی جان نکلتی جا رہی ہو۔ میرے پیروں میں لچک پیدا ہو گئی تھی پھر وہ ایک دوسرے سے لپٹتے چلے گئے۔ میرے ہاتھ بھی ایک دوسرے سے لپٹ گئے اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ دھن راج کا جادو کام کر رہا تھا۔ میں نے سہمی ہوئی آواز میں اس سے کہا۔

"شما کر دے مجھے دھن راج...... شما کر دے۔"

"ابھی نہیں۔ ابھی نہیں۔ اب ذرا سنسار کا یہ مزہ بھی لے لے اس کے بعد دیکھیں گے۔ دوسری ملاقات بھی ہوگی ہماری تیری، پھر سوچیں گے اس بارے میں۔ تجھے بھی اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ گیان شکتی کیا چیز ہوتی ہے؟"

میں زمین پر گر پڑا اور میرا وجود بھی اس طرح لوٹیں لگانے لگا جیسے تھوڑی دیر قبل میں نے اس کم بخت عورت کو دیکھا تھا جس کا خون پی کر میری یہ کیفیت ہوئی تھی۔ ترویدی کا دماغ میرے پاس موجود تھا اور میں یہ سوچ سکتا تھا کہ دھن راج نے جس ناگن کو عورت کے روپ میں میرے سامنے بھیجا تھا۔ یہ سب اس کے خون کا کرشمہ ہے کیونکہ اس کا خون میری رگوں میں اتر گیا تھا۔ اس لیے اب میری بھی ویسی کیفیت ہو رہی تھی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے جسم کو ایک کالے چمکیلے چمکیلے سانپ کی شکل میں دیکھا۔ میرا چہرہ ایک چوڑے پھن کی صورت اختیار کر گیا تھا اور میری آنکھیں دھن راج کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں اس سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن میری کی شاخی زبان باہر نکل نکل کر رہ جاتی تھی۔ میرے منہ سے کوئی آواز نکل نہیں پا رہی تھی۔ میں مکمل طور پر سانپ بن چکا تھا۔ دھن راج

قہقہے لگا رہا تھا اس کی آواز مجھے سنائی دی۔

"حسین چمکدار، چمکیلا، چمکیلا کیا ہی حسین سانپ ہے واہ رے میرے ترویدی، واہ رے میرے بھسم، اچھا اب میں چلتا ہوں اب ذرا تُو اس سنسار میں اپنے اس نئے روپ کا مزہ بھی لے لے۔ وہ چٹان کے عقب میں بڑھا اور میں نے اپنا پھن پھیلا کر لیا۔ میں اس کے پیچھے دوڑا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے چرنوں کو چھو کر اس سے معافی مانگوں اس سے کہوں کہ مجھے میری اصل شکل میں واپس لے آئے میں تیزی سے اس کے پیچھے دوڑا۔

لیکن میں اس کے چرنوں تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔

میں دوڑتا رہا اور دھن راج مجھ سے آگے دوڑتا رہا اور او۔ رات آہستہ آہستہ بیتتی رہی۔ یہاں تک کہ اجالے نے منہ چمکایا۔ اور دھن راج میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ دوڑتے دوڑتے تھک گیا تھا اور پھر ایک عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ میں سر ڈال کر وہیں زمین پر پڑا رہا۔ اور سوچنے لگا کہ کیا مصیبت پڑی ہے کبھی مشکل پیش آ گئی کس عذاب میں گرفتار ہو گیا اب تک کا جیون تو بڑا ہی سندر تھا۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ بھگتنا پڑے گا اس سے بچ بچ جیون بھاری ہو جائے گا میرے اوپر۔

کیا کروں......؟ اور کیا نہ کروں۔ بڑی مشکلوں کا شکار ہو گیا تھا۔ دل میں پدم چندری کے لیے نفرت کا طوفان اُمڈ رہا تھا لیکن اس کے باوجود یہ خیال دل میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے خلاف کوئی انتقامی قدم اٹھاؤں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں نے اسے چھوڑ دیا تھا لیکن پھر بھی اس نے ایک طویل عرصہ مجھ پر محنت کی تھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا بہت دیر تک اسی طرح پڑا رہا۔

اس کے بعد رینگتا ہوا ایک جانب چل پڑا۔ خاصا فاصلہ طے کیا اور اس کے بعد ایک جگہ ایسی زمین نظر آئی جیسے کھیتوں کی زمین ہوتی ہے۔ سیدھی سادی پڑی ہوئی تھی زیادہ وسعت نہیں تھی اس میں لیکن صاف اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کھیتی باڑی ہوتی ہوگی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بستی کوئی آبادی قریب ہی ہے۔ میں نے اپنا بدن اوپر اٹھایا۔ پھن کاڑھ کر اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں۔ کافی فاصلے پر کالے رنگ کے پتھروں سے بنے ہوئے کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔

یہ کھنڈرات یقیناً کالے نہیں ہوں گے بلکہ امتدادِ زمانہ نے ان کا یہ رنگ کر دیا تھا۔

ہوگی کوئی تاریخ ان کی بھی انسانوں کی تاریخ تو یکساں ہی ہوتی ہے۔

زمین کے کنارے کنارے چند درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ اب چونکہ سورج ابھرنے لگا تھا۔ اس لیے دھوپ پھیلتی جا رہی تھی اور دھوپ میں خاصی تپش تھی۔ میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ایک درخت کے قریب پہنچ گیا اور اس کی جڑ میں جا بیٹھا۔ بدن شدید تھکن سے چور تھا اور میں اپنے اندر بڑی ناتوانی محسوس کر رہا تھا کہ اچانک گھنٹیوں کی آواز کانوں میں ابھری اور میں نے پھن اٹھا کر دیکھا۔ کوئی کسان تھا جو بیلوں کی جوڑی لیے ہوئے اس جانب آ رہا تھا۔ بیلوں سے ہل بندھا ہوا تھا لیکن قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ بیلوں کے جسم پنجر کی شکل میں نظر آ رہے تھے ہڈیاں ہی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔

بہت کمزور اور لاغر بیل تھے۔ کسان انھیں کھیتوں کی زمین پر لے آیا تب میری نگاہ اس کسان پر بھی پڑی۔ بیلوں سے مختلف نہیں تھا دبلا پتلا چہرے سے مفلسی ٹپکتی تھی۔ شیو بڑھی ہوئی تھی، سر کے بال بکھرے ہوئے تھے آنکھوں میں ویرانی۔ ہل کی انی زمین پر ڈالی اور بیلوں کو ہنکارنے لگا بیل آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ کسان ہل کی انی پر کھڑا ہو گیا تھا تا کہ ہل کی انی زمین میں داخل ہو جائے۔ ہل کی انی تو زمین میں داخل ہو گئی تھی لیکن بیل بڑی مشکل سے چل پا رہے تھے۔ وہ زور لگا کر آگے بڑھ رہے تھے لیکن اپنی کمزوری کے باعث صحیح طور پر ہل کو نہ کھینچ پا رہے تھے کسان آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا۔

"ارے بروا زور لگا دو ارے ہم کا کریں۔ ہماری تمھاری تقدیر ہی ایسی ہے ساتھ دو بروا۔"

کچھ عجیب سی اداسی تھی اس کی آواز میں۔ ایک ایسا سوز تھا کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے پھن زمین پر ڈالا اور آہستہ آہستہ زمین کی مینڈھ کے ساتھ رینگنے لگا۔ بیل ہل کھینچ رہے تھے۔ کسان بڑے پیار سے ان کے پچھلے جسم تھپ تھپا رہا تھا اس کے ہاتھ میں انھیں مارنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ بیل چلیں لیکن بیلوں سے چلا ہی نہیں جا رہا تھا یہاں تک کہ کچھ فاصلے پر پہنچ کر ایک بیل زمین پر بیٹھ گیا کسان جلدی سے ہل سے اُتر گیا تھا۔

ارے سُسرے یہ کیا کرے ہے رے، ارے ارے بھیا زمین کھودنی ہے ویسے ہی بہت سے دن ہو گئے ہیں سسرو۔ اب تم بھی ساتھ چھوڑ گئے تو کیا کھائیں گے کیا پہنیں گے۔

ارے بھیا ساتھ دو کا کوشل کا۔ ارے بے پرواہ چار چار جھنیاں ہیں۔ تم بھی سسرے ابھی سے بوڑھے ہو گئے۔ ارے اب تو کوئی ڈنگر ہمیں ملے گا بھی نہیں۔ سسرو جیون بتا دیا تمھارے ساتھ۔ ہجار بار وہ مسلمان قصائی تمھیں مانگ چکا ہے ارے کاٹ کوٹ کے کھا جائے گا سسرو، اتنا تو ہمارا ساتھ دو۔ ہم بھی تم سے کم مجبور نہیں ہیں مگر کیا کریں ان چار جھنیوں کا جنھوں نے ہمیں زندہ رکھا ہوا ہے مر گئے تو سسریوں کا جانے کیا ہوگا اٹھ اٹھ بیرا اٹھ۔"

اس نے بیل کو ٹھوکا را اور بیل بے چارہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے دل میں اس کے لیے دکھ پیدا ہو گیا تھا اس زمین پر بسنے والوں کے لیے مشکلات زیادہ تھیں بہت کم ایسے تھے جو سکھ کی زندگی گزار رہے تھے۔ ادھر رام لعل تھا ادھر یہ کا کوشل ہے جا اپنے ہی بارے میں کہہ رہا تھا یہ مگر بڑی دردناک باتیں تھیں۔ بیل اس کے پرانے ساتھی تھے اور وہ بیلوں کو قصائیوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ سب انھیں کاٹ کوٹ کے کھا جائیں گے لیکن بیلوں سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ درحقیقت ان کے ناتواں جسم اب آرام کرنے کے لیے تھے مجھے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ کا کوشل سے، بہت دیر تک وہ بیچارہ کوشش کرتا رہا لیکن ہل چلانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تب اس نے بیلوں کو وہیں چھوڑ دیا اور ایک درخت کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ میں اس کی سسکیاں بھرنے کی آوازیں سن رہا تھا میں بھی درخت کے بالکل قریب ہی تھا وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔

"اب بتاؤ کیا کریں، ہم اب تو یوں لگتا ہے جیسے اس بار فصل بھی نہ بوئی جا سکے گی فاقے ہوں گے سب کچھ بک جائے گا۔ اب تو بکنے کے لیے کچھ نہیں رہ جائے گا ہائے رام کیا کریں ہم؟"

میں خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا درد بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ انسانی فطرت کے مطابق پہلے تو وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا پھر شاید اندر کی بے بسی ابھر آئی کہنے لگی۔

"مجھ لیے پر آ گئے ناگ مہاراج، ڈس لو ہمیں ہمارا جیون ختم کر دو۔ بیکار جیون ہے خود کہیں ڈوب مریں گے تو ساری بستی والے کہیں گے کہ کا کوشل نے ہمت ہار دی۔ ارے ہمت تو ہار چکے ہیں بس اپنی ساکھ بنائے ہوئے ہیں۔ پر اب نہ جیا جائے ڈس لو..... ہمیں ناگ دیوتا ڈس لو۔" اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا ہاتھ آگے کر دیا لیکن میں نے اپنا پھن

پیچھے کرلیا تھا وہ کچھ اور آگے بڑھا اور اس بار اس کا ہاتھ میرے جسم پر مس ہو گیا تھا لیکن میں اور پیچھے ہٹ گیا تب اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور غمزدہ لہجے میں بولا۔

''تم بھی ناہی سنو گے ہماری ٹھیک ہے سنسار ہی بیری ہو گیا ہے تم ہی کون سا نیا کام کر رہے ہو۔ پر کیا کریں یہ سسرے بیل تو چل کر نہیں دے رہے۔ ارے کچھ تو کرو۔ بھیا کوئی تو ساتھ دو...... ہمارا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کراہتا ہوا آگے بڑھ گیا بیلوں کی صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔

''بھاڑ میں جائے سب کچھ چلو گھر میں چلیں۔'' اور اس کے بعد اس نے ہل بیلوں سے کھول کر کندھے پر رکھا اور انھیں ہنکارتا ہوا آگے بڑھتا رہا لیکن مجھے اس کی ذات سے اتنی دلچسپی ہو گئی تھی کہ میں خود بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے وہ بستی نظر آ گئی بستی میں ابتدائی سرے پر ہی کاکو لعل کا گھر تھا۔ ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا جس کا احاطہ جھاڑ جھنکار سے کیا گیا تھا دروازہ بھی اس میں بنا دیا گیا تھا اندر بیلوں کے باندھنے کی جگہ تھی اور اس کے بعد رہنے کا ایک کمرا اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے وہاں احاطے کے باہر کے حصے میں ہی چار نوجوان لڑکیوں کو دیکھا۔ کاکو لعل کے بُرے حالات کے اثرات ان پر نظر نہیں آ رہے تھے بلکہ وہ بالکل چاق و چوبند تندرست و توانا اور جوانی کی ساری سرمستیوں میں ڈوبی ہوئی تھیں ایک نے کہا۔

''بابا آ گئے...... ارے اتنی جلدی کیسے آ گئے؟'' لیکن کاکو رام کوئی جواب دیے بغیر بیلوں کو ان کی جگہ باندھ کر اندر چلا گیا تھا۔ میں ایک جگہ چھپ کر جھاڑیوں میں بیٹھ گیا تھا لڑکیاں باتیں کرتی رہیں یہاں کے حالات اس حد تک معلوم ہوئے کہ کاکو رام کسان تھا۔ تھوڑی سی زمینیں تھیں اس کی بیل تھے ہل تھا چار بیٹیوں کا باپ تھا اور اب زندگی سے ہار چکا تھا۔ غربت اور افلاس کے عالم میں بسر ہو رہی تھی کھیل رام لعل سے مختلف نہیں تھا لیکن یہاں کوئی ہریا نہیں تھا اور نہ ہی اس سے کسی کی لاگ ڈانٹ تھی بلکہ یہاں وہ صرف زندگی اور حالات سے لڑ رہا تھا۔ کیا کیا جا سکتا تھا کسی کے لیے؟ انسانوں کی کہانیوں میں ایسی لاتعداد کہانیاں نظر آئی تھیں مجھے بہت دیر تک وہاں رکا رہا اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا انسانوں کی آبادی تھی۔ سانپ کو دیکھ کر کوئی بھی اپنے عمل کا آغاز کر سکتا تھا۔ اس لیے بہتر تھا کہ ویرانوں کے ہی راستے اپنائے جائیں۔ وہ کھنڈرات یاد آئے جو ہیں اس زمین سے میں نے

دیکھے تھے اور میں نے اپنا رخ انہی کی جانب کر دیا۔

کچھ دیر کے بعد میں کھنڈرات کے قریب پہنچ گیا۔ کافی وسیع علاقے پر پھیلے ہوئے تھے۔ کھنڈ سے پُرسکون چاروں طرف ایک ہیبت ناک سکوت چھایا ہوا تھا کہیں سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی پتھروں کی بڑی بڑی سلیں، ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے ڈھیر کہیں در بنے ہوئے تھے اور کہیں گپھائیں، نجانے ان کی تاریخ کیا ہے مجھے اس تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

میں نے ایک مناسب جگہ تلاش کی اور وہاں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ بڑے عجیب حالات تھے مستقبل اب بہت بھیانک نظر آ رہا تھا بھلا ایک سانپ کی شکل میں زندگی کیسے گزاری جا سکتی تھی یہاں میرے ذہن میں کچھ جنونی کیفیات سر ابھارنے لگیں۔ دھمن راج نے یہ انتقامی کارروائی کر کے بہت برا کیا ہے کہاں تک اپنے ذہن کو قابو میں رکھوں۔ یہ تو بڑا مشکل کام تھا بہرحال جو کچھ بھی تھا نمٹنا تھا اب ان لمحات سے لیکن راستہ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

وقت گزرتا رہا پھر رات ہو گئی میں وہیں سر ڈال کر بیٹھ گیا تھا۔ اب سوچنے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا میرے پاس۔ کم بخت دھمن راج نے ایسا داؤ مارا تھا کہ چاروں شانے چت ہو گیا تھا کیا کروں کیا نہ کروں رات گہری ہوتی چلی گئی۔ پھر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ کتنی رات گزری ہے کہ اچانک ہی کھنڈرات میں کچھ آہٹیں ابھریں اور میں نے چونک کر پھن اٹھا لیا رات کی تاریکی میں مجھے دن کی روشنی کی مانند سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ میں نے پانچ چھ افراد کو دیکھا گھوڑوں کی لگامیں پکڑے ہوئے پیدل کھنڈرات میں داخل ہوئے تھے اور ادھر ادھر چل پھر کر شاید کوئی مناسب جگہ دیکھ رہے تھے پھر انھوں نے گھوڑوں کو ایک در کے ستون سے باندھنا شروع کر دیا۔

سب نے اپنے اپنے گھوڑے وہاں باندھ دیے اور گٹھڑیوں سے گھاس کھول کر ان کے سامنے ڈال دی۔ پھر وہ خود ایک چوڑی سی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ میں نے دلچسپی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا دیوار کے عقب میں پہنچ گیا پھر ایک ایسی جگہ جو ذرا بلند تھی۔ منتخب کر کے میں وہاں سے ان کی حرکات کا جائزہ لینے لگا۔ ان میں سے ایک مٹی کے تیل کی لالٹین روشن کر رہا تھا لالٹین جل گئی تو دوسرے نے کہا۔

''لالو چندا روشنی کہیں کسی کو نظر نہ آ جائے۔''

"کسے نظر آئے گی رے۔ بستی تو بہت دور ہے اور رات کو اس بھوتوں کے کھنڈر میں کوئی نہیں آتا جاتا۔" اس نے لالٹین جلا کر ایک اونچے پتھر پر رکھ دی۔

تھوڑے سے حصے میں روشنی پھیل گئی۔ میں خاموشی سے پتھر پر بیٹھا ان کی کارروائیاں دیکھ رہا تھا انھوں نے ان میں سے کچھ گٹھڑیاں کھول کر سامنے رکھیں اور پھر ان کے گرہیں کھولنے لگے۔ گٹھڑیوں میں سونے چاندی کے زیورات اور کچھ قیمتی چیزیں نظر آ رہی تھیں ان میں سے ایک کہنے لگا۔

"بڑا مالدار آ ری لگا۔ یہ بدری ناتھ تو، سسرے نے پتا نہیں کہاں کہاں سے دولت لوٹ کر جمع کی تھی۔"

"میں نے سنا ہے کہ بدری ناتھ خود بھی ڈکیت تھا کسی زمانے میں۔"

"لگتا تو نہیں ہے پر ہوگا سسرا۔ اتنی دولت ایمانداری سے تو جمع نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں خبر تو ملی تھی مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ سسرے کے پاس سے اتنا مال نکلے گا۔"

"اب رپٹ لکھوائی جائے گی اور ہرکارے نکل پڑیں گے ہماری تلاش میں، وہ سسری بڑھیا جو تھی ناں...... ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہی تھی جیسے مجھے پہچان رہی ہو۔"

"تو نے مار کیوں نہ دیا اسے؟"

"بڑھیا جو تھی من نہ چاہا...... وہ تو آپ ہی مر جائے گی۔"

"باؤلا ہے تو رامو، خطرے کو نہیں چھوڑنا چاہیے اچھا چلو اب بیکار باتیں بہت کرو۔ اپنا اپنا حصہ نکال لو۔"

ان کی باتوں سے مجھے علم ہو گیا کہ وہ ڈکیت تھے اور کہیں سے ڈاکہ مار کر آ رہے تھے۔ وہ اپنے اپنے حصے کرتے رہے اور پھر انھوں نے تقسیم شدہ دولت کو کپڑوں میں باندھ کر اپنے لباس میں چھپا لیا۔ پھر نجانے کیسے ایک کم بخت کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ دہشت بھرے لہجے میں چیخا۔

"سانپ۔"

"کہاں؟" دوسرے نے کہا اور سب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ پھر سبھی نے مجھے دیکھ لیا۔

"مار دو یار اسے مار و نہیں تو گھوڑوں وغیرہ کو کاٹ کھائے اور پھر ہمیں بھی رات یہاں ٹھہرنا ہے۔" ان میں سے ایک نے پتھر اٹھا کر پوری قوت سے میری جانب اچھالا۔ پتھر میرے جسم کو لگا لیکن چوٹ کوئی خاص نہیں تھی۔ میں وہاں سے ہٹ گیا اور پھن نیچے ڈال کر تیزی سے اینٹوں کے درمیاں رینگنے لگا لیکن ان لوگوں کو مجھ سے نجانے کیا نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ مجھ پر پتھراؤ کرتے رہے۔ انھوں نے لالٹین ہاتھ میں اٹھائی تھی۔ اور جدھر میں جا رہا تھا ادھر ہی دوڑ رہے تھے۔ پیچھے سے وہ مجھ پر پتھر پھینکتے جا رہے تھے حالانکہ پہلا پتھر میرے جسم پر لگا اور کوئی خاص چوٹ نہیں لگی تھی۔

البتہ میں خوف زدہ ضرور تھا ہو سکتا ہے۔ دھن راج نے مجھ سے میری وہ شکتی بھی چھین لی ہو۔ انسان کے روپ میں میرا جسم ناقابل تسخیر تھا سانپ بن کر تو میں بہت کمزور ہو گیا تھا ہو سکتا ہے کوئی پتھر میرے سر وغیرہ پر پڑ جائے اور مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے۔

وہ سارے کے سارے اس طرح پیچھے پڑے تھے کہ سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دے رہے تھے۔ بڑی مشکل سے ایک چھوٹا سا بل نظر آیا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت تو ان سے جان بچانے کے لیے اندر گھس ہی جاؤں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں اس سوراخ سے اندر داخل ہو گیا اندر گہری تاریکی تھی لیکن مجھے سب کچھ نظر آ رہا تھا سوراخ کافی دور تک ایک سرنگ کی شکل میں چلا گیا تھا اور ابھی میں سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک بڑی تیزی سے گرنے لگا کافی نیچے جا کر گرا تھا میں۔

لگتا تھا کہ جیسے کوئی کنواں ہو۔

نیچے گر کر میں نے نگاہیں اٹھا کر اوپر دیکھا سوراخ نظر آ رہا تھا۔ جس جگہ میں گرا تھا وہ ایک بڑی سی باؤلی تھی گول اور چنی ہوئی اینٹوں سے اوپر تک جانے والی۔ باؤلی میں جھاڑ جھنکار اگے ہوئے تھے چاروں طرف چھوٹے بڑے سوراخ تھے جگہ جگہ چوہے نظر آ رہے تھے اور ان کی بھاگ دوڑ سے ہلکی ہلکی سرسراہٹیں ہو رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ سہم گئے اور دوڑ کر باؤلی کی دیواروں میں بنے ہوئے سوراخوں میں جا گھسے۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر کنڈلی ماری اور بیٹھ گیا میرا پھن چاروں طرف گردش کر رہا تھا۔

تبھی مجھے ایک کونے میں ایک چمکتی ہوئی شے نظر آئی۔ اور میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر

آہستہ آہستہ رینگ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ یہ پیتل کے دو مٹکے تھے کافی بڑے بڑے اور چوڑے منہ والے۔ میں نے اپنا جسم اوپر اٹھایا مٹکوں پر ڈھکن ڈھکے ہوئے تھے اور ان پر شاید مٹی لگا دی گئی تھی لیکن پرانی ہونے کی وجہ سے یہ مٹی بھی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی تھی اور ڈھکن بھی ایک آدھ جگہ سے اوپر اٹھ گیا تھا۔

میں نے اپنے پھن سے ایک مٹکے کے ڈھکن کو تھوڑا سا دھکیلا۔ تو اندر سے روشنی کی چمک اٹھی۔ مٹکوں میں سونے کی گنیاں بھری ہوئی تھیں۔

گنیاں مٹکوں میں اوپر تک بھری ہوئی تھیں۔ میں نے اپنے پھن سے انہیں ہلایا جلایا تو پتا چلا کہ گنیاں نیچے تک چلی گئی ہیں۔ نہ جانے یا ان کھنڈرات کے کسی مالک نے سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے یہ مٹکے یہاں زمین میں دبا دیے تھے یا اس باؤلی میں محفوظ کر دیے تھے اور پھر خود کسی چتا میں جل کر بھسم ہو گیا تھا یا قبر کی گہرائیوں میں چلا گیا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوا لیکن اس کا مجھے یقین ہو گیا کہ کھنڈرات میں اس عظیم الشان خزانے کے بارے میں جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

☆☆☆

بہر حال یہ تو میں نے زمین کی گہرائیوں میں دیکھا تھا۔ مجھے بھلا سونے کی ان اشرفیوں میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی میرے لیے سب کچھ بیکار تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے ہٹ گیا باہر نکلنے کا راستہ وہی سوراخ تھا لیکن باؤلی کا ایک چکر لگا کر مجھے پتا چل گیا کہ ایک راستہ اور بھی ہے لکڑی کا بنا ہوا ایک دروازہ تھا جسے اگر انسانی ہاتھ کھولنے کی کوشش کرتے تو آسانی کھول سکتے تھے کیونکہ وہ بالکل بوسیدہ ہو چکا تھا ایک دو جگہ اس میں سوراخ بھی ہو چکے تھے۔

میں نے دروازے کی چوکھٹ کے نیچے قوت آزمائی کی تو چوکھٹ جو بھی لکڑی کی بنی ہوئی تھی پل بھر میں مٹی کی طرح اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور میں اس سوراخ سے دوسری طرف نکل آیا۔ یہاں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور یہ سیڑھیاں کافی اوپر تک چلی گئی تھیں۔ میں ان سیڑھیوں سے چلتا ہوا اوپر آ گیا یہ ایک کمرا تھا جس میں پتھروں کی کچھ مورتیاں لگی ہوئی تھیں۔

یہ مورتیاں بہت قدیم تھیں۔ اس سارے ماحول کو دیکھتا ہوا بالآخر میں اس کمرے سے بھی باہر آ گیا یہ کھنڈر سے باہر کا منظر تھا میں نے دیکھا کہ ڈاکوؤں نے لالٹین بجھا دی ہے اور غالباً میرے نگاہوں سے گم ہونے کی وجہ سے خوفزدہ ہو گئے ہیں وہ اپنے گھوڑے کھول رہے تھے۔

پھر میں نے انہیں گھوڑوں پر بیٹھ کر وہاں سے جاتے ہوئے دیکھا اور گردن ہلانے لگا۔

کیا عجیب زندگی ہو گئی تھی میری۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ دماغ میں بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ پھر اچانک ہی مجھے کاکومل کسان کی باتیں بھی یاد آئیں۔ اس کا گھر بھی دیکھ آیا تھا میں اور بقول اس کے ان چاروں چھینوں کو بھی دیکھ لیا تھا جو اس کی زندگی کا کب بنی ہوئی تھیں۔ واقعات سب سمجھ میں آ رہے تھے چار جوان بیٹوں کا باپ جس کے بیل بھی اس کے ساتھ بوڑھے ہو گئے تھے اور اب وہ زندگی کے بوجھ کو گھسیٹ رہا تھا مر جانے کا

خواہش مند تھا تاکہ اپنی مصیبتوں سے چھٹکارا پا لے۔

پھر اچانک میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے یہ کلسے اگر کالو لعل کو مل جائیں تو کیا اسے نیا جیون نہیں مل جائے گا۔ اس خیال نے دماغ ایک دم روشن کر دیا تھا اور میں بڑے خوشگوار انداز میں سوچنے لگا تھا لیکن پھر خود ہی دل پر ایک عجیب سا بوجھ آ پڑا۔ میری تو زبان بھی نہیں ہے ناگ کی حیثیت سے لوگ بس مجھ سے خوف ہی کھا سکتے ہیں۔ کالو لعل کو کیسے بتاؤں گا کہ کھنڈرات میں اس کے لیے زندگی چھپی ہوئی ہے کیا ترکیب ہو سکتی ہے ایسی کہ کالو لعل کو میرے دل کی بات پتا چل جائے لیکن بہت غور کرنے کے بعد بھی ایسی کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ جس سے میں کالو لعل کو ان اشرفیوں کے بارے میں بتا سکوں۔ حالانکہ دل یہی چاہ رہا تھا کہ جب یہ تھوڑی سی معلومات مجھے حاصل ہوئی ہیں تو کیوں نہ ایک مجبور اور بے کس آدمی کو ان کے بارے میں بتا دوں۔ پھر اس امید پر کھنڈرات سے نکل آیا کہ ہو سکتا ہے ایسا کوئی موقع مل جائے اور میں اپنا یہ کام کر لوں۔ ایک بار پھر کالو لعل کے گھر جانا چاہیے حالانکہ مجھے کیا پڑی تھی بلاوجہ یہ سب کچھ کرنے کی لیکن طبیعت میں شاید انسان دوستی کا جذبہ کچھ زیادہ ہی گہرا ہو گیا تھا اگر نہ ہوتا تو رام لعل کے لیے اتنی بڑی مصیبت میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

کالو لعل کے گھر کی جانب سفر کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ میری کیفیت بڑی مخدوش ہو گئی ہے اور نجانے مجھے اب کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بہرحال اب مصیبت پڑی ہے تو جھگتنا تو پڑے گا ہی رات کی تاریکی میں کالو لعل کے گھر واپس پہنچنا مشکل نہ ہوا۔ میں اندر داخل ہو گیا جانور زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ باہر احاطے میں بندھے ہوئے بیل جو بیٹھے ہوئے تھے میرے جسم کی سرسراہٹ سے اٹھ کھڑے ہوئے میں ان سے بچتا ہوا کوئی ایسی تلاش کرنے لگا جہاں چھپ سکوں اور ایک جگہ مجھے نظر آ گئی چھپر پڑا ہوا تھا۔ احاطے کے ایک گوشے میں اور اس کے نیچے بھوسے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے یہ غالباً بیلوں کی خوراک تھی بھوسے کے ڈھیر میں چھپنے کے لیے مجھے مناسب جگہ مل گئی باقی رات وہیں گزاری۔

کالو لعل صبح کو جلدی جاگ گیا تھا۔ تھوڑی سی آگ جلا کر وہ اس کے گرد جا بیٹھا اور پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس کی بیوی بھی اس کے پاس آ بیٹھی۔

"کیا بات ہے آج بہت پریشان نظر آ رہے ہو۔"

"ارے بھاگوان یہ پریشانی تو اب سیدھی چتا میں ہی جا کر ختم ہو گی۔"

"بھگوان نہ کرے کیسی باتیں کرتے ہو چار چار بیٹیوں کا بوجھ کندھوں پر ہے انھیں کون پار لگائے گا؟"

"بھگوان ہی پار لگائے گا۔ اب تو میں کیا اور میری بساط کیا دیکھ لے کیا حالت ہو گئی ہے میری، کھانسی اٹھتی ہے تو پھیپھڑے پھٹنے لگتے ہیں بیلوں کو بے چاروں کو الگ دیکھو سوکھ سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟"

"بیلوں کو بیچ دو نا۔ وہ سلمان قصائی......"

"کیسی باتیں کرتی ہے تو...... جیون بھر کا ساتھ ہے ان کا میرا بیچ دوں انھیں وہ کیا کرے گا ان کا جانتی ہے؟"

"سو تو ہے...... کاٹ کوٹ کر کھا جائیں گے یہ سارے مُسلے۔"

"وہ ان کا کام ہمیں اس سے کیا۔ پر ہم اپنے ڈنگروں کو ان کے حوالے کیسے کر دیں؟"

"تو پھر بیٹھے بیٹھے ہی مر جائیں گے ہل تو ان سے چلتا ہے۔"

"بوڑھے ہو گئے ہیں کالو کی طرح بے چارے ہل کھینچنے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر جان نہیں ہے ان میں۔"

"تو پھر خود ہی بتاؤ کہاں سے کھاؤ گے اور کہاں سے انھیں کھلاؤ گے۔"

"اب کیا بتاؤں میرے ہاتھ پیر تو تھک چکے ہیں بھگوان ہی نے اگر کچھ سوچا ہے تو دیکھو لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ بھگوان نے بھی کیا سوچا ہے دن رات انہی سوچوں میں تو گھل رہا ہوں اور بیٹیاں ہیں تو بھگوان کی سوگند نظر ڈالو ان پر تو ڈر لگے ہے۔ آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ ارے روکھی سوکھی کھا کر بھگوان نے کیا بنا دیا ہے انھیں۔" کالو لعل کی بیوی خود بھی گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گئی۔ بہت دیر تک یہ بے چارے اسی طرح بیٹھے رہے پھر لڑکیاں وغیرہ جاگ گئیں کالو لعل آج کھیتوں پر جانے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا بہت دیر تک وہ گھر ہی میں رہا اس کے بعد وہ بولا۔

"نکل رہا ہوں کسی سے بات کروں گا اگر کوئی ترس کھا کر کھیتوں میں ہل چلا دے تو ہو سکتا

ہے ہماری بگڑی بن جائے۔ وہ چلا گیا اس کی بیٹیاں کاموں میں مصروف ہو گئیں تھیں میں بدستور بھوسے کے ڈھیر میں چھپا ہوا تھا پھر ایک لڑکی جس کی عمر چودہ پندرہ سال ہوگی اس طرف آئی جہاں بھوسے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اس نے بھوسے کی گانٹھیں اٹھا اٹھا کر ادھر اُدھر رکھنا شروع کر دیں۔ اب تو میرے لیے پریشانی ہو گئی تھی کہیں اور چھپنا ممکن نہیں تھا پھر اچانک ہی لڑکی کی نظر مجھ پر پڑی میں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ لیکن پھر اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اس کی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈلی ہوئی تھیں اور مجھے کسی کی کہی ہوئی ایک بات یاد آ رہی تھی وہ یہ تھی کہ شیش ناگ کی آنکھوں میں بھگوان نے ایسی شکتی دی ہے کہ اگر کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ لے تو وہ سحر زدہ ہو جائے۔ یہ بات ان سپیروں نے کہی تھی جن کے درمیان شردھا رہتی تھی۔ مجھے آج ان کی وہ بات یاد آ گئی تھی اور یہ بھی اندازہ تھا مجھے اپنے بارے میں کہ دھن راج نے مجھے شیش ناگ بنایا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنی ننھی ننھی آنکھوں کی گرفت اس لڑکی کی آنکھوں پر سخت کر دی۔ وہ بچ بچ جیسے پتھر کی ہو گئی تھی تب میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے کہا۔

"دیکھ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا میں...... میں تیرا اور تیرے پریوار کا دوست ہوں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تیرا نام کیا ہے؟" یہ ایک کوشش تھی جو تردیدی کی عقل سے سوچ کر میں نے کی۔ اب اس کا نتیجہ دیکھنا تھا اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلے اور ان سے آواز نکلی۔

"چنچی۔" میں خوشی سے جھوم اٹھا اس نے میرے سوال کا جواب دے دیا تھا اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ مجھے زندہ رہنے کا ایک طریقہ آ گیا تھا بے بسی کی اس زندگی میں جب کسی سے کلام بھی نہ کیا جا سکے میں کیا کرتا کیا نہ کرتا لیکن اگر آپ لوگ اس طرح میری زبان سمجھ لیں تو کم از کم کسی کو اپنا حال دل بتا تو سکتا ہوں...... یہ ایک عمدہ طریقہ تھا میں نے اس سے کہا۔

"چنچی۔ تُو اپنے من میں وشواش رکھ کہ میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا میں تیرا دوست ہوں اور تیری اور تیرے پتا کی سہایتا کرنا چاہتا ہوں۔" وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی لیکن یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی۔ انسان تھی ایک

سانپ سے خوفزدہ...... بہرحال جو اسے آسانی سے اپنا آلۂ کار بنا سکتا تھا میں نے اسے اپنی آنکھوں کے سحر میں گرفتار کر لیا تھا اور خوبصورت لڑکی میری صورت دیکھ رہی تھی وہ پتھرائی پتھرائی سی کھڑی ہوئی تھی میں نے پھر کہا۔

"چنچی۔ اس وقت تو میں تجھے کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن شام کو سورج ڈھل جائے تو یہیں اسی بھوسے کے ڈھیر میں آ جانا۔ تجھے میرے ساتھ چلنا ہوگا میں تجھے ایک ایسی جگہ لے جاؤں گا جہاں تیرے اور تیرے پریوار کے لیے بہت کچھ ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سن لینا اور کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔" ابھی میں نے اسے اتنا ہی سمجھایا تھا کہ پیچھے سے اس کی ماں آ گئی اور اس نے زور سے ایک تھپڑ چنچی کی پیٹھ پر جمایا۔

"اب یہاں آئی تو ایسی کہ واپس ہی نہیں جا رہی، سمجھتی ہوں تیرے سارے پچھن کام سے جی چراتی ہے کیسے کٹے گا جیون تیرا غیر کے گھر میں جائے گی تو۔"

چنچی میرے سحر سے آزاد ہو گئی۔ پھر اس کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور اس نے عقب میں چھلانگ لگا دی۔ اس کی ماں اس کی لپیٹ میں آ کر گرتے گرتے بچی تھی۔

"ارے تیرا...... ستیاناس...... اری...... اوہ...... سانڈنی کیا ہو گیا کیا موت پڑ گئی ہے تجھ پر۔" چنچی کی ماں نے چیخ کر کہا لیکن چنچی بھوسے کے پاس سے دور بھاگ گئی اور پھر اس نے حلق پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔

"سانپ، سانپ...... بھوسے میں سانپ ہے ماتا جی۔۔ بھوسے میں سانپ ہے ماتا جی۔"

"ہیں۔" چنچی کی ماں نے بڑی لمبی چھلانگ لگائی تھی اور پھر وہ بھی چنچی کے پاس پہنچ گئی باقی بہنیں بھی آ گئی تھیں اور چنچی کو چیختے دیکھ کر خود بھی چیخنے لگی تھیں۔

"ارے کمینوں چپ ہو جاؤ...... کیا شور مچایا ہے۔ اری او چنچی تیری حرکت سمجھتی ہوں میں کدھر ہے سانپ لا مجھے دکھا کدھر ہے سانپ۔"

"بھگوان کی سوگند ماتا جی...... بھگوان کی سوگند سانپ ہے۔ یہ بڑا چوڑے پھن والا......"

"ارے دیا رے دیا...... ارے نکل کر بھاگو گھر سے نکل آیا تو سب کو ڈس لے گا۔"

چنچی بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی اور میں حیرت سے بل کھا رہا تھا اب کیا کروں یہ تو گڑبڑ ہو گئی

یہ تو بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ باہر تمام لوگ جمع تھے۔ نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا چمپی کی ماں پاس پڑوس کے لوگوں کو بلا لائی ان لوگوں کی چیخیں سن کر خود ہی بہت سے لوگ آ گئے تھے۔ مر گئے میں نے دل ہی دل میں سوچا کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں سے نکل بھاگا جائے۔

"کہاں ہے سانپ کس جگہ ہے؟"

"بھوسے کے ڈھیر میں...... یہ بڑا کالا ناگ ہے ایسی چمک دار آنکھیں اور......

اور" چمپی کو جیسے کچھ یاد آ گیا اسے اپنے من میں کچھ باتیں محسوس ہوئیں لیکن الھڑ نادان لڑکی تھی ان پر غور نہ کیا محلے والے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے اور چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"ایسا کرو بانس لاؤ لمبے لمبے اس سے بھوسے کے ڈھیر گراتے ہیں نکلے گا تو مار دیں گے۔" کسی نے کہا۔

"نکلے گا تو مار دیں گے اور اگر کسی کو ڈس لیا اس نے تو؟"

"ارے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا کچھ کرو۔"

"میں بتاؤں...... یہ خطرہ مت مول لو...... یوں کرو۔ بھوسے میں آگ لگا دو۔"

"ہرے رام...... ہرے رام بیلوں کے کھانے کے لیے کچھ نہ رہے گا۔ اگر بھوسے میں آگ لگا دی تو۔"

"اور اگر نہ لگائی تو تم نہ رہو گے۔ اری چمپی دیکھ...... سچ بتا دے جھوٹ بول رہی ہے یا سچ۔"

"خود دیکھ لو ناں...... چاچا جی...... اندر جا کر پتا چل جائے گا جھوٹ سچ کا۔" چمپی نے چمک کر کہا۔

"لے میرا کوئی دماغ خراب ہے ارے بھائی جھوٹ بول رہی ہے یا سچ بول کا کو کے گھر والی کیا کہتی ہے؟ لگائی ہے بھوسے میں آگ یا جائیں ہم اپنے اپنے گھر۔"

ارے بھیا، میں کیا کہوں...... کا کو تو کھیت پر نکل گیا ہے۔"

"کھیت پر نکل گیا ہے۔ بیل تو نے نہیں گیا ابھی رکھا ہے کونے میں۔"

"ارے بھیا یہ بیل سسرے ہیں کس کام کے بس اب تو بیٹھے بیٹھے ہی کھاتے ہیں چلا پھرا تک نہ جاتا ہے۔"

"ارے تم ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہو۔ دیکھو تو سہی آخر یہ ہے کیا قصہ۔"

جتنے منہ اتنی باتیں اور پھر یہ بات طے پا گئی کہ بھوسے کے ڈھیر میں آگ لگا دی جائے۔

"ارے بھیا گھر میں آگ لگ جائے گی۔"

"تو جانے تیرا کام جانے۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی دوڑا چلا جائے کھیتوں پر کا کو لعل کو بلا لائے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے مگر وہ بھی کیا تیر مارے گا۔ دیکھو بھائیو اگر سچ ناگ ہے تو پھر......" کسی نے کہا...... لیکن پھر درمیان میں ہی جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور ایک دم بھوسے کے ڈھیر کی طرف دیکھ کر چیخا۔

"ہے بھیا ہے میں نے ابھی اس کی دُم دیکھی ہے۔"

"کدھر...... کہاں......؟"

"وہ دیکھو...... وہ دُم نظر آ رہی ہے۔" اس نے کہا اور میں نے جلدی سے اپنے جسم کو سکیڑ لیا پتہ نہیں کم بختوں کو کہاں سے میری دُم نظر آ گئی تھی۔ بڑی مشکل میں پھنس گیا تھا۔ کیا کروں...... کیا نہ کروں؟ اگر ان لوگوں نے بھوسے میں آگ لگا دی تو نجانے کیا حشر ہو میرا۔ ابھی یہ بات پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ پائی تھی کہ انسان کی حیثیت سے جو خوبیاں میرے اندر تھیں وہ سانپ کی حیثیت میں باقی رہی ہیں یا نہیں اس لیے میں خوفزدہ تھا۔

میری دُم دیکھ لی گئی تھی اور لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ بھوسے میں سانپ موجود ہے اب یہ جیالے کہاں ماننے والے تھے چنانچہ لالٹین لائی گئی۔ جس میں مٹی کا تیل بھرا ہوا تھا اور بھوسے کے ڈھیر پر تیل چھڑکا جانے لگا یہ بھی ان لوگوں کی سادگی ہی تھی خشک بھوسے میں کوئی ایک چنگاری بھی ڈال دیتا تو وہ آگ پکڑ لیتا لیکن بڑی مشکل پیش آ گئی تھی مجھے۔ میں بے چینی سے بھوسے میں جگہ بنا کر رینگنے لگا اور پھر تقدیر نے میری مدد کر دی۔ زمین میں ایک بڑا سا سوراخ نظر آ گیا تھا غالباً چوہوں نے اپنے رہنے کے لیے بل بنا لیا تھا۔

میں نے جلدی سے جسم سکیڑا اور اس سوراخ میں گھسنے کی جگہ تلاش کرنے لگا پھر یہ دیکھ کر میرے دل کو سکون کا احساس ہوا کہ سوراخ نیچے ہی نیچے دور تک لمبا چلا گیا تھا میں برق رفتاری سے اپنے بدن کو جنبش دیتا ہوا اس سوراخ میں آگے بڑھتا رہا۔ سوراخ ایک دیوار کے

پاس جا کر ختم ہو گیا تھا کیا مدد کی تھی چوہوں نے میری یہ اسی کا گھر ایک کمرہ تھا۔ کچی مٹی سے بنا ہوا یہ سوراخ اس کمرے میں جا کر کھلا تھا اور یہ کمرہ بھوسے کے اس ڈھیر سے کافی فاصلے پر تھا۔ گویا یہ امن کی جگہ تھی یہاں بھی ایسی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ جس سے سوراخ ڈھکا ہوا تھا لیکن اس سے باہر نکلا جا سکتا تھا ابھی تو باہر اتنے افراد تھے کہ اگر میں اس سوراخ سے نکل کر گھر سے بھاگنے کی کوشش کرتا تو ایک بار پھر مصیبت کا شکار ہو جاتا۔ بہر حال یہ امن کی جگہ تھی مجھے صاف محسوس ہوا کہ بھوسے کے ڈھیر میں آگ لگا دی گئی ہے اور وہ دھڑا دھڑ جل رہا ہے لوگ لاٹھیاں اور ڈنڈے لیے ہوئے کمرے سے کافی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے تا کہ آگ سے گھبرا کر اگر میں باہر نکلوں تو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر مجھے ہلاک کر دیا جائے۔

واہ...... بری تقدیر یہ ہوتا ہے غرور کا سر نیچا۔ کسی سے شکست قبول نہیں کرتا تھا میں۔ ہر ایک کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا تھا لیکن آج چھپا چھپا پھر رہا تھا کافی لوگ جمع ہو گئے تھے اور بھوسا جل کر خاک ہو گیا تھا پھر شاید کسی نے کا کو لعل کو بھی اطلاع دے دی اور کا کو لعل آ گیا۔ میں صرف ان کی آوازیں سن رہا تھا کا کو لعل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"ارے کیا کر رہے ہو سسرو...... ارے گھر میں آگ لگاؤ گے کیا پورے، ارے برباد کر دیا ہمیں ارے کمین کی بچی اری او...... اب بیل کیا کھائیں گے۔ بھوسا جلوا دیا۔ ٹوٹے ارے ترا ستیاناس ارے بجھاؤ اس آگ کو۔"

لوگ اسے بتانے لگے کہ بھوسے میں سانپ ہے تو کا کو لعل چیخنے لگا۔

"سانپ ہے تو ہمیں ڈس جائے گا ناں...... ارے مر جائیں گے نا ہم...... ویسے بھی مر رہے ہیں۔ کون سی نئی بات ہوتی ارے بجھاؤ بھیا۔ تمہارے ہاتھ جوڑوں ارے جتنا بچ جائے گا بیلوں کے کام آئے گا۔ کہاں سے لاؤں گا میں دوسرا بھوسا۔"

بہر حال آگ بجھا دی گئی اور میں سر ڈالے یہ سوچ رہا تھا کہ انسان کتنے عجیب ہوتے ہیں در حقیقت بڑے تجربات ہو رہے تھے کہیں کچھ اور کہیں کچھ زندگی کی واقعی کوئی ایک ڈگر نہیں ہے کتنا فاصلہ ہو گیا ہے میرا انسانوں سے اگر میں بھی ایک عام انسان ہی ہوتا تو تو۔ دماغ کی لہریں ماضی میں لوٹ گئیں۔ ماضی ابھی تک میرے ذہن کے کسی گوشے میں موجود تھا ہر چند کہ مجھے بہت کم ماضی کی باتیں یاد آتی تھیں لیکن اگر کبھی غور کرتا تو آہستہ آہستہ ذہن کے دریچے کھلتے چلے جاتے تھے۔

کرم واہلی...... کرم علی خان کیا کہانی تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ اپنی کہانی ہے۔

بہت دیر تک ان سوچوں میں گم رہا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ میں اپنی جگہ چھپا رہا۔ فی الحال اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ لعنت بھیج کر یہاں سے نکل بھاگوں یا پھر اس دکھی خاندان کی مدد کر ہی دوں۔ نجانے دل میں کیوں یہ جذبے بیدار ہو گئے تھے۔ ان جذبوں سے شاید پہلے بھی خالی نہ ہوتا اگر انسانوں کی مانند زندگی گزارنے کا موقع ملا تھا۔

لیکن میں انسان رہا ہی کہاں تھا زندگی کا ایک طویل دور جس کا تعین نہیں کیا جا سکتا تھا میں نے غیر انسانی شکل میں گزار دیا تھا۔ انسانوں کو تو بہت عرصے کے بعد دیکھا تھا اور کتنے اجنبی اجنبی لگے تھے۔ یہ لوگ اگر ان کے درمیان میں اس طرح داخل ہو کر ان کے حالات معلوم نہ کرتا تو آج بھی اس دنیا سے بالکل اجنبی ہوتا لیکن اب اس دنیا میں داخل ہونے کے بعد یہ احساس ہوتا تھا کہ انسان کی کہانیاں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں۔

آہ...... لیکن اس کا طرز زندگی عجیب ہے یہ دوست اور دشمن کی تمیز مشکل ہی سے کر پاتے ہیں خیر کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسی گزر رہی ہے گزاری جائے۔ عام ڈگر سے ہٹنے کے بعد انسانی زندگی بس میں نہیں ہوتی۔ کاش میں بھی عام انسان ہی ہوتا۔ دوسروں کی طرح جیتا اور دوسروں کی طرح مر جاتا، لیکن دھن راج۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس کے بارے میں سوچنے لگا بلاشبہ اس نے جو زیادتیاں میرے ساتھ کی تھیں وہ نا قابل برداشت تھیں اب اس کے لیے میرے دل میں عزت و احترام کا تو خیر کوئی تصور ہی نہیں رہا تھا۔

انتقام کا تصور البتہ دل میں بار بار ابھرتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ بلرام سنگھ اور پامیدیو، کا یہ رویہ دھن راج یعنی پدم چندری کے ساتھ کیسا تھا کون غلطی پر تھا اور کون صحیح تھا۔ مجھے تو پدم چندری نے جو کچھ بتایا تھا میں نے آج تک سفر کیا تھا اس نے اپنے مقصد کے لیے مجھے اپنی بساط کا ایک مہرہ بنایا تھا۔ اور جب اس نے مجھے اپنے مقصد کے لیے ناکارہ پایا تو مجھ سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گیا۔ اس میں شک نہیں تھا کہ اس نے مجھے ایک عجیب و غریب شکتی دی تھی لیکن شکتی دینے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ مجھ سے میری انسانی صفات ہی چھین لی جائیں۔

میں بھی اپنی مرضی سے جی سکتا ہوں اس نے مجھے یہ سب کچھ دیا تھا تو اس گیان سے

کیوں محروم رکھا تھا جس سے میں اپنی مشکلات پر قابو پا سکتا۔ اب تو ایک وسیع و عریض دنیا میرے لیے اس طرح کر کے چھوڑ دی تھی کہ میں اس دنیا میں اپنا کوئی مقام بنانے میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں اگر اس کی غلامی کرتا رہتا تو ٹھیک تھا اور جہاں میں نے اپنے طور پر جینے کی خواہش کا اظہار کیا اس نے اس سے انحراف کرتے ہوئے میری دشمنی پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ خیر کوئی بات نہیں ہے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ مصیبت اگر نہ پڑے تو صحیح معنوں میں مصیبت کا احساس نہیں ہوتا۔

زندگی اتنی آسان ہو جائے کہ اسے گزارنے میں کوئی وقت ہی نہ ہو تو پھر زندگی کا مزہ جاتا رہتا ہے۔ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ سوچنا تو ضروری ہوتا ہے یہ جگہ تو بہتر ثابت ہوئی باہر جو بھی ہنگامے ہوتے رہے۔ مجھے ان کے بارے میں نہیں معلوم تھا لیکن بہرحال اب امن چھا گیا تھا وقت گزرتا رہا۔ بے چارے کالو لعل کا بھوسا بھی جل گیا تھا کیا کرنا چاہیے مجھے وہ لڑکی تو عمر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میری آنکھوں کے سحر میں آ گئی تھی لیکن اس سے کوئی بہتر کام نہیں لیا جا سکتا۔ کالو لعل کا سامنا ہو چکا تھا ایک بار اور اس نے بیزاری کے عالم میں میرے ذریعے زندگی کھونا چاہی تھی وہ اس قدر بزدل نہ ثابت ہوگا۔

یقیناً اسی سے بات کی جائے لیکن ابھی اس کا موقع نہیں تھا سارا دن گزر گیا اور پھر رات ہو گئی۔ کالو لعل کے گھر پر بدستور سوگ طاری تھا میں البتہ اب اتنی ہمت نہیں کر سکا کہ پھر باہر جا کر صورت حال کا جائزہ لوں۔

پھر رات خوب گہری ہو گئی۔

ویسے ہی ان چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں سرِ شام رات ہو جاتی تھی اور اگر کسی گھر میں ملال کی فضا بھی ہو تو اداسیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ خوب اچھی طرح یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ سب آرام کرنے لیٹ گئے ہیں میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ کالو لعل اور اس کی دھرم پتنی بے سدھ سو رہے تھے میں کچھ دیر سوچتا رہا اس کے بعد ہمت کر کے کالو لعل کی طرف بڑھا اور آہستہ سے اس کے جسم پر چڑھ گیا۔

کالو لعل کسمسایا تھا لیکن بے چارہ تھکا ماندہ سو رہا تھا آنکھ نہ کھلی مدھم روشنی جل رہی تھی میں اس کے سینے پر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اچھا خاصا وزن تھا میرا کالو لعل کو اب جاگنا ہی پڑا۔ اس نے آنکھیں کھولیں لیکن میری ننھی ننھی نگاہیں اس کی آنکھوں پر تھیں میں اسے چیخنے سے

روکنا چاہتا تھا اس نے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں لیکن میری نگاہوں نے اپنا تنویمی عمل مکمل کر لیا اور اس کا منہ چیخنے کے لیے ضرور کھلا لیکن چیخ نہ نکل سکی۔ میں نے آنکھوں آنکھوں میں سے جکڑ لیا تھا۔ البتہ اس کی آنکھیں اب بھی خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔

”کالو لعل مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تجھے یاد ہوگا کہ کھیتوں پر تیری اور میری ملاقات ہوئی تھی میں وہی ناگ ہوں اور تجھے کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ سن کالو لعل، تیری تقدیر کے ستارے بدل جائیں گے۔ میں تیری مدد کرنے کا خواہش مند ہوں لیکن بیوقوفی کی کوئی حرکت نہ کرنا۔ تیرا بھوسے کا جھنڈار میری وجہ سے جل چکا ہے میری زندگی کا دشمن نہ بن جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کر۔ مجھ سے بالکل ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے کل دوپہر کو جب سورج بالکل بلندی پر پہنچ جائے اپنے کھیت پر میرا انتظار کرنا اور جیسے میں کہوں ویسے کرنا۔

”سن تجھے مجھ سے ڈرے بغیر میرے ساتھ ساتھ چلنا ہے۔ جہاں میں تجھے لے جاؤں وہاں خاموشی سے چلتے رہنا اور بالکل ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا سمجھا تو یہ سمجھ لے کہ میرے ذریعے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ فائدہ ہی ہوگا۔ اب میں چلتا ہوں لیکن میری بات کو اچھی طرح یاد رکھنا۔“

میں آہستہ آہستہ اس کے سینے سے نیچے اتر آیا لیکن اگر میں اسی طرف کا رخ کرتا جدھر سے نکل کر کالو لعل تک آیا تو ظاہر ہے میرے تنویمی عمل کے اثر سے آزاد ہونے کے بعد کالو لعل وہاں بھی ٹھکوسو مارتا۔ انسان تھا اپنے آپ پر قابو پانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے چنانچہ میں دروازے کی طرف بڑھ گیا اور اسی جگہ جا چھپا جہاں اس وقت چھپا تھا جب سب سے پہلے کالو لعل کے گھر میں داخل ہوا تھا۔ جھاڑ جھنکار کے درمیان یہ بھی ایک اچھی جگہ تھی بشرطیکہ کسی کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے۔

یہاں میں چھپے ہوئے یہ سوچنے لگا کہ اب میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے بس کسی کی مدد کر کے جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا چسکا پڑ گیا تھا۔ رام لال کو میں نے جاگیردار بنا دیا تھا اور جو مزا آیا تھا اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اب اس کے بعد میری اپنی کچھ بھی کیفیت ہو لیکن بے چارا کالو لعل جو زندگی سے بیزار ہے کچھ فائدہ حاصل کرے گا۔ بشرطیکہ برداشت کر جائے۔ میں ابھی یہی تمام باتیں سوچ رہا تھا کہ دفعتاً میں نے کالو لعل کو اس کی بیوی کے ساتھ

باہر نکلتے ہوئے دیکھا عورت کچھ بددل نظر آ رہی تھی لیکن کاکولعل ہاتھ میں دیا لیے ہوئے اور اسے بجھنے سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے باہر نکلا اور آہستہ آہستہ زمین پر کچھ ٹٹولتا رہا آگے بڑھنے لگا پھر اس نے ایک دم چیخ کر کہا۔

"یہ دیکھ یہ دیکھ مجھے تو تو پاگل ہی سمجھتی ہے۔ دیکھ...... دیکھ اپنی آنکھوں سے دیکھ یہ لکیریں کیسی ہیں؟"

میں دلچسپی سے ان کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا کاکولعل کی بیوی نے منہ بنا کر لکیروں کو دیکھا اور پھر بولی۔

"ہاں یہ لکیریں جیسے سانپ کی لکیریں ہی تو ہیں ہو سکتا ہے کسی اور چیز سے بن گئی ہوں۔"

"تیرا ستیاناس جو میں کہہ رہا ہوں میری بھی مان لے..... ہے بھگوان کیا کروں ...... ایسی پاگل عورت سے واسطہ پڑا ہے۔"

"ارے تو اب میں کیا کروں۔ مجھے بتاؤ؟"

"کرے گی کیا کرے گی کیا میں تو تجھے دکھا رہا ہوں کہ یہ سپنا نہیں تھا۔ بھگوان کی سوگند جھوٹ نہیں بول رہا تجھ سے۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سینے پر ایک کالا ناگ کنڈلی مارے بیٹھا ہوا ہے، پھر اس نے نجانے مجھ سے کیا کیا کہا اور میں سنتا رہا۔ اس کے بعد وہ میری چھاتی سے اتر کر دروازے کی طرف چل پڑا۔"

"ہائے رام اگر یہ سچ ہے تو کیا کریں اب، گھر میں کوئی کالا ناگ آ گھسا ہے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے کسے ڈستا ہے سارا بھوسا جل کر راکھ ہو گیا بیل الگ بھوکے مریں گے اب کہاں سے لائیں گے یہ بھوسا؟"

"بھگوان جانے مگر تھا سانپ ہی اس کا مطلب ہے کہ میں نے سپنا نہیں دیکھا مگر کچھ عجیب سی باتیں من میں آ رہی تھیں۔ اس سے جب وہ میرے سینے پر کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔"

"اب پاگل ہونے کی کسر اور رہ گئی ہے۔ وہ بھی ہو جاؤ مجھے تو نیند آ رہی ہے سونے دو مجھے۔"

"تو جا، جا سو جا، جا مر۔ میرا تو تو نے ساتھ دیا ہی نہیں کبھی۔"

"اری پگلی محنت مزدوری کرتا رہا ہوں۔ بول کبھی نکھٹو ہو کر بیٹھا، اب کیا کروں بھگوان نے جتنا بھاگ میں لکھ دیا ہے اتنا ہی تو ملے گا۔"

"ہمارے بھاگ تو پورے ہو گئے مگر ان چاروں کا کیا ہوگا؟"

"ارے ہوگا کیا جو ہوگا بھگوان جانے میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ جا، جا بابا اندر جا کر سو جا میرا دماغ بھی خراب کر رہی ہے۔"

کاکولعل کی بیوی منکتی ہوئی اندر چلی گئی۔ صورت حال کا مجھے اندازہ ہو گیا تھا کاکولعل ایک گوشے میں بیٹھ گیا اب اس کے بعد دوبارہ نکل کر اس کے پاس جانا مناسب نہیں تھا بے چارہ آدھی سے زیادہ رات بیٹھا پاگلوں کی طرح سوچتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے دماغ میں میری باتیں ہوں گی پہلے تو وہ انہیں خواب سمجھا تھا اور پھر اس خواب کی تصدیق کرنے کے لیے باہر نکل آیا تھا۔ اور اسے میرے بدن سے بن جانے والی لکیریں نظر آ گئی تھیں۔ شکر ہے وہ ان لکیروں کا سہارا لے کر ان جھاڑیوں تک نہیں پہنچا ورنہ پھر وہی ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ البتہ جب وہ اندر چلا گیا تو میں نے سوچا کہ یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔ دن کی روشنی میں یہاں سے نکل کر کھیتوں تک جانا مشکل کام ہوگا۔ اور ویسے بھی بستی میں سانپ کی خبر اڑ چکی ہے اس لیے بستی والے لوگ اسی چکر میں ہوں۔ چنانچہ اس وقت نکل جانا بہتر ہے۔ رات کی تاریکیوں میں چاندنی کے نیچے کھیتوں تک سفر کرنا بہت اچھا لگا۔ کاکولعل کے کھیتوں کا راستہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا چنانچہ میں ان بے آب و گیاہ کھیتوں میں پہنچ گیا۔

پھر دن کی روشنی میں میں نے ادھر ادھر کی آہٹیں لیں، آس پاس کسی کا وجود نہیں تھا۔ اس کے بعد میں کاکولعل کا انتظار کرنے لگا۔ سورج نکلا سورج چڑھنے لگا اور پھر سورج عروج پر پہنچ گیا۔ کاکولعل کھیتوں پر نہیں آیا تھا مجھے غصہ آنے لگا۔ کم بخت اپنی تقدیر کو خود دھکا دے رہا ہے تو میرا کیا ہے لیکن پھر میں نے چونک کر دیکھا دور سے کاکولعل آتا ہوا نظر آ رہا تھا کچھ دیر کے بعد وہ قریب پہنچ گیا۔ ہونٹوں پر بڑبڑاہٹ تھی۔

"ہے بھگوان! دماغ میں اگر کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے تو تیا پانچا کر دینا کیوں سسکا سسکا کر مار رہا ہے۔ اب اگر وہ سپنا نہیں تھا تو جانے رام۔" اچانک ہی وہ اچھل پڑا۔ اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی تھی میں کنڈلی مارے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ کاکولعل چند لمحے ساکت نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر دوزانو

میرے سامنے بیٹھ گیا اس نے کہا۔

"ناگ مہاراج! بھگوان کی سوگند میں پاگل نہیں ہوں اس وقت میری آنکھیں بھی کھلی ہوئی ہیں۔ دماغ بھی ٹھیک کام کرتا ہے۔ تمہیں بھگوان کی سوگند بتادو کہ کیا رات کو میرے گھر میں تم ہی تھے اور کیا تم نے ہی یہ ساری باتیں کہی تھیں کہ میں کھیتوں پر پہنچ جاؤں یا میں سچ مچ پاگل ہوتا جا رہا ہوں اس سے بھی تم نہیں ہو بلکہ کچھ میرا خیال ہے میرا دھیان ہے۔"

دل تو چاہا کہ اس سے کہوں کالو لعل نہ تو یہ تیرا دھیان ہے اور نہ تیرا خیال۔ میرے ساتھ آ جا۔ مگر زبان ہی نہیں تھی کہتا کیا۔ البتہ آنکھوں کے ذریعہ پیغام رسانی کر سکتا تھا لیکن وہ بدبخت میری جانب دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں میں اپنا پھن زمین پر ڈالے آہستہ آہستہ ایک جانب رینگنے لگا کالو لعل کو یاد آ گیا تھا کہ میں نے اس سے کیا کہا تھا۔ چنانچہ ایک لمحے کو تو وہ وہیں رکا رہا۔ پھر جب میں نے رک کر اس کی جانب دیکھا تو وہ میرے پیچھے کچھ بڑبڑاتا ہوا آنے لگا لیکن اس کی آواز مجھے سنائی نہیں دی وے رہی تھی۔

میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا تاکہ وہ چلنے میں دقت محسوس نہ کرے۔ کالو لعل اب کسی سحرزدہ شخص کی مانند میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ میں کھنڈرات میں داخل ہو گیا کالو لعل ایک لمحے کے لیے پریشان ہو گیا۔ وہ اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں سے واقعی کوئی سمجھدار آدمی اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا لیکن میں نے رک کر اس کی جانب دیکھ لیا تھا۔ بدنصیب کم بخت میری آنکھوں کی طرف دیکھ تاکہ میں تیرے ذہن کے گوشے روشن کر دوں۔

لیکن وہ دیکھ ہی نہیں رہا تھا یا تو وہ خوف زدہ تھا یا پھر آس پاس کے ماحول کو دیکھ رہا تھا میں نے رک کر اسے دیکھا اور اس کے بعد پھر آگے بڑھا تو وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر میرے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ البتہ اس وقت اس کی بڑبڑاہٹ مجھے سنائی دے گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے ناگ مہاراج ٹھیک ہے۔ اگر تم مجھے موت کی طرف لے جا رہے ہو تب بھی بھگوان کی سوگند تمہاری بات مانوں گا۔"

میں کلسوں کے پاس جا کر رک گیا کالو لعل نے بھی کلسے دیکھے اور اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

"ہے بھگوان یہ کیا ہے؟"

میں نے پھن اٹھا کر کلسے پر سے وہ چھوٹے چھوٹے ڈھکن گرا دیے جن سے وہ کلسے ڈھکے ہوئے تھے کالو لعل نے تیزی سے جھانکا اور اسے گنیاں نظر آ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سانس ہی رک گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان گنیوں کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے زور سے اپنے بدن کو نوچا اور اس کے بعد لرزتا ہوا ہاتھ کلسے میں ڈال دیا۔ مٹھی میں گنیاں بھریں انہیں چہرے کے قریب کیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔ جیسے اسے کسی کا خوف ہو۔ میری طرف دیکھا گنیاں واپس کلسے میں ڈال دیں اور عجیب سی کیفیت اس کے اندر پیدا ہو گئی تھی لیکن میں یہی چاہتا تھا کہ وہ میری جانب دیکھے تاکہ اسے آئندہ کے لیے ہدایت کر دوں۔ میں نے فوراً ہی اپنی آنکھوں میں اس کی آنکھیں جکڑ لیں اور وہ آہستہ آہستہ ساکت ہوتا چلا گیا۔ میں نے اس سے کہا۔

"کالو لعل، ان دونوں کلسوں میں گنیاں بھری ہوئی ہیں یہ دولت میری طرف سے تیرے لیے ہے لیکن اب اسے سنبھال کر اپنے گھر لے جانا۔ اور اس کے بعد اسے اس طرح استعمال کرنا کہ بستی والوں کو تجھ پر شک نہ ہو۔ اب یہ تیری ذمہ داری ہے کیا سمجھا میں اس سے زیادہ تیری اور کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

میں نے کالو لعل کا ذہن آزاد کیا اور رینگتا ہوا اس جگہ سے باہر چل پڑا۔ جدھر سے یہاں آیا تھا سچ اس سے زیادہ میں اس کے لیے کر ہی کیا سکتا تھا۔ اب وہ جانے اور اس کا کام لیکن ایک خیال میرے دل میں ضرور پیدا ہوا تھا کہ دیکھوں تو سہی کہ کالو لعل مہاراج اب اس عظیم دولت کے حصول کے لیے کیا کرتے ہیں اور یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا در حقیقت اس تجربے کے لیے مجھے خود بھی کافی تکلیفیں اٹھانا پڑی تھیں۔ کھنڈرات سے بستی تک کا فاصلہ لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر طے کرنا آسان کام نہیں تھا۔

پھر کالو لعل کے ہاں سانپ دیکھا جا چکا تھا اس لیے بھی خطرہ تھا کہ کہیں جگہ جگہ اس کی تلاش نہ ہو۔ پھر بھی چھپنے کے لیے دو ٹھکانے موجود تھے میرے پاس۔ ایک سامان کا وہ انبار جو الٹا سیدھا سامان بے شک تھا لیکن میرے لیے انتہائی کارآمد دوسرے جھاڑ جھنکار کے درمیان وہ جگہ جہاں سب سے پہلے میں کالو لعل کے ہاں آ کر چھپا تھا۔

پھر میں نے دیکھا کہ دولت سچ مچ عقل بھی دے دیتی ہے اور انسان کی تمام سادگی

رخصت ہو جاتی ہے۔ کالو لعل مہاراج نے جو کچھ کیا وہ بڑا دلچسپ تھا۔ اب تو یوں لگتا تھا جیسے اس کی جوانی واپس لوٹ آئی ہو۔ اپنے احاطے کے ایک گوشے میں زمین کھودنے لگے۔ کافی کھدائی کر ڈالی مٹی کے انبار لگا دیے دھرم وتی جی نے پوچھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم؟"

"چپ ہو جا بس جو کچھ میں کر رہا ہوں بس خاموشی سے مجھے کرنے دے۔ میں آج سے ناگ دیوتا کا داس بن گیا ہوں یہاں میں ناگ دیو منڈپ بنا رہا ہوں۔"

"ارے آخر تمھارے اوپر یہ ناگ دیو کیوں سوار ہو گیا۔"

"دیکھ، ناگ دیوتا کی شان میں اگر ایک لفظ بھی غلط کہا تو اچھا نہیں ہو گا۔ میں ناگ دیو کا پجاری بن چکا ہوں اور آج سے تم لوگ مجھے ناگ دیو کا پجاری کہو گے۔"

"بس اب یہی کسر رہ گئی ہے ناگ دیوتا کا پجاری اور بنتا رہ گیا تھا بن جاؤ، اور تو کسی کام کے رہے نہیں۔" دونوں پتی پتنی میں خوب لڑائی رہی اور پتنی جی منہ بنا کر اندر جا بیٹھیں لیکن کالو لعل نے اپنا کام جاری رکھا۔ چاروں بیٹیوں کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا مٹی کا دائرہ بنایا اور اس سے ایک عجیب و غریب چیز تیار کرنے لگا۔ بس کچھ ایسی ہی کارروائیاں کر رہا تھا وہ جو میری سمجھ میں نہیں آئی تھیں لیکن بعد میں سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔ اس نے ایک ایسی جگہ بنا دی۔ جسے مندر کی قسم کا کہا جا سکتا تھا۔

لیکن بس تین چار فٹ اونچی جگہ تھی اس کے آگے وہ چوڑا گڑھا جس میں سے مٹی نکالی گئی تھی۔ پھر اس نے گڑھے کو لکڑیوں سے پاٹ دیا۔ اس پر گھاس پھوس ڈالی اور وہاں دھونی رما کر بیٹھ گیا۔ لڑکیاں ہنس رہی تھیں اور کالو لعل کی دھرم پتنی ملنے جلنے والوں سے کہہ رہی تھیں کہ اب دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا۔ لوگ افسوس بھی کر رہے تھے کہ غربت کی وجہ سے بے چارہ کالو لعل پاگل ہی ہو گیا۔

میں خود بھی نہیں سمجھ پایا تھا کہ کالو لعل جی نے کیا چکر چلایا ہوا ہے۔ اس ساری جگہ کو انھوں نے جس مقصد کے لیے بنایا تھا وہ رات کو میرے علم میں آیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور میں اس جھاڑ جھنکار کے نیچے کنڈلی مارے بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا کہ میں نے چونک کر دیکھا کالو لعل ایک کلسا کاندھے پر لادے دوسرا بغل میں دبائے ڈولتے آ رہے تھے اور اس کے بعد انھوں نے اپنے لیے ایک جگہ بنائی تھی وہاں اس گڑھے کے اوپر سے گھاس اور لکڑیاں

ہٹائیں اور کلسے اس کے اندر چھپا دیے۔ لکڑیاں اسی طرح برابر کیں اور پھر اس پر اسی طرح دھونی رمائے بیٹھ گئے۔ آنکھیں بند کر لیں اور بن گئے کالو لعل ناگ پجاری۔

مجھے بہت لطف آ رہا تھا۔ کالو لعل اور اس کی چالاکی پر، اس کے بعد میں نے وہاں کافی دن چھپ چھپ کر گزارے کالو لعل کو کام کرتے ہوئے دیکھا۔

کالو لعل شہر گیا تھا اور لدا پھندا واپس آ گیا تھا لازمی بات ہے گنیاں پہنچ گیا ہو گا گھر میں خوشیاں اتر آ گئیں البتہ اس کے کردار میں ایک خوبی دیکھی میں نے کہ اپنے مریل بیلوں کے لیے بھی اس نے وہیں پر ہر طرح کی بہتری کا انتظام کر دیا تھا۔ برے وقت کے ان ساتھیوں کو اس نے اپنے آپ سے دور نہیں کیا تھا اور ان کی دیکھ بھال بھی اسی طرح ہونے لگی تھی۔ چند روز میں نے یہاں گزارے۔ اب یہاں رکنا بیکار تھا ایک اور ایسا کام ہوا تھا جس سے مجھے خوشی ہوئی تھی۔

مجھے اطمینان تھا کہ کالو لعل نے پہلا ہی جو قدم اٹھایا ہے وہ ایسا ہے کہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی کے جال میں نہیں پھنسے گا۔ اور زندگی کی گاڑی کو آرام سے دھکیل لے جائے گا۔ ایسے لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں۔ جنھیں انگلی پکڑ کر نہیں چلانا پڑتا۔

کالو لعل کو دولت حاصل ہو گئی۔ اس نے اس کا صحیح استعمال شروع کر دیا میرا یہاں رکنا اب بے معنی تھا۔ ایک ناگ پجاری یہاں چھوڑے جا رہا تھا پھر میں نے وہ آبادی چھوڑ دی۔ اور رینگتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ زندگی کی یہ گاڑی کتنی دور جا سکتی ہے۔ میں اس تکلیف کے عالم میں کہاں تک اپنے آپ کو گھسیٹ سکتا ہوں۔ یہ فیصلہ کرتا تھا۔ مجھے ہر چند کہ جسمانی طور پر کوئی ایسی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ جب تک تھکتا نہ تھا چلتا رہتا تھا پھر کوئی بھی جگہ تلاش کر لیا کرتا تھا۔

پھر ایک دن ایک بیل گاڑی دیکھی جسے ایک آدمی ہانک رہا تھا چھکڑے میں اوپر تک سبزیاں بھری ہوئی تھیں۔ بس یونہی دل چاہا تھا کہ بیل گاڑی پر چڑھ جاؤں تیز تیز آگے بڑھا۔ اب باقاعدہ سانپ تو نہیں تھا جو چلتی گاڑی پر چڑھ نہ سکتا۔ ذرا ہوشیاری سے ایک ایسی جگہ سے اوپر چڑھ گیا جہاں سے مشکل نہ ہو۔ ٹھنڈی ٹھنڈی تازہ سبزیوں کے درمیان چھپ کر بڑا سکون محسوس ہوا تھا اور اس کے بعد میں ان سبزیوں ہی میں پڑ کر سو گیا تھا نجانے کب سوتا رہا پھر اچانک ہلچل سی محسوس ہوئی۔ بہت سے انسانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں چونک کر جاگ اٹھا اور ایک جگہ سے موقع پا کر سر اٹھا کر دیکھا بڑی بھیڑ لگی ہوئی تھی غالباً بازار تھا جو شخص سبزی لے کر یہاں تک پہنچا تھا اس نے بیل کھول کر ایک درخت کے ساتھ باندھ دیے تھے۔ زمین پر چادر بچھا رہا تھا ایک لمحے میں صورت حال کا اندازہ ہو گیا کہ کوئی سبزی فروش جو اپنے کھیتوں سے سبزی لے کر آیا ہے اور اب یہاں دکان لگا کر اسے بیچے گا اور چند ہی لمحات کے بعد وہ سبزی چھکڑے پر سے اتار دے گا۔

اور اس سے پہلے کہ سبزی میں میری موجودگی کا شور مچے بہتر یہی تھا کہ میں یہاں سے رفو چکر ہو جاؤں۔ کچے پکے مکانات کا ایک وسیع و عریض سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور رینگ کر گاڑی کے نیچے آ گیا۔ لوگوں کی نگاہ بچا کر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنا چاہتا تھا جہاں وقت گزار سکوں...... ویسے تو یہ درخت بھی تھا جہاں بیل بندھے ہوئے تھے۔ میں درخت پر بھی چڑھ سکتا تھا اور اس وقت اس بھیڑ بھاڑ میں یہی سب سے مناسب موقع تھا۔ البتہ جب میں درخت پر چڑھا تو بیلوں نے بڑی اچھل کود مچائی تھی لیکن میں موقع پا کر خاصا اونچا چلا گیا۔

سبزی والے نے دو تین موٹے بیلوں کے لگائے اور بے چارے بیل خاموش ہو گئے وہ سانپ کی نشاندہی کرنا چاہتے تھے لیکن شکر تھا کہ ان کے منہ میں زبان نہیں تھی ورنہ ایک بار پھر ہنگامہ شروع ہو جاتا۔

میں درخت پر کافی بلندی تک چلا گیا۔ اوپر سے تھوڑے فاصلے پر درخت کی شاخیں ایک دوسرے درخت سے جڑی ہوئی تھیں۔

میں اس ہنگامے سے بچنے کے لیے شاخوں شاخوں ہوتا ہوا دوسرے درخت پر پہنچا۔ پھر اس درخت سے جڑے ہوئے ایک اور درخت پر۔ بڑا دلچسپ سلسلہ تھا یہ۔ درختوں کا بلندیوں کا سفر کرتا ہوا میں بازار سے کافی دور نکل آیا۔ پھر جس درخت پر پہنچا وہ ایک گھر کے آنگن میں تھا گھر خاصا بڑا تھا اور اس میں گھر کے مکین رہتے تھے۔ یہاں بڑا سکون خاموشی اور سناٹا تھا میں ایک مضبوط شاخ دیکھ کر اس پر بیٹھ گیا۔ اچھی جگہ تھی اور درخت بھی کافی قدیم تھا۔ اس میں داڑھیاں لٹکی ہوئی تھیں یہ برگد کا درخت تھا اور جگہ جگہ سے کھوکھلا بھی تھا میرے چھپنے کے لیے اس سے محفوظ جگہ اور کوئی نہیں تھی۔

چنانچہ میں یہاں آرام سے وقت گزاری کرنے لگا دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی کہ

دیکھو اب یہاں کون سی کہانی شروع ہوتی ہے۔ زندگی کا اور کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آتا تھا اور اگر کوئی کوشش بھی کرتا تو اب تو بالکل ہی راستے مسدود ہو گئے تھے۔ پدم چندی نے صحیح معنوں میں جو میرے ساتھ کیا تھا اسے ملیا میٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ غور کیا جاتا تو صرف یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے مجھے اپنا آلہ کار بنایا تھا اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے اور جب میں نے اس کی مرضی سے ذرا بھی انحراف کیا تھا تو اس نے اپنی قوتوں سے کام لے کر مجھ سے میری تمام زندگی چھین لی تھی۔

"نہیں پدم چندی۔ مہاراج چیلا ہوں آپ کا۔ مانتا ہوں اس بات کو کہ آپ نے اس سنسار میں مجھے بہت کچھ دیا ہے لیکن اب جو احساس دلایا ہے آپ نے وہ یہ ہے کہ آپ نے مجھے دیا نہیں بلکہ مجھ سے لے سب کچھ لیا ہے۔ اب بھی اگر آپ کی عزت کروں اور آپ کے لیے من میں جگہ تلاش کروں تو یہ عقل کی بات نہیں ہے، خیر سارا جیون تو اس طرح گزرے گا نہیں۔ اس جیون کا کہیں نہ کہیں انت ہو گا اور جب انت ہو گا تو اس کے بعد میری سوچ کے دائرے بدل چکے ہوں گے اور اس کے بعد میں وہ کروں گا جو آپ کے خیال میں بھی نہ آئے۔ کرم یوگی کا بدن ہے میرے پاس رام تر ویدی کی عقل ہے تو کیا اتنا بھی نہیں سوچ پاؤں گا کہ آپ کی اس برائی کا بدلہ آپ کو کیسے دوں۔"

دل ہی دل میں سلگتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ کچھ کر تو سکتا نہیں تھا جب بدن پر سے کھولت زائل ہوئی تو اس مکان کے مکینوں کو دیکھا۔ دو تین چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو صحن میں کھیلتے پھر رہے تھے۔ مفلوک الحال گھرانہ معلوم ہوتا تھا ابھی یہی سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ باہر سے گیارہ بارہ سال کی ایک لڑکی آئی اور تیزی سے اندر چلی گئی۔ پھر ایک عورت ایک ادھیڑ عمر شخص کو سہارا دے کر باہر لائی اور اس درخت کے نیچے کھڑی ہوئی بانوں سے بنی ایک چار پائی بچھا دی گئی۔ اس پر چادر ڈال دی گئی اور اس کے بعد عورت نے لڑکی کو آواز دی۔

"جابالا۔"

لڑکی باہر چلی گئی اور عورت اس اندرونی حصے میں جہاں سے وہ آئی تھی اپنے ساتھ وہ کھیلنے والے بچوں کو بھی واپس لے گئی تھی۔ تین چار آدمی اندر آئے ایک نوجوان لڑکے کو ساتھ لائے تھے جو شاید بیمار معلوم ہوتا تھا چار پائی پر بیٹھے ہوئے شخص نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک تسبیح نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ جس کے دونے گھمانے لگا آنے والوں نے جھک جھک

کر سلام کیے تو اس شخص نے تسبیح پر پھونک ماری اور ان لوگوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر لڑکے پر پڑی اور وہ اسے گھورنے لگا ان لوگوں نے لڑکے کو بٹھا دیا تھا لڑکا ادھر اُدھر گردن مار رہا تھا تب چارپائی پر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔

"ہوں...... تو یہ بات ہے یہاں آتے ہوئے بھی تمھیں یہ خیال نہیں آیا کہ مولوی رحیم اللہ کے ہاں جا رہے تھے میں کہتا ہوں اس گھر میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی۔ بولو ...... بولو...... ؟" چارپائی پر بیٹھے ہوئے شخص کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔ جو لوگ اسے ساتھ لے کر آئے تھے انھوں نے گردنیں جھکالی تھیں۔ مولوی رحیم اللہ نے آواز دی۔

"اری...... نوری...... گلاس میں پانی لے کر آ......" نوری اسی لڑکی کا نام تھا۔ جس نے باہر آ کر اطلاع دی تھی کہ کوئی آیا ہے وہ لڑکی گلاس میں پانی لے آئی مولوی رحیم اللہ اس پانی پر کچھ پڑھتے رہے اور اس کے بعد انھوں نے ہاتھ میں پانی لے کر اس لڑکے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ لڑکا خاموشی سے بیٹھا رہا کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی کچھ دیر کے بعد مولوی رحیم اللہ نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لے پانی پی لے"۔۔۔ اور لڑکے نے گلاس ہاتھ سے لے کر وہ پانی پی لیا مولوی رحیم اللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"ہاں...... اب آئے ہو۔ میاں...... راہِ راست پر بھائی کریم بخش کیا بات ہے؟"

"اب آپ کو کیا بتائیں مولوی صاحب آپ نے تو خود ہی دیکھ لیا۔ کیا حالت ہو جاتی ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے ایسا کرو میاں وہ حکیم شبیر احمد خان ہیں ناں...... انھیں بھی دکھا دو...... دوا دارو ضروری چیز ہوتی ہے اور ہم تمھیں کچھ فلیتے دیتے ہیں انھیں جلاؤ شفا ہو گی۔"

"اب تو اس کی حالت کافی بہتر نظر آ رہی ہے۔" آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں یہاں آ کر تو شکل ہی بدل گئی۔" یہ الفاظ کریم بخش کے تھے۔

"مولوی رحیم اللہ آپ کا دم غنیمت ہے ہماری بستی میں؟" ایک اور نے کہا۔

"بس میاں کسی کی کوئی خدمت ہو جائے تو سمجھو بیڑا پار ہو جاتا ہے اچھا تو تم یوں کرو

کچھ نذر و نیاز کے لیے پیسے دے جاؤ اور کل کچھ چیزیں لے کر آ جانا میں تمھیں بتائے دیتا ہوں۔"

مولوی رحیم اللہ نے کچھ چیزیں بتائیں۔ جو میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھیں ان لوگوں نے عقیدت سے گردن جھکا دی۔ مولوی صاحب نے صدری کی اندرونی جیب سے کچھ نکال کر دیا اور مٹھی میں دبا کر کریم بخش کے حوالے کر دیا۔

پھر وہ لوگ چلے گئے۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا تھا ان کے جانے کے بعد وہی لڑکی جس کا نام نوری لیا گیا تھا آگے بڑھی اور دروازہ بند کر آئی۔ پھر اندر سے وہ عمر رسیدہ عورت باہر نکل آئی جو مولوی رحیم اللہ کو سہارا دے کر یہاں لائی تھی۔ ویسے مولوی رحیم اللہ اپاہج تھے اس کی ایک ٹانگ گھٹنے کے پاس کٹی ہوئی تھی اور وہ بیساکھی لگا کر چلتا تھا۔ اس وقت وہ خوش نظر آ رہا تھا وہ عورت اس کے پاس پہنچی تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ رقم نکالی اور عورت کی جانب بڑھاتا ہوا بولا۔

"کہیں نہ کہیں سے انتظام ہو ہی جاتا ہے نصیرہ دیکھ ناں اب، تم کہہ رہی تھیں کہ آٹا دال نہیں ہے کھانے کو کچھ بھی نہیں آج۔ میرا خیال ہے ہفتے بھر کا بندوبست تو ہو گیا کل بھی کچھ نہ کچھ آئے گا۔ چلو کہیں نہ کہیں سے مولا بھیج دیتا ہے۔"

عورت جس کا نام نصیرہ لیا گیا تھا افسردہ نظر آنے لگی بولی۔

"دیکھو یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ رحیم خان...... یہ جائز نہیں۔ کسی بیمار کو شفا نہ دے سکو تو جھوٹا دلاسہ بھی تو نہ دو نا۔"

"ارے کیا فضول باتیں کرتی ہو تم نصیرہ...... میں نے یہ بھی تو کہہ دیا ہے کہ حکیم شبیر احمد کو دکھا دیں۔"

"مگر تم نے فوراً ہی ان لوگوں پر جھوٹی باتیں بھی تو لادنی شروع کر دی تھیں۔ کیا پڑھا تھا تم نے اس پانی پر۔"

"دیکھو دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں نصیرہ...... فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ کیا کروں...... اگر یہ سب کچھ نہ کروں تو بھوکا ماردوں بچوں کو۔ اپاہج ہوں ارے ٹانگ کٹ گئی بتاؤ اب کیا کر سکتا ہوں میں...... وہ کوڑی کا ہو کر رہ گیا۔ اللہ نے اولاد بھی دی تو سب سے بڑی بیٹی، چار پیسے کما کر بھی نہیں لا سکتی۔ بھوکے مر جاؤ گے تم سب لوگ۔ دیکھو نصیرہ

...... مجبوری ہے میرا دل خود دکھتا ہے۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے لیکن ذرا باہر نکلو چار پیسے مانگ لو کسی سے،منہ بنا کر اور منہ نیچا کر کے پاس سے نکل جائے گا۔ میرے سگے بھائیوں کو ہی لے لو...... ان سے زیادہ مذاق اڑاتا ہوگا ہمارا کوئی،ایک سے ایک کمینہ ہے۔ آدھا سیر آٹا تو کوئی دے نہیں سکتا۔ ہاں باتیں بنانے کے لیے سب آ جاتے ہیں۔ دیکھو کسی نے پلٹ کر پوچھا کہ کیا حال ہے تم لوگوں کا۔ پیٹ بھرا ہے یا بھوکے مر گئے۔ نہیں نصیرہ بیگم مجبوری کا نام شکر یہ ہے جو کچھ کر رہا ہوں مولا جانتا ہے کہ مجبوری کے عالم میں کر رہا ہوں۔"

"تمہیں پتا ہے ایسے الٹے سیدھے چکر نقصان بھی دے سکتے ہیں؟"

"کیا نقصان دیں گے؟"

"بچوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے؟"

"مولا کی مرضی میں کسی کا کیا دخل اگر بچوں کو اس طرح نقصان پہنچنا ہے تو پہنچ جائے بھائی۔ ویسے بھی تو نقصان پہنچ رہا ہے انہیں۔ پیٹ میں روٹی نہ ہوگی تو ویسے ہی مر جائیں گے بے چارے۔ رہنے دے نصیرہ بہت زیادہ کچوکے نہ لگا میرے دل پر بس جو ہو رہا ہے وہی ہونے دے۔ اب تُو دیکھ نا انسان بھائیوں پر کتنا بھروسا کرتا ہے مگر اس وقت تک جب تک ماں باپ کی کمائی ہوتی ہے جہاں یہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے سب کی شان ہی نرالی ہو جاتی ہے۔ ہر ایک سینہ تان کر اپنے آپ کو تیس مار خان کہتا ہے ایک دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا۔ بیوی بچوں کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ سارے کے سارے یہ بھول جاتے ہیں کہ کبھی راتوں کو ایک دوسرے کی گردن میں بانہیں ڈال کر سویا کرتے تھے۔ اب تُو بتا کون ہے میرا...... کون ہے؟"

مولوی رحیم اللہ کی آواز بھاری ہوگئی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس کی بیوی نصیرہ بھی آزردہ ہوگئی تھی اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔

"اے اللہ ہماری مشکل آسان کر، کیا کریں ہم کیا کر سکتے ہیں تُو نے کہا ہے کہ تو بھوکا اٹھائے گا ضرور سلائے گا نہیں۔ پھر ہماری طرف سے تُو نے کیوں آنکھیں بند کر لی ہیں؟"

"توبہ کر نصیرہ...... توبہ کر...... ارے آنکھیں بند کی ہیں یہ دیکھ اس میں بتنے بھر کا آٹا اور دال آ جائے گی۔ کہاں آنکھیں بند کی ہیں۔ اس نے۔"

میں نے ٹھنڈی سانس لی اس گفتگو سے حالات کا کچھ اندازہ ہو جاتا تھا یہ کوئی

سلسلہ گھرانہ تھا۔ مولوی رحیم اللہ اپاہج ہو گیا تھا اور اس کے بعد اس نے یہ جھاڑ پھونک کا دھندا شروع کر دیا تھا۔ صاحب ضمیر لوگ تھے دل سے اس کام کو برا سمجھتے تھے مگر مجبوریاں آڑے آئی تھیں۔ چل بھائی تردیدی پھر کوئی چکر چلا۔ اچھے ہیں یہ سارے دھندے برے نہیں ہیں لیکن اب چکر کیا ہو سکتا ہے کیا اس میں وقت گزرتا رہے گا اور وہ بھی ایک کیڑے مکوڑے کی حیثیت سے۔ جسم اپنا ہوتا اس میں توانائی ہوتی تو ہاتھ پیروں سے بھی بہت کچھ کیا جا سکتا تھا لیکن اب اس عالم میں اب ہر جگہ تو کنڈرات ہیں نہیں۔ جہاں سے سونے کے کلسے نکال لیے جائیں اب ان لوگوں کے لیے کیا کیا جائے؟

میں نے اس درخت پر بسیرا کر لیا کسی کی توجہ درخت پر نہیں جاتی تھی۔ درخت کے گھنے حصے میں میرے لیے کافی جگہ موجود تھی۔ یہاں سے دیکھ لیے جانے کا خطرہ بھی نہیں تھا وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے میں باہر کے مناظر بھی دیکھ سکتا تھا بعد میں کچھ اور تفصیلات بھی معلوم ہوئیں۔

مولوی رحیم اللہ بہت مشہور ہو گئے تھے اور بہت سے لوگوں کا علاج بھی کر چکے تھے۔ ان لوگوں نے خود اعتراف کیا تھا کہ انھیں کچھ نہیں آتا بس الٹی سیدھی جھاڑ پھونک کر کے کام چلا لیا کرتے ہیں اور یہ کام وہ بحالت مجبوری کرتے ہیں۔

پھر ایک دن صبح ہی صبح ایک دلچسپ صورت حال پیش آ گئی کچھ لوگوں نے اس وقت دروازہ بجایا تھا جب گھر کے مکین سو رہے تھے۔ دروازہ بہت زور زور سے بجایا گیا تھا اور میں چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اندر سے مولوی صاحب کی بیوی باہر نکلیں۔ دروازے کے قریب جا کر پوچھا کہ کون ہے؟

تو شاید باہر سے کچھ کہا گیا۔ نصیرہ کی آواز میرے کانوں میں ابھری۔

''کیا کام ہے؟''

باہر سے جو آواز آئی تھی اس پر میں نے بغور توجہ دی تھی۔ کہا گیا تھا۔

''مولوی صاحب سے ملنا ہے؟''

''کون ہیں آپ؟''

''ان سے یہ کہہ دو کہ ٹھاکر پرتھا موری کے گھر ان کے آدمی آئے ہیں۔''

''اچھا کہے دیتی ہوں۔'' عورت واپس مڑ گئی پھر کچھ دیر کے بعد مولوی صاحب کو سہارا دے کر لایا گیا چار پائی جو کھڑی ہوئی تھی بچھا دی گئی اور مولوی صاحب اس پر بیٹھ گئے۔ پھر لڑکی نوری نے جا کر دروازہ کھولا۔ دھوتی اور کرتے میں ملبوس چار پانچ آدمی اندر آ گئے ان

میں سے ایک نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''مولوی صاحب میرا نام بوشن چند ہے ٹھاکر پرتھا موری کے ہاں سے آیا ہوں۔ حویلی والے ٹھاکر صاحب۔''

''ہاں...... ہاں...... ٹھاکر پرتھا موری کو کوئی ایسا بھی ہے جو نہ جانتا ہو پر کیا بات ہے بھیا صبح ہی صبح کیا پریشانی ہو گئی۔''

''وہ اپنے جسونت موری ہیں ناں ٹھاکر پرتھا موری کا اکلوتا بیٹا۔''

''ہاں...... ہاں...... جانتا ہوں اسے۔'' مولوی صاحب نے کہا۔

''سانپ نے کاٹ لیا ہے اسے، تین دن سے تھالی بج رہی ہے دور دور کے سپیرے آ گئے ہیں پر کوئی بھی سانپ کو بلانے میں کامیاب نہ ہو سکا کسی نے آپ کا نام لیا ہے ٹھاکر پرتھا موری سے۔''

''مگر بھائی ہم سے چلا پھرا نہیں جاتا جائیں گے کیسے۔''

''بیل گاڑی بھیجی ہے ٹھاکر پرتھا موری نے اور کہا ہے کہ مولوی صاحب کو جس طرح بھی ہو سکے انھیں لے کر آؤ؟''

''ہاں...... ہاں ہم تیار ہیں ذرا منہ ہاتھ دھو لیں۔ اری نوری ذرا لوٹے میں پانی لائیو۔'' مولوی صاحب نے منہ ہاتھ دھویا۔ میرے دل میں ایک دم سے یہ تصور جاگا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے ذرا میں بھی مولوی صاحب کے ساتھ جاؤں۔ دیکھوں ذرا کیا چکر ہے اور باہر جانے کا راستہ تو موجود تھا ہی، میں درختوں کی شاخوں پر رینگتا اوپر چڑھا۔ مولوی صاحب کے باہر نکلنے میں ذرا دیر تھی۔

بہر حال میں باہر پہنچا تو میں نے وہ بیل گاڑی دیکھی جو دروازے کے باہر کھڑی تھی دو طاقت ور بیل جتے ہوئے تھے اس میں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں اس بیل گاڑی تک کیسے پہنچوں۔ میں چند لمحات سوچتا رہا آس پاس کوئی نہیں تھا میں نے درخت کی شاخ سے بیل گاڑی پر چھلانگ لگا دی۔ اور پھر رینگ کر اس کے نچلے حصے میں پہنچ گیا۔

جانوروں میں بڑی سوجھ بوجھ ہوتی ہے بیل کنوتیاں بولنے لگے وہ اچھل کود مچا رہے تھے اور ان کے گلے میں بندھی ہوئی پیتل کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ تب اندر سے دو آدمی باہر نکل آئے ان میں سے ایک گاڑی بان تھا اس نے بیلوں کی راسیں پکڑ لیں اور انھیں سنبھالنے

لگا پھر وہ بولا۔

''ارے پاپیو کیوں اچھل کود کر رہے ہو۔ ٹھیک سے کھڑے رہو۔ چلتے ہیں ابھی۔''

پھر ان میں سے ایک نے ان کی راسیں پکڑے رکھیں اور دوسرا اندر چلا گیا۔ مگر بیلوں کے اوسان خطا تھے پتا نہیں میری بو سونگھ رہے تھے یا انھوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اچھل کود ہی مچاتے رہے مجھے بیل گاڑی کے نچلے حصے میں ایک بہت اچھی جگہ مل گئی تھی جہاں میں آرام سے گھس کر بیٹھ سکتا تھا سو میں نے اپنے بدن کو سکوڑ کر وہیں اپنے لیے جگہ بنالی۔

میں مزے سے بیل گاڑی میں سفر کر رہا تھا لیکن کم بخت بیلوں کو شاید میری موجودگی کا علم تھا ایسے جان توڑ کر بھاگ رہے تھے کہ میرا بدن بار بار پھسل جاتا تھا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے مجھے اپنا جسم خاصا سخت کرنا پڑا تھا لیکن شکر تھا کہ سفر زیادہ لمبا نہیں تھا۔

ایک بڑی سی حویلی کے احاطے میں بیل گاڑی داخل ہوگئی اور جیسے ہی بیل گاڑی اندر گھسی میرے کانوں نے عجیب سی بے ہنگم آوازیں سنیں۔ پتا نہیں کیا چیز بجائی جا رہی تھی لوگوں کی موجودگی کا احساس بھی ہوتا تھا بیل گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی گئی اور اس کے بعد لوگ مولوی رحیم خان کو نیچے اتارنے لگے جو کچھ تھا سامنے ہی تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے باہر کا منظر دیکھا بہت سے لوگ جمع تھے۔ ادھر سے اُدھر آ جا رہے تھے اندر سے عورتوں کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں نے مولوی صاحب کے لیے راستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان لوگوں کے درمیان ایک نوجوان لڑکا پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اور میں نے بخوبی اس کا جائزہ لیا وہ سانپ کا کاٹے کا شکار تھا اور اس کا رنگ نیلا پڑا ہوا تھا، اس کے آس پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب ان کے پاس پہنچ گئے۔

''کیا بات ہے ٹھاکر پرتھا سورتی؟''

''چھوٹے مہاراج کی حالت تو ٹھیک نہیں ہے مولوی صاحب میں بتاتا ہوں۔''

''ہاں بتاؤ بھائی۔''

''تین دن پہلے جسونت سورتی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے مولوی صاحب یہ حالت ہے اس کی ہمارے وید، طبیب دیکھ دیکھ کر جا چکے ہیں ان کا کہنا ہے کہ سانپ کے کاٹے کا علاج یہی ہو سکتا ہے کہ جس سانپ نے کاٹا ہے وہ آئے اور اس کا زہر چوس لے اور کوئی علاج نہیں ہے اس کا بڑی بڑی دور سے سپیرے آئے ہیں۔ یہ دیکھیے کہ تین دن سے تھالی

بج رہی ہے بہت سے سپیرے ہر طرح کی کوشش کر چکے ہیں۔ نجانے کیا کیا جنتر منتر کیے ہیں پر سانپ ہے کہ آتا ہی نہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں کہنے لگے کہ ٹھاکر پرتھا سورتی ان سپیروں کو تو تم نے دیکھ ہی لیا۔ سارے جادو منتر بے کار ہو گئے ہیں ان کے اب ایسا کرو ذرا مولوی صاحب کو اور دکھا دو آج کل بہت نام سن رہے ہیں ان کا جو کوئی بھی ان کے پاس جاتا ہے صحت مند ہو کر آتا ہے۔ مولوی صاحب آپ ہماری بستی کے آدمی ہیں ٹھاکر پرتھا سورتی بھی جس قسم کے آدمی ہیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔

انھوں نے نہ کبھی ہندوؤں کو تکلیف دی ہے اور نہ مسلمانوں کو۔ ہم لوگ بھائی چارے سے رہ رہے ہیں اور پھر آپ بھی بال بچوں والے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ پرتھا سورتی جی کا ایک ہی بیٹا ہے۔ جسونت سورتی جیون اور مرن کے پھیر میں ہے۔ مولوی صاحب جی کچھ کر سکتے ہیں تو آپ بھی کیجیے ٹھاکر صاحب بن موت مر جائیں گے۔ پورا پوار پریوار تباہ ہو جائے گا۔ جسونت سورتی کے دم سے تو یہ سارا کام دھندہ چل رہا ہے۔''

مولوی رحیم اللہ خان اب کچھ پریشان سے نظر آ رہے تھے میں تو یہ باتیں سن ہی چکا تھا کہ وہ بنے ہوئے درویش ہیں میری دلچسپیاں حد سے بڑھ گئی تھیں مولوی صاحب لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

''اصل میں ٹھاکر صاحب یہ بات بالکل الگ ہے یہ تو جادو منتر والوں کا کھیل ہے یہ اتنے بڑے بڑے سپیرے بیٹھے ہوئے ہیں یہ کچھ نہیں کر سکے ابھی تک؟''

''کہاں ناں تین دن سے تھالی بجا رہے ہیں یہ تیجا مل ہے ایک بستی کا بہت بڑا سپیرا بڑے بڑے ناگوں سے لڑ چکا ہے پر اس کا کہنا کچھ اور ہی ہے۔''

میں نے تیجا مل کو دیکھا کالا سیاہ رنگ بڑی بڑی نوکیلی مونچھیں، سرخ سرخ آنکھیں لمبا چوڑا قد، خود بھی کالا ناگ ہی معلوم ہوتا تھا اس کے چہرے پر ایک عجیب سی شیطانیت چھائی ہوئی تھی۔ غصے میں بھرا بیٹھا تھا کہنے لگا۔

''ہم جو کچھ کہہ چکے ہیں وہ کوئی مان ہی نہیں رہا۔ ہم کیا کریں۔''

''کیا کہا ہے تم نے تیجا مل؟'' مولوی صاحب نے پوچھا۔

''جس سانپ نے جسونت سورتی کو کاٹا ہے۔ وہ خود بھی جیتا نہیں ہے مہاراج مر چکا ہے۔ ورنہ تیجا رام زمین کی تہیں کھود کر اسے نکال لیتا۔ وہ پاتال میں بھی چلا گیا ہوتا تو اسے

نکال لیا جاتا۔ تیجا ل کو کیا سمجھتے ہیں آپ ہم تین دن سے بین بجا رہے ہیں تھالی بجا رہے ہیں۔ سانپ جیتا ہوتا تو ضرور آ جاتا۔ وہ خود بھی کسی طرح مر چکا ہے مار دیا ہوگا کسی نے۔ اب کوئی دوسرا سانپ تو آنے سے رہا۔"

"تت...... تت...... تو پھر اس کا کیا علاج ہوتا ہے۔"

"سارے علاج کر چکے ہیں ہم اب۔ اب ہم کیا کہیں۔ صرف مہاراج کا من بہلا رہے ہیں ورنہ...... ورنہ......" تیجا ل خاموش ہو گیا۔

"بھگوان نہ کرے...... بھگوان نہ کرے...... ایسی بات نہ کر تیجا ل میں تجھے جان سے مار دوں گا ایسی بات نہ کر۔"

"ہمیں جان سے مارنے سے کیا ہوگا۔ ٹھاکر پرتھا موری...... بس اب دیکھ لو...... یہ مولوی صاحب آئے ہیں۔ ان کو پکڑو...... دیکھو یہ کیا کرتے ہیں؟"

"پرتھا موری اپنی جگہ سے اٹھا اور مولوی صاحب کے پیروں میں بیٹھ گیا۔" مولوی صاحب ایک ہی بیٹا ہے میرا۔ ایک ہی بیٹا ہے دین دھرم کو بھول جایئے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کیجئے آپ کو آپ کے اللہ کا واسطہ۔ آپ کو ہمارے بھگوان کا واسطہ۔"

"ٹھاکر جی! جان دے کر بھی آپ کے کام آ جاتا تو اس سے اچھی بات اور کوئی نہ ہوتی کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پانی منگوا دیجئے ایک گلاس؟"

مولوی صاحب کے انداز میں بے چارگی تھی۔ وہ بس اپنا فرض پورا کرنا چاہتے تھے۔ جب تین سپیرے مل کر کچھ نہ کر سکے تو مولوی صاحب بے چارے کیا کرتے البتہ میری تیز نگاہیں، جسونت موری کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سانپ کے کاٹے کا شکار ہے۔ میں تو اس سلسلے میں تجربہ رکھتا تھا۔ ناگ رانی نے کاٹا تھا۔ سنتا نے کاٹا تھا اس آدمی کو بھی جس کا نام بھی اتفاق سے کالو کمل ہی تھا اور میں نے اس کا زہر چوس کر اسے زندگی دی تھی اس وقت میں انسانی شکل میں تھا ارے...... واہ یہ تو مزہ آ گیا۔ اگر جسونت موری سانپ کے کاٹے کے زیر اثر ہے تو یہ زہر تو میں آسانی سے چوس سکتا ہوں دیکھو! ہو سکتا ہے مولوی رحیم اللہ کی تقدیر بدل جائے۔ کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے البتہ ذرا سا انتظار ضروری تھا۔ سپیروں نے تھالی بجانا بند کر دی تھی۔

کچھ دیر کے بعد پیتل کے ایک کٹورے میں پانی آ گیا اور مولوی صاحب اس پر کچھ

بدبدانے لگے۔ پھر انھوں نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور اس کے چھینٹے لڑکے پر مارنے لگے۔ نوجوان لڑکا تھا کوئی بیس اکیس سال کی عمر ہوگی پانی اس کے بدن پر مارنے کے بعد مولوی صاحب نے وہی پانی لے کر ادھر اُدھر چھڑکا۔ تمام لوگ ساکت ہو گئے تھے اندر سے رونے کی آوازیں بھی بند کرا دی گئیں بس یہی موقع تھا کہ میں منظر عام پر آ جاؤں حالانکہ بڑا خطرہ مول لے رہا تھا میں ہو سکتا ہے بعد میں یہ لوگ میرے اوپر ہی ٹوٹ پڑا ہے۔

لیکن اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

کیا فرق پڑتا ہے جان سے تو مارنے سے رہے مجھے یہ اتنا تو میں اچھی طرح جانتا تھا۔

مولوی صاحب اپنے عمل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ میں خاموشی سے بیل گاڑی سے نیچے اتر آیا اور اس کے بعد رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اچانک ہی لوگوں کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ سارے کے سارے ادھر ادھر کے پیچھے ہٹ گئے تھے اور میرے لیے جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ میں نے مولوی صاحب کو دیکھا تھر تھر کانپ رہے تھے آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں ہاتھ میں پانی کا پیالہ تھا جو لرزنے کی وجہ سے چھلک رہا تھا اور پانی خود ان کے اوپر ہی گر رہا تھا۔ ٹھاکر پرتھا موری کے پاس پہنچ گیا میں نے اس کی ران کے پاس وہ زخم دیکھا جو سانپ کے کاٹے کا زخم تھا اور پھر میں نے اپنا منہ اس کے زخم پر رکھ دیا۔

اس کے جسم میں زہر بھرا ہوا تھا میں نے وہ سارا زہر چوس لیا اور دیکھنے والوں نے یہ ہی دیکھا کہ جسونت موری کی نیلاہٹیں سرخی میں بدلتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ میرے منہ میں اس کے خون کے قطرات آنے لگے۔ گویا سارا زہر اس کے جسم سے ختم ہو گیا تھا بس اتنا ہی کرنا تھا مجھے۔ میں پیچھے ہٹا اور ایک لمحے کے لیے میں وہاں رہا۔ پھر برق رفتاری سے وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ یہ سب سے مشکل مرحلہ تھا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس دوران کوئی میری جانب متوجہ ہوئے اور میرا تعاقب کرنے کی کوشش کرے۔

میں جسونت موری کے سامنے سے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ شکر ہے کسی نے میرا پیچھا نہیں کیا تھا وہ سب سکتے کے سے عالم میں مجھے دیکھ رہے تھے میں باہر نکل آیا اور اپنے چھپنے کے لیے جگہ تلاش کرنے لگا۔

☆☆☆

باہر لوگ موجود نہیں تھے سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ان حالات میں مجھے سفر کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ فی الحال مولوی رحیم اللہ کے گھر ہی آ گیا تھا اور چھپتا چھپتا برگد کے درخت پر چڑھ گیا تھا۔ یہاں میرے لیے انتہائی بہترین جگہ موجود تھی۔ ایسی جگہ جہاں زیادہ وقت گزارنے کو دل چاہے۔ تو وہیں مستقل قیام کر لیا جائے درخت میں ایسے سوراخ بھی تھے جہاں سے باہر دیکھا بھی جا سکتا تھا اور وہاں کی باتیں بھی سنی جا سکتی تھیں۔

بہر حال جو خوشی مجھے یہ کام سرانجام دے کر...... محسوس ہوئی تھی۔ وہ ان خوشیوں سے مختلف نہیں تھی جو رام لعل اور کاکو لعل کی مشکلات دور کرنے سے حاصل ہوئی تھی۔ مولوی صاحب بے چارے جن حالات کا شکار تھے ہو سکتا ہے ان میں کچھ تبدیلیاں ہو جائیں۔ خاصا وقت انتظار کرنا پڑا تھا اور اس کے بعد باہر آ بیٹھیں ہوئیں تھیں۔ اس دوران میں نے مولوی صاحب کی بیوی اور ان کے بچوں کو بہت پریشان دیکھا تھا۔

باہر ہی سب کے سب رحیم اللہ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رحیم اللہ کی بیوی بار بار اونچی آواز میں دعا مانگنے لگی تھی۔

''الٰہی خیر کرنا...... میں پہلے ہی منع کرتی تھی کہ جانتے واتنے کچھ نہیں ہیں بلاوجہ کے پیر بن بیٹھے ہیں پکڑ لیا کسی جن بھوت نے تو گردن مروڑ کر پھینک دے گا۔ جیسے بھی ہیں میرے بچوں کے سر کا سائبان ہیں خیر کرنا الٰہی...... '' پھر وہ بچوں پر برسنے لگی۔

''ارے کیا بیٹھے بیٹھے کھسر پھسر کیے جا رہے ہو، میں کہتی ہوں ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگو اللہ سے کہ ابا کو سلامت رکھے انھیں خیر سے واپس لائے۔''

بہر حال ابا خیر سے واپس آ گئے باچھیں کھلی ہوئیں جیسا کبھی فیک کر چل رہے تھے۔ بیوی نے جلدی سے آگے بڑھ کر انھیں سہارا دیا۔ دیکھنا چاہتی تھیں کہ کہیں سے ٹوٹ پھوٹ تو نہیں ہوئی لیکن سب ٹھیک تھا۔ مولوی رحیم اللہ نے ساتھ آنے والے کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

''جاؤ بھائی بہت بہت شکریہ تمھارا۔''

''مولوی صاحب آپ نے جو کیا ہے اس سے بستی کی تاریخ بدل جائے گی ہندو مسلمانوں میں ایسی دوستی ہو گی کہ مثال بن جائے گی۔''

''ہاں خدا ایسا ہی کرے، میاں ہم نے تو جو کچھ کیا ہے نیک نیتی سے کیا ہے بس اللہ کا شکر ہے کہ ٹھاکر پرتھنا کے گھر کا چراغ روشن ہو گیا ارے اس سے زیادہ خوشی ہمیں اور کس بات کی ہو سکتی ہے اللہ ہمیشہ اس کے گھر کا چراغ روشن رکھے۔''

مولوی رحیم اللہ کی بیوی حیرت بھری نگاہوں سے مولوی صاحب کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے وہ چارپائی بچھا دی۔ جو مولوی صاحب کی مخصوص چارپائی تھی اور وہ چارپائی پر بیٹھ گئے۔

''کیا ہوا' کیا ہو گیا؟''

''ارے ہونا کیا تھا تُو سوچ بھی نہیں سکتی نصیرہ جو ہو گیا۔ یوں سمجھ لے اللہ نے سن لی جب وہ دیتا ہے ایسے ہی دیتا ہے قربان جاؤں اپنے مولا کے ارے زندگی بن گئی ہماری سارے دلدر دور ہو گئے۔''

''خواب دیکھ کر آ رہے ہو کیا مولوی صاحب؟''

''بک بک کیے جا رہی ہے ارے سن تو سہی ہوا کیا؟''

''سناؤ سناؤ ہماری تو زبان سوکھ گئی تمھارے لیے دعائیں کرتے کرتے۔''

''کیوں نہیں...... کیوں نہیں۔ تیری اور تیرے بچوں کی دعائیں ہی تو کام آئی ہیں نصیرہ۔''

''ہوا کیا؟''

''کیا ہونا تھا...... ٹھاکر پرتھنا کے بیٹے جسونت موری کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ اب تم ان لوگوں کے ٹونے ٹوٹکے تو جانتی ہی ہو، میت رکھی ہوئی تھی، مر چکا تھا بے چارا، نیلا پڑا ہوا تھا۔ پورے بدن میں زہر بھرا ہوا تھا وہ جو ہوتے ہیں نا سپیرے باجگی باجگی جو کہلاتے ہیں۔ باجگی آئے ہوئے تھے۔ تھالی بج رہی تھی بینیں بج رہی تھیں۔ تین دن گزر چکے تھے مگر ٹھاکر پرتھنا کا من نہیں مانتا تھا کہ بیٹا مر چکا ہے آس لگی ہوئی تھی؟

قربان جاؤں اپنے مولا کے...... میرے ہی لیے یہ سربلندی لکھی تھی اس نے ٹھاکر

پرتھنا قدموں میں گر پڑا کہ مولوی صاحب ہمارے گھر کا چراغ بجھنے سے بچالو...... بس جی مولوی صاحب بے چارے تو خود ٹھہرے قلاش، ہاں اللہ سے لو ضرور لگائی اور شو بج جان نصیرہ اس وقت دل میں کوئی لالچ نہیں تھا۔ یہ لالچ نہیں تھا کہ ٹھاکر پرتھنا کا بیٹا ہماری وجہ سے ٹھیک ہو جائے تو کچھ انعام اکرام ملے یہ لالچ بالکل نہیں تھا بلکہ سچی بات تھی اس وقت ایک دکھی دل کا آدمی دیکھا۔

خود بھی بال بچوں والے ہیں۔ سچے دل سے دعا نکلی تھی ہمارے منہ سے کہ ابھی ہم کیا اور ہماری اوقات کیا...... ہماری لاج رکھنے والا تو ہے۔ بس پانی لیا۔ پڑھا چار چھینٹے مارے لوگوں کو دکھانے کے لیے ادھر ادھر چھینٹے مار دیے۔ بس پھر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ یہ لمبا کئی ہاتھ اور یہ چوڑا ناگ، کالا ناگ دیکھنے والوں کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور یقین کرو نصیرہ خود ہمارا دل دھڑ کنا بند ہو گیا تھا۔

ہم نے سوچا کہ بھیا ایک پھنکار بھی مار دی اس نے تو ہم تو پانی ہو جائیں گے مگر بات وہی تھی نصیرہ، دل سے نکلی تھی پوری ہو گئی۔ سانپ نے جسونت موریٰ کے زخم سے منہ لگا کر جو زہر چوسا تو یوں لگا جیسے رنگ ہی بدلتا جا رہا ہے۔ سر سے نیلاہٹیں اتریں تو پاؤں سے باہر تک اتر گئیں سارا زہر چوس لیا اس نے اور جیسے ہی وہ زہر چوس کر باہر نکلا جسونت موریٰ بھیا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پانی مانگا...... بس پھر کیا تھا اسے پانی پلایا گیا اور وہ جو جیسے آئے تھے ایسے جل بھن کر کباب ہو گئے کہ ان کا منہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

ٹھاکر پرتھنا نے بیٹے کو کلیجے سے لگا لیا سارے کے سارے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور نصیرہ تو ہوتی تو بھی رو پڑتی اس وقت یہ دیکھ کر کہ دیکھو تیرے اس غریب لاچار شوہر پر دیوانہ وار نثار ہو رہا ہے۔ نجانے کیا کیا باتیں کر ڈالیں لوگوں سے۔ پر دیکھو ہم نے تو ان سے یہی کہا کہ مارنے والے سے بچانے والا بہت بڑا ہوتا ہے۔ ہم نے کچھ نہیں کیا بس دعا کی تھی کہ ٹھاکر پرتھنا کے گھر کا چراغ روشن رہے۔ بس بھیا ہم نے کہا کہ ٹھاکر صاحب اب یہ بھیڑ بھڑ ہٹاؤ اور بچے کو اندر لے جاؤ ہمیں جانے دو۔

ٹھاکر پرتھنا کہنے لگا کہ مولوی رحیم اللہ صاحب آپ نے میرے گھر کا چراغ روشن کیا ہے میں آپ کے گھر میں دیوالی کر دوں گا آپ جائیں آرام سے جائیں اور پھر بڑی عزت و احترام کے ساتھ ہمیں واپس کر دیا گیا۔"

"کچھ دیا لیا نہیں۔"

"ارے چھوڑو نصیرہ ہمیں اس سے بڑی دولت اور کیا مل سکتی ہے کہ اتنی عزت ہوئی اتنا احترام کیا گیا ہمارا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ٹھاکر صاحب کا بیٹا ٹھیک ہو گیا...... بس بھیا...... دیکھو دو روٹی اور دو کپڑے چاہیے ہوتے ہیں۔ یہ تو اللہ دے ہی دیتا ہے مگر ایسی سچی خوشی اگر مل جائے تو سمجھو لے کہ اللہ نے سب کچھ دے دیا۔ دعا پوری ہو گئی ہماری اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔"

نصیرہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی اور اس کے بعد وہ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے مجھے تھوڑا سا افسوس ہوا تھا کہ ٹھاکر نے اچھا نہیں کیا بے چارے مولوی رحیم اللہ کو کچھ دینا چاہیے تھا اسے خیر کوئی بات نہیں کم از کم مولوی رحیم اللہ کے اندر انسانیت تھی۔

رات ہو گئی اور پھر رات گزر گئی دوسرا دن نکل آیا۔

ایک دو آدمی مولوی صاحب سے دعا تعویذ کروانے آئے تھے ایک صاحب ایک برتن میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں بھی لے کر آئے تھے جس پر رومال ڈھکا ہوا تھا بس یہی مولوی صاحب کا ذریعہ معاش تھا لیکن سورج چڑھا ہی تھا کہ اچانک باہر سے آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔

زور سے دروازہ بجا دروازہ کھولا گیا اور میں نے دیکھا کہ ٹھاکر پرتھنا اپنے بیٹے جسونت موریٰ، دھرم پتی اور کئی دوسرے آدمیوں کے ساتھ دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ مولوی صاحب چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے جلدی سے پیسا بھی سنبھالی تو ٹھاکر پرتھنا دوڑتا ہوا آیا اور مولوی صاحب کے شانوں کو سہارا دے کر بولا۔

"بیٹھے رہیں مولوی صاحب بیٹھیں آپ۔"

"وہ آپ...... آپ نے کیوں تکلیف کی، کک...... کوئی بات ہو گئی...... مم...... مجھے بلا لیا ہوتا۔ مم...... میرے گھر میں تو بیٹھنے کے لیے کک...... کچھ نہیں ہے۔ ارے نصیرہ...... ارے بیٹی نوری چادر لے آؤ...... چادر ہی بچھا دوں یہاں پر۔"

چادر لائی گئی اور ٹھاکر پرتھنا موریٰ بڑے احترام کے ساتھ چادر پر بیٹھ گیا باقی لوگ بھی بیٹھ گئے مولوی رحیم اللہ نے جسونت موریٰ کو دیکھا بولے۔

"بیٹا ذرا ادھر آ میں تیری پیشانی چوم لوں۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں ٹھاکر صاحب

ایسا لگ رہا ہے جیسے میرا بیمار بیٹا ٹھیک ہو گیا ہو۔"

"ہمیں تو صرف اس بات کا افسوس ہے مولوی رحیم اللہ صاحب کہ ہمارے اپنے گھر میں، ہماری اپنی بستی میں اتنی بڑی شخصیت موجود ہے اور ہم اس کی کوئی قدر کوئی عزت نہ کر سکے۔ آپ اس عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں مولوی صاحب کہ میں ایک بے حد خود غرض اور مطلبی آدمی ہوں۔ جب اپنے اوپر پڑی تو دوسرے کے بارے میں سوچا، آپ نے مولوی صاحب میرے اوپر جو احسان کیا ہے بس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس احسان کو کیسے اتاروں گا۔"

"ارے چھوڑو پرتھا موتی! اولاد سب کی اولاد ہوتی ہے اور ہر صاحب اولاد کو دوسرے کی اولاد کے لیے اچھے ہی جذبات رکھنے چاہئیں۔"

"اللہ والے ہیں نا آپ...... بھگوان نے آپ کو اتنا کچھ دیا ہے کہ آپ کو دوسری چیزوں کی چنتا نہیں ہے مگر ہمارا بھی کچھ فرض ہے مولوی صاحب...... ایک چھوٹی سی بھینٹ دینے آئے ہیں آپ کو بہت چھوٹی سی بھینٹ ہے سویکار کرلیں ہمارے اوپر احسان ہوگا۔"

"نہیں نہیں ٹھاکر صاحب اس کے بدلے میں میں کچھ نہیں لوں گا...... بس میں نے کہہ دیا تم سے...... ارے کیا ہے دو روٹی کی بات ہے نا کہیں نہ کہیں سے بندوبست ہو جاتا ہے اپاہج ہو گیا ہوں لاچار ہو گیا ہوں ورنہ محنت مزدوری کر کے تو ساری زندگی گزار دی۔ اب ذرا حالات خراب ہو گئے ہیں مگر کوئی بات نہیں ہے اللہ مالک ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں نا مولوی صاحب میرا مسئلہ کچھ اور ہے مجھ پر بھی تو کچھ فرض بنتا ہے نا...... سنیں مولوی صاحب آپ کو جسونت موتی ہی کی قسم ہے جو کچھ میں بھینٹ کر رہا ہوں اس سے انکار نہ کریں۔"

"ارے ٹھاکر صاحب کیا قسم دلا دی بھئی...... کیا دے رہے ہو بھئی مجھے ذرا بتاؤ تو سہی!" مولوی صاحب نے بے پروائی سے کہا۔

"مولوی صاحب...... وہ میرا بنگلے والا باغ ہے آٹھ بیگھے میں پھیلا ہوا ہے شاید آپ کو پتا ہو کہ سونا اگلتا ہے سونا، اور میں نے اپنے جسونت موتی پر سے سونا ہی وار دیا ہے۔ وہ باغ میں آپ کے نام لکھ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب آپ کے رہنے کے لیے باغ

کے کنارے پر ہی ایک گھر بنا ہوا ہے وہ بھی میں نے آپ کے نام کر دیا ہے یہ میری دھرم پتنی آپ کے بیوی بچوں کے لیے کچھ گہنے لائی ہے بچیاں ہیں آپ کی ان کے کام آئیں گے یہ سویکار کیجیے۔"

ٹھاکر صاحب کی دھرم پتنی نے ایک پوٹلی مولوی صاحب کے سامنے رکھ دی مولوی صاحب کو تو سکتہ ہو گیا تھا۔ ٹھاکر پرتھا موتی نے ایک رومال مولوی صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اور اس میں تھوڑی سی نقد رقم ہے بس یہ لائے ہیں ہم آپ کے لیے۔ وہ باغ آپ کے لیے جیون بھر کام دے گا آپ کے بچوں اور ان کے بچوں کے کام آئے گا آپ کو پتا ہی ہے بنگلے والے باغ کی کیا کیفیت ہے بڑا پھل اترتا ہے اس سے اور بہت بڑی آمدنی ہے اس کی اب آپ زمیندار ہو گئے مولوی رحیم اللہ صاحب۔"

مولوی رحیم اللہ اس طرح منہ کھولے بیٹھے ہوئے تھے کہ محسوس ہوتا تھا کہ بدن کی جان ہی نکل گئی ہے۔ بری طرح سٹپٹائے ہوئے تھے۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا ٹھاکر صاحب پرتھا موتی نے کہا۔

"اور آپ کو بالکل چنتا نہیں کرنی چاہیے۔ سب دیکھ بھال ہم کریں گے بھاگ دوڑ بھی نہیں کرنی پڑے گی آپ کو۔ چار آدمی کام کرتے ہیں اس باغ میں۔ بڑے آرام سے ان کی پگار نکل جاتی ہے یوں سمجھ لیں یہ سارے کام ہمارے منشی جی ہی کر لیا کریں گے۔ آپ بس اس کی آمدنی سنبھالا کریں مولوی رحیم اللہ صاحب، اچھا اب ہمیں آگیا دیں۔"

مولوی صاحب کچھ نہ بولے تو ٹھاکر صاحب نے اٹھ کر ان کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔

"مولوی صاحب چپ کیوں ہو گئے؟"

"ایں...... ایں کچھ بھی نہیں۔ بس ایسے ہی یہ یہ یہ سب یہ سب؟"

"ہاں یہ سب آپ کا ہوا۔ آپ نے ہمارا چراغ روشن کیا ہے ہم نے کل ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ کے گھر میں دیوالی کر دیں گے مولوی صاحب۔ بھگوان کا شکر ہے کہ ہم نے اپنا قول نبھا دیا...... اچھا آگیا دیں۔"

بمشکل تمام مولوی صاحب نے ٹھاکر صاحب سے ہاتھ ملایا اور اس کے بعد وہ سب

ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔ نصیرہ بیگم بچے سارے کے سارے یوں کھڑے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب پر ایسا جوش طاری ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی اور دھڑام سے زمین پر گر پڑے۔

"ارے ارے کیا کر رہے ہیں...... کیا کر رہے ہیں؟ اللہ کی نیکی۔ یہ آپ کیوں دوڑ پڑے تھے۔" نصیرہ بیگم نے انھیں سہارا دے کر اٹھایا اور مولوی صاحب عجیب سے انداز میں ہنس پڑے۔

"ارے نصیرہ بیگم ایک پاؤں گیا تھا...... ہزار پاؤں لگ گئے۔ لے دیکھا کہا تھا نا تجھ سے کہ ایک دن گھوڑے کی بھی پھرے گی۔ ارے پھر گئی نصیرہ، پھر گئی ارے میرے بچو آؤ۔ میرے کلیجے سے لگ جاؤ۔ ارے سب کے وارے کے نیارے ہو گئے۔"

مولوی صاحب کی خوشیاں بام عروج کو پہنچی ہوئی تھیں۔

سارا گھر یہ سب کچھ پا کر دیوانہ ہو گیا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ کہیں انھیں شادی مرگ نہ ہو جائے۔ خوشی سے ناچ رہے تھے بے چارے مولوی رحیم اللہ کی ایک ٹانگ نہیں تھی۔ ورنہ وہ بھی رقص کرتے اور درخت کے اس چوڑے تنے کے اس سوراخ میں بیٹھ کر میرا دل بھی رقص کر رہا تھا کسی انسان کو اتنی خوشیاں میرے ذریعے مل جائیں۔ میری زندگی کا اس سے بہتر مصرف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ لعنت ہے پدم چندی پر لعنت ہے اس پر کہ اس نے مجھے خوشیوں سے اتنی دور کر دیا ہے، لیکن بہر طور کوئی نتیجہ نکلے گا۔

جس طرح ان لوگوں کی زندگی ٹھکانے لگ رہی ہے۔ میرے دن بھی پھر جائیں گے۔ دیکھوں گا پدم چندی، دیکھوں گا دھن راج، بلکہ اب میں تجھے دھن راج کیوں کہوں۔ یہ تو احترام کا نام ہے۔ پدم چندی ایک دن ایسا ہوگا کہ میرے ہی ہاتھوں تیرا انت ہوگا یہ سب میرے دل میں آرزو ہے دیکھوں گا دیکھوں گا تجھے۔"

مختلف کیفیات کا شکار تھا مولوی صاحب کے گھر میں خوشیاں اتر آئی تھیں۔ اندر چلے گئے تھے وہ اور اندر کا حال میں نہیں جان سکتا تھا یہ حال جاننے کے لیے اندر جانا مناسب بھی نہیں تھا کیونکہ ان بے چاروں کو معلوم بھی نہیں تھا کہ ان کے ساتھ ساتھ ایک اور ہستی بھی ان کی خوشیوں میں شریک

بہر حال میرا [illegible] پورا ہو گیا تھا۔

میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس طویل ترین زندگی کے لیے کچھ تو چاہیے تھا اور پدم چندی جیسے شیطان سے جو کچھ حاصل ہوا تھا۔ اسے اس کے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنے کے بجائے اگر ایسے لوگوں کے لیے کچھ کیا جائے تو زندگی کا اس سے بہترین مصرف اور کیا ہو سکتا ہے یہ بات دل میں ٹھان لی اور اس سے دل کو جو سکون ملا وہ ناقابل بیان تھا۔

اصولی طور پر تو اب مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا لیکن انسانی خوشیوں سے بہت زیادہ دور نہیں ہوا تھا۔ اس گھر کی خوشیاں دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر میری وجہ سے ان کو تکلیف بھی نہیں تھی۔ اس لیے کچھ وقت یہاں گزارنے کا فیصلہ کر لیا بڑے اچھے مناظر دیکھنے کو مل رہے تھے۔ مولوی صاحب نے بچوں کے لیے خریداری کی تھی بچے اچھے اچھے کپڑے پہننے لگے تھے۔ اچھا کھانا پکتا تھا لوگ اب بھی مولوی صاحب سے جھاڑ پھونک کرانے آیا کرتے تھے۔ ایک دن ایسے ہی کچھ لوگ آئے تو مولوی صاحب نے کہا۔

"دیکھو بھائیو مجھے گناہ گار مت کرو...... نہ میں پیر ہوں نہ فقیر، نہ درویش مجھے کچھ نہیں آتا جاتا۔ بس تم لوگ آتے ہو تو اللہ کا نام پڑھ کر پھونک دیتا ہوں اور اس سے دعا کرتا ہوں کہ معبود کریم بیمار کو شفا دے۔"

"تمھاری دعا ہی میں تو اثر ہے۔ رحیم اللہ خان۔"

"ارے نہیں بھائی صاحب اللہ سب کی دعا نہیں سنتا ہے میں تو بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی بس انسان ہی رہنے دو۔ جس طرح تم لوگ مجھے پیر، درویش اور فقیر بنائے دے رہے ہو۔ اس سے میرے ہی گناہوں میں اضافہ ہوگا۔ جو کچھ میں نہیں ہوں اگر وہ ظاہر کرنے کی کوشش کروں تو اس سے اللہ ناراض ہوگا بلاوجہ میرے گناہوں میں اضافہ نہ کرو تمھاری مہربانی ہوگی۔"

مولوی صاحب نے بہر طور ان لوگوں کی خواہش پوری کر دی تھی۔ جھاڑ پھونک کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے، لیکن مولوی صاحب کی بیوی نصیرہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رحیم اللہ صاحب اچانک تمھاری زبان بدل گئی۔"

"کیا مطلب نصیرہ میں سمجھا نہیں؟"

"اس سے پہلے تم بڑے اللے سیدھے چکر چلاتے تھے اپنے آپ کو پکا اور سچا فقیر اور

درویش ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے اب اچانک ہی تم نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ تم پیر فقیر نہیں ہو؟"

رحیم اللہ خان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چند لمحات وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نصیرہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ تم دل کی آگ کو نہیں جانتی۔ ارے معذور ہو گیا تھا میں جتنا اس سے پہلے کہیں ہیر پھیر کر کے ایک پیسہ بھی گناہ کا تجھے کھلایا۔ بول نصیرہ زندگی تیرے ساتھ گزری ہے جواب دے مجھے کبھی کوئی ایسا موقع آیا جب میں نے محنت کی کمائی کے علاوہ کوئی اور کمائی تجھے کھلائی ہو۔"

"چلو معاف کر دو...... غلطی ہو گئی۔ میں تو ایسے ہی مذاق میں کہہ رہی تھی۔"

"نہیں نصیرہ مذاق بھی اچھا نہیں ہے۔ مجھے کیا خود احساس نہیں تھا میں تو ہمیشہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہتا تھا۔ اپنے مولا کریم سے۔"

بہر حال اچھا آدمی تھا اور مجھے بڑی مسرت تھی کہ میں اس عالم میں بھی اس کے کسی کام آ سکا۔ اور میری وجہ سے اسے یہ سب کچھ حاصل ہو گیا۔ بہر حال اب اس کے بعد یہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج رات یہاں سے نکل جاؤں گا۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ دیکھوں گا کہ میری دوسری منزل کون سی ہوتی ہے لیکن میری دوسری منزل میرے اپنے بس میں نہیں تھی۔ ایک نئے کھیل کا آغاز ہو گیا اور یہ نیا کھیل اس وقت شروع ہوا جب ٹھیک دوپہر ہو رہی تھی۔ سورج آسمان کے عین درمیان تھا اور چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ مولوی صاحب کے دروازے پر دستک ہوئی۔ حالانکہ سب لوگ اندر تھے اور دھوپ سے بچاؤ کا بندوبست کیے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود مولوی صاحب نے کسی کو نظر انداز نہیں کیا۔ مولوی صاحب کی بیگم نے دروازہ کھولا میں بھی اپنی کمین گاہ سے باہر دیکھ رہا تھا۔ لیکن آنے والے جو اندر آئے تھے انھیں دیکھ کر میں بھی چونک پڑا اور ان کے آنے کا انداز ایسا تھا کہ مجھے بھی سنبھلنا پڑا۔

ان میں سب سے آگے وہ کالا ناگ تھا جس کا نام تیجال لیا گیا تھا اور جو اس دن ٹھاکر پرتھا کی حویلی کے احاطے میں موجود تھا جب جسونت موراتی سانپ کے کاٹنے کا شکار ہوا تھا اور یہ شخص تیجال بجار ہا تھا اس کی آمد...... خیر کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن جس انداز

میں مولوی صاحب کی بیوی کو اندر دھکیل کر وہ آیا تھا اس سے ذرا چونکا تھا۔ مولوی صاحب بھی بیساکھی ٹیکتے ہوئے باہر آ گئے۔

"کون ہے نصیرہ، کون ہے، کیا بات ہے؟"

نصیرہ کا منہ جو خوف و حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ اسی طرح کھلا رہا۔ اس کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ وہ تیجال کو دیکھ رہی تھی اور دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ تیجال کے پیچھے چار اور خطرناک صورت سپیرے اندر داخل ہو گئے لیکن یہ بالکل اجنبی چہرے تھے یعنی ان باقی دو سپیروں میں سے ایک بھی نہیں تھا۔ جو اس دن تھالی بجا رہے تھے کوئی دلچسپ معاملہ ہی شروع ہو گیا تھا۔

سپیرے نے دروازہ بند کر دیا اور ان میں سے دو نے لمبے لمبے خنجر نکال لیے۔ یہ خنجر دیکھ کر تو مولوی صاحب کی بھی گھگی بندھ گئی اور ان کی بیوی بالکل ساکت ہی ہو گئی تھی۔ کوئی جرم ہونے جا رہا تھا اب اس میں میرا کیا کردار ہونا چاہیے۔ اس وقت بڑی بے بسی محسوس کر رہا تھا مولوی صاحب نے خود کو سنبھالا اور بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"ارے بھائی کیا بات ہے کون ہو تم؟" شکل سے تو سپیرے معلوم ہوتے ہو۔ لیکن یہ چھرے، کوئی غلطی ہو گئی ہم سے بھیا ہم تو بے ضرر لوگ ہیں۔ نہ کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور نہ...... نہ" تیجال آگے بڑھ آیا اور اس نے مولوی رحیم اللہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"بڑے مہاتما ہو مہاراج بڑے مہان آتما ہو۔ تم پانی پڑھ کر چھینٹے مارتے ہو شیش ناگ بلا لیتے ہو۔ بہت مہاتما ہو تم۔ چلو ہم نے بھی تمھیں مہاتما مان لیا۔ مگر مہاتما جی! ہمارا ابھی ایک کام کر دو گے تو اسی میں تمھارا جیون ورنہ تمھیں مرنا پڑے گا۔ اپنی تمام آرزوؤں کے ساتھ جو تمھارے من میں ہیں۔"

"کام بتاؤ بھائی کام بتاؤ...... ہم نے کب منع کیا ہے اگر ہمارے بس میں ہو گا تو ضرور کریں گے۔"

"بس پانی پڑھو...... چھینٹیں لگاؤ اور شیش ناگ کو دوبارہ بلا دو۔"

"کک...... کیا مطلب ہے تمھارا؟"

"میں سپیرا ہوں۔ تیجال نام ہے میرا اور مجھے شیش ناگ کی ضرورت ہے۔"

"مگر شیش ناگ ہمارا غلام تو نہیں ہے بھائی...... وہ...... تو...... وہ تو شاید تمھیں یقین نہ آئے۔ ہم تو بالکل نہیں جانتے تھے کہ وہ آ جائے گا۔ بس ہم نے تو دعا مانگی تھی کہ ہماری

لاج رکھ لے ہمارا سولا اور ہمارے مولا نے ہماری لاج رکھ لی۔ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ایک شیش ناگ کیا سانپوں کا پورا قبیلہ تمہارے حوالے کر دیتے۔"

اچانک ہی ایک سپیرے نے کچھ کہا اور تیجا ل چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں ان کی گفتگو پر دھیان لگائے ہوئے تھا۔ تیجا ل نے کہا۔

"تجھے یقین ہے۔ کالو۔"

"ہاں مہاراج کیا آپ کالو کو اتنا ہی کچا سمجھتے ہیں آپ کا چیلا ہوں آپ خود سونگھ لیجئے۔ بو آ رہی ہے مجھے باس آ رہی ہے شیش ناگ کی۔" پھر اس کے چہرے پر عجیب تاثرات پھیل گئے۔

"ہم............ مگر کیا وہ یہاں رہتا ہے؟"

"مہاراج آپ خود غور کیجئے اسے میں سنبھال لیتا ہوں۔" سپیرے نے کہا اور تیجا ل ناک اُٹھا اُٹھا کر ادھر اُدھر سونگھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"تو ٹھیک کہتا ہے کالو...... شیش ناگ مہاراج آس پاس ہی کہیں موجود ہیں۔ شیش ناگ مہاراج جیون بھر تمہاری آرزو کرتا رہا ہوں۔ جیون بھر تمہیں تلاش کیا، آج میرا یہ خواب پورا کر دو۔ میرے سامنے آ جاؤ۔"

"بس...... سنو بھائی بات کیا ہے۔ ہمارا کیا قصور ہے ہمیں تو بتا دو۔" مولوی صاحب نے کہا۔

"دیکھ بڈھے چپ چاپ بیٹھ...... اندر اور کون کون ہے؟"

"میاں کوئی نہیں یہ ہماری اہلیہ ہے اور دو چار بچے بس۔ ہم تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں میں تو ویسے بھی معذور ہوں تم نے دیکھ لیا۔"

"جینا چاہتا ہے تو ادھر بیٹھ جا خاموشی سے اس کونے میں ورنہ سب سے پہلے تجھے مار کر ہلاک کر دوں گا اس کے بعد تیری بیوی اور بچوں کو۔"

"نہیں بھائی ہاتھ جوڑتے ہیں۔ یہاں ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے تم لے جاؤ بس ہماری بیوی اور بچوں کو کوئی نقصان مت پہنچانا۔ ہم وہی کریں گے جو تم کہو گے۔"

"بس تو پھر تو ادھر بیٹھ جا۔ اور اندر سے ان لوگوں کو بھی بلا لے۔ اے عورت تو سن رہی ہے جا اپنے بچوں کو بلا کر ہمارے پاس لا کر بٹھا دے۔ خبردار کوئی کسی طرف سے باہر نکلنے کی

کوشش نہ کرے۔ یہاں اگر سو آدمی بھی آ گئے تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ دیکھ ہمارے پاس جو یہ پٹارے ہیں ناں ان میں سانپ ہی سانپ بھرے ہوئے ہیں۔ اگر ہم نے یہ سانپ چھوڑ دیے تو پوری بستی خالی ہو جائے گی۔ کیا سمجھی!" تیجا ل نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں یہ تمام تماشا گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور کچھ کچھ اندازہ مجھے ہوتا جا رہا تھا کہ تیجا ل غالباً میرے ہی چکر میں یہاں تک آیا ہے۔ اس نے مجھے شیش ناگ کا نام دیا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی اور سنتا کی بستی میں مجھے یہ علم ہوا تھا کہ شیش ناگ سپیروں کے لیے بڑی دلچسپی کا باعث ہوتا ہے۔ بہر حال میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا خیر بے چارے مولوی صاحب کو جو تکلیف ہو رہی تھی وہ اپنی جگہ لیکن تیجا ل اپنی شامت خود بلا رہا تھا۔

اس کے ساتھ آئے ہوئے سپیرے ادھر اُدھر پھیل گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو گئے کہ باہر سے کوئی آئے تو اسے بھگایا جا سکے۔ تیجا ل نے ادھر اُدھر دیکھا اور جھولیاں اتار کر نیچے رکھ دیں۔ جن میں نجانے کیا کیا بھرا ہوا تھا اور اس کے بعد اس نے بین بجانی شروع کر دی۔ تیجا ل شاید بہت اچھی بین بجاتا تھا مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ بین بجا کر کیا حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اچانک مجھے احساس ہوا کہ یہ بین میرے ذہن پر اثر کر رہی ہے اور یہ بین بجا کر تیجا مجھے آسانی سے گرفتار کر لے گا۔ نہیں یہ خطرناک بات ہو گی میرے لیے انتہائی مشکل کا باعث ہے۔ میں بھلا...... میں بھلا...... کر سکوں گا۔ اس سلسلے میں، لیکن بین کی آواز میرے حواس چھینے لے رہی تھی۔ بین مدھر آواز میں بج رہی تھی اور تمام سپیرے جھوم جھوم کر بجا رہے تھے۔ اس آواز سے میرے حواس پر ایک غنودگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ فطری طور پر بہر طور میں سانپ جیسی سرشت ہی رکھتا تھا اور بین کی آواز میرے حواس کو متاثر کر رہی تھی۔

میرا دل چاہا کہ میں یہاں سے نکل کر بھاگ جاؤں ہاں ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اس وقت مجھے خطرہ پیش آ گیا تھا تیجا ل میری تلاش میں آیا تھا اور یقینی طور پر وہ مجھے سانپ کی حیثیت سے گرفتار کر لے گا۔

میں نے جلدی سے اپنی جگہ چھوڑی اور درخت کے اس تنے سے اوپر نکل آیا میں آہستہ آہستہ درخت کی ان شاخوں تک پہنچنا چاہتا تھا جہاں سے دوسری شاخوں تک پہنچا جا سکے اور اس کے بعد یہاں سے فرار کی کوشش میرے لیے مشکل نہ ہو گی۔

لیکن بین کی آواز جیسے میرے حواس پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اس کے سحر میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا اور اس کے بعد میرے ہوش و حواس بالکل ہی معطل ہونے لگے۔ میں درخت کی شاخوں میں دوسری جانب جانے کی بجائے آہستہ آہستہ درخت کے تنے سے نیچے اتر آیا اور اس کے بعد تیجال کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

میرے انگ انگ میں نشہ دوڑ رہا تھا ایک ایسی عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے میں نے ایسا کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ میری آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ سر بے اختیار جھوم رہا تھا اور جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے بے جان ہو اور اس میں زندگی کی رمق ہی باقی نہ رہی ہو۔

تیجال اور اس کے ساتھی بڑی خوف و حیرت کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ تیجال بڑا مست ہو کر بین بجا رہا تھا رفتہ رفتہ میری تمام ذہنی قوتیں سو گئیں میں نجانے کس عالم میں پہنچ گیا تھا۔

پھر بین بند ہو گئی اور اچانک ہی جب میرے ہوش و حواس جاگے تو میں نے اپنے آپ کو ایک بہت ہی مضبوط پٹاری میں بند دیکھا۔ آہ...... میں گرفتار ہو گیا تھا تیجال سپیرے نے مجھ پر قابو پا لیا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

پٹاری اتنی تنگ تھی کہ میرے لیے جنبش کرنا بھی محال تھا۔ میں اس میں بری طرح بھرا ہوا تھا لیکن مجھے اپنا جسم ہلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اس کا مقصد ہے کہ تیجال مجھے ساتھ لیے ہوئے سفر کر رہا ہے۔ میں کافی پریشان ہو گیا ایک بار پھر میرے دل میں پدم چندری کا خیال آیا۔ میں ان لوگوں کو نیست و نابود کر کے پھینک دیتا لیکن پدم چندری نے میری تمام قوتیں سلب کر لی تھیں اور میں اس تباہ حالی میں تھا اس کی تمام تر ذمہ داری پدم چندری پر ہی عائد ہوتی تھی۔ کیا کروں اب، کیا کروں، لیکن کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے وقت کا انتظار کرنے کے۔ چنانچہ بحالت مجبوری تیجال کے کندھوں پر سفر کرتا رہا۔

نجانے کم بخت مجھے کہاں لے جا رہا ہے پھر شاید ان لوگوں نے کہیں قیام کیا۔ بہت سے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ یہ ایک دلچسپ بات تھی کہ میری سماعت حد سے زیادہ تیز تھی۔ حالانکہ سانپ کے بارے میں روایت ہے کہ اس کے کان نہیں ہوتے لیکن میں سانپ تھا کب۔ میں تو انسان تھا اور انسان بھی وہ جسے عجیب و غریب قوتیں حاصل تھیں۔

خیر ان قوتوں کو تو میں اب مذاق سمجھ رہا تھا۔ میری اپنی کوشش اس پٹاری تک کا ڈھکن نہیں کھول سکتی تھی اس طرح میرے اندر طاقت نہیں رہی کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا سوائے کیڑے مکوڑے کی طرح زمین پر رینگنے کے۔

ان حالات میں بھلا اپنے طور پر خود اپنے ہی تحفظ کے لیے کیا بھی جا سکتا تھا۔ میں دور دور تک کی آوازیں سن رہا تھا۔ پرندوں کے بولنے کی آوازیں، جانوروں کے دہاڑنے کی آوازیں، غالباً تیجال کسی جنگل سے گزر رہا تھا۔

پھر قیام کا احساس ہوا، یہ احساس صرف اس طرح ہوا تھا کہ مجھے نیچے رکھ دیا گیا تھا اور میرا جسم ساکت ہو گیا تھا یعنی وہ جنبش جو ہلنے جلنے سے ہو رہی تھی بند ہو گئی میں دم سادھے خاموشی سے پڑا رہا۔ کسی کی آواز سنائی دی۔

''مہاراج تیجال کی جے، اب ہمارے تیجال مہاراج قبیلے کے سردار ہوں گے۔''

''ہاں پاپی گھوراج مجھے دو کوڑی کا سمجھتا تھا؟''

''بالکل مہاراج...... بالکل...... حالانکہ آپ نے ایسے ایسے خطرناک سانپ پکڑے تھے جنہیں گھوراج بھی نہیں پکڑ سکتا تھا۔''

''میرے مقابلے پر وہ ہے کیا؟ اور کیا نہیں ہے میرے پاس۔ اس سنسار میں سوائے شیش ناگ کے میرا شریر، میری عقل، میرا مان، میرا گیان سب کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ گھوراج اپنی موت کے بعد سرداری اس پاپی کو دینا چاہتا تھا۔''

''کس کو مہاراج؟''

''اس مادھو کو؟ مادھو اپنے آپ کو ابھی سے مہاراج کہنے لگا تھا ارے بڑے زخم ہیں میرے سینے میں بڑے گھاؤ ہیں میرے من کے اندر۔ اب ایک ایک سے بدلہ لوں گا۔''

''مگر مہاراج آپ کو پورا پورا وشواس ہے کہ یہ شیش ناگ ہی ہے؟''

''باؤلے کے بچے میرے گیان کو للکار رہا ہے تو؟''

''ارے نہیں مہاراج نہیں۔ بھگوان کی سوگند میرا یہ مقصد نہیں تھا میں تو بس اسی لیے یہ بات پوچھ رہا تھا کہ آپ کو قبیلے کا سردار بننا ہے شیش ناگ ہی ہے نا یہ؟''

''سو فیصد شیش ناگ ہے۔ تجھے اتنی سی بات نہیں معلوم کہ اگر اصلی سانپ مر جائے اور وہ ہر کسی منش کے شریر میں اتر جائے تو دوسرا کوئی سانپ اس زہر کو نہیں چوس سکتا۔''

''ہاں مہاراج یہ بات تو مجھے معلوم ہے۔''

''لیکن شیش ناگ...... شیش ناگ ہر سانپ کا زہر چوس سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ناگوں کا راجہ ہوتا ہے ناگ راجہ کو ہر طرح کی آسانی ہوتی ہے۔''

''سو تو ہے۔''

''میں اس سے سمجھ گیا تھا کہ یہ شیش ناگ ہے جو کسی طرح اس مولوی کے چکر میں آ کر یہاں آ گیا ہے اور اس نے آسانی سے اس کا زہر چوس لیا ہماری کیسی کرکری ہوئی تھی۔''

''سو تو ہے مہاراج۔''

''بس میں اس سے اس چکر میں پڑ گیا کہ شیش ناگ کو میرے قبضے میں آنا چاہیے۔ شیش ناگ نظر کب آتا ہے پوری بستی میں تلاش کرتا پھرا تھا۔ میں اسے اور اگر میرے ناگ میری مدد نہ کرتے اور میرا منتر کام نہ آتا تو میں کبھی اس مولوی کے گھر نہ پہنچ پاتا۔''

''ہاں مہاراج...... بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔''

''بڑی محنت سے پکڑا ہے میں نے اسے۔''

''سو تو ہے مہاراج!''

''سو تو ہے کا بچہ۔ ابھی یہ پوچھ رہا تھا کہ یہ شیش ناگ ہے یا نہیں؟''

''نہیں مہاراج اس کی وجہ کچھ اور ہے؟''

''کیا وجہ تھی بول کیا وجہ تھی؟''

''مہاراج آپ جب قبیلے کے سردار بن جائیں گے تو کیا ہماری بات نہ بڑھ جائے گی۔ ہم تو آپ کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ پھر ہم بڑے فخر سے کہہ سکیں گے کہ ہم قبیلے کے سردار کے دوست ہیں۔''

''تو پھر؟''

''اس لیے میں پریشانی سے پوچھ رہا تھا کہ بھگوان کرے یہ شیش ناگ ہی ہو۔''

''سن یہ شیش ناگ ہے۔ سو فیصد شیش ناگ ہی ہے اب میں اتنا کچا نہیں ہوں کہ اس کے بارے میں جان نہ سکوں۔''

''مہاراج مزے آ گئے اب تو جتنی جلدی ہو سکے قبیلے میں پہنچ جایا جائے۔''

''ہاں یہ بات کی نا تو نے کام کی۔''

''تو پھر بتائیے نا مہاراج ہمیں ہمارا کام بھی تو سمجھا دیجئے۔''

''ہاں سمجھاتا ہوں۔ سن شیش ناگ کو سب سے پہلے سنگاروں میں بند کریں گے اور اس کے بعد میں اعلان کروں گا کہ میں نے شیش ناگ کو پکڑ لیا ہے اور اب قبیلے کی سرداری میرے حوالے کر دی جائے اگر کوئی ایسا نہ کر پائے تو پھر اسے شیش ناگ پکڑ کر دکھانا ہوگا۔ گھوراج سارا جیون قبیلے کا سردار رہا ہے جانتے ہو کس لیے؟''

''کس لیے مہاراج؟''

''اس لیے کہ اس کا پتا سردار تھا۔ وہ سرداری اسے تحفے میں دے گیا۔ حالانکہ سرداری تحفے میں ملنے والی چیز نہیں ہے۔''

''سو تو ہے۔''

''پھر وہی سو تو ہے کا بچہ!''

''ارے ارے مہاراج۔ ہم تو آپ کی خوشی میں خوش ہیں۔''

''تو پھر سن۔ پہلے اسے سنگاروں میں بند کریں گے اس کے بعد اسے بڑے چبوترے پر لے جا کر رکھ دیں گے۔ جہاں شیش ناگ کا بت بنا ہوا ہے۔ پھر ہم پکاریں گے گھوراج مہاراج کو۔ گھوراج آئیں گے اول تو شیش ناگ دیکھ کر پہلے ہی ان کے مان مر جائیں گے۔ اور اس کے بعد...... اس کے بعد ان کی جو حالت ہوگی وہ...... وہ دیکھنے کے قابل ہوگی۔ تجھے پتا نہیں ہے پاپی میرے من میں کیا کیا آگ سلگ رہی ہے۔''

''اب آپ اپنی آگ اپنے من کے اندر ہی رہنے دیتے ہیں مہاراج تو ہم کیا کریں۔''

''ہم کیا کریں۔ اونہہ...... تم لوگوں نے میرے لیے کیا ہی کیا ہے؟ بولو کبھی کچھ کیا ہے؟''

''ارے آپ نے ہم سے کبھی کچھ کام ہی نہیں لیا؟''

''ہاں کام تو لیا تھا کہا تھا جاؤ شیش ناگ کو تلاش کرو چھ دن تک مارے مارے پھرتے رہے اور آ کر ہاتھ پھیلا دیئے۔''

''مہاراج یہ اتنا آسان کام تو نہیں تھا۔ شیش ناگ کو تو شیش ناگ ہی تلاش کر سکتا تھا۔'' تیجال کے دوست نے تیجال کو مکھن لگایا۔ اور تیجا کو یہ بات بہت پسند آئی۔ اور وہ خوش

ہو کر بولا۔

''یہ بڑی بڑھیا کہی تو نے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں۔ تیجال کر تو ایک بہت گیانی سپیرا ہے۔''

تیجا پر رعب اور فخریہ انداز میں مسکرایا اور بولا۔

''ہاں...... واقعی شیش ناگ کو شیش ناگ ہی تلاش کر سکتا ہے۔ میں ایک شیش ناگ ہوں۔ میں دھن راج ہوں کیا سمجھا؟ میں سب سے بڑا ناگ ہوں اور ناگوں کو میرے ہی قابو میں آنا چاہیے۔''

''میں نے کب انکار کیا مہاراج بلاشبہ آپ مہان ہیں اور سردار بننے کے لائق ہیں۔''

''اور سردار بننے کے بعد میں سب سے پہلا کام کیا کروں گا تو جانتا ہے۔''

''جی نہیں مہاراج مجھ میں اتنا گیان کہاں کہ آپ کی طرح سوچ سکوں۔''

''سردار بننے کے بعد سب سے پہلا کام میں یہ کروں گا ناگ رانی کو پکڑوں گا اور اگر شیش ناگ اور ناگن میرے قبضے میں آ جائیں تو پھر سارے سنسار میں کون ہے جو میرا مقابلہ کر سکے۔''

''جے ہو مہاراج کی...... جے ہو۔''

''تجھے معلوم ہے...... دھن راج ایک لقب ہے۔ جو بہت بڑے آدمی کے لیے ہوتا ہے یعنی جو سادھوؤں کا سادھو اور سنتوں کا سنت ہو، تمام گیان اور دھن اسی کے پاس ہو۔'' تیجال اپنی دھن میں بولے چلا جا رہا تھا۔

اس حساب سے تو تیجال کو اس کے ساتھی نے دھن راج یعنی پدم چندری کہا تھا لیکن یہ نام سن کر میرے من میں ایک بار پھر آگ سلگ اٹھی تھی کیونکہ پدم چندری کو بھی دھن راج ہی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

اور میں نے اسے ہمیشہ دھن راج ہی کہا تھا۔ اگر تیجال نے اپنے آپ کو دھن راج کہا ہے تو پدم چندری کے نام پر تیجال کی موت میرے ہاتھوں ہی ہوگی۔ ہاں جیتا نہیں چھوڑوں گا اس سسرے کو۔ میں نے دل ہی دل میں ارادہ پختہ کر لیا تھا۔

موقع تو خیر مجھے مل ہی جائے گا۔ یہ مجھے جان سے تو مار ہی نہیں دے گا۔ ظاہر ہے جتنی

محنت اس نے شیش ناگ کو پکڑا ہے اسے وہ اس کو ضائع تو کرنے کی کوشش نہیں کرے گا لیکن اس سنگا رو کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا بہر طور اب خاموشی کے سوا اور کیا کیا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

میں وہیں بیٹھا رہا شاید رات کا وقت تھا کیونکہ تاحدِ نظر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اب پرندوں کی آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں۔ ہاں کبھی کبھی شیر کی دھاڑ سنائی دے جاتی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ جس علاقے میں تیجا ل نے قیام کیا ہے وہاں جنگلوں میں شیر بھی موجود ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے اپنے تحفظ کا انتظام ضرور کر لیا ہوگا۔

پھر صبح کی روشنی پھیل گئی ایسی ہی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور مدھم مدھم اجالا بھی اس پٹاری تک پہنچ رہا تھا۔ جس میں مجھے بند کر دیا گیا تھا غالباً وہ لوگ اپنی ضروریات زندگی سے فارغ ہو رہے تھے اور اس کے بعد انھوں نے وہاں سے سفر کرنا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر مجھے سفر کرنا پڑا پورا دن یہ سفر ہوتا رہا۔ دن میں کافی گرمی بھی لگی تھی مجھے اس پٹاری میں لیکن اب ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو کر مجھے وقت گزارنا تھا اور دیکھنا تھا کہ تقدیر نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔

سفر میں کئی دن گزر گئے اور پھر شاید تیجا ل اپنے قبیلے میں پہنچ گیا بے شمار لوگوں کی بات چیت کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں جس وقت وہ قبیلے میں داخل ہوا رات کا وقت تھا پھر مجھے تیجا ل کے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

"تو پھر مہاراج ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

"ابھی کسی کو مت بتانا کہ ہم لوگ آ گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے مہاراج لیکن آپ کہہ رہے تھے؟"

"ہاں...... ہاں...... تم چنتا مت کرو...... میں اسے سنگارو میں بند کر لوں گا۔"

"تو پھر سنگارو کو راج ناگ کے چبوترے تک کب پہنچائیں گے۔"

"صبح کو جب روشنی پھوٹنے گی تو سنگارو راج ناگ کے چبوترے پر ہوگا۔"

یہ سنگارو عجیب و غریب چوکور بکس تھا جو شیشے کا بنا ہوا تھا اور اس میں ایسے ایسے باریک

سوراخ کیے گئے تھے جن سے ہوا اور روشنی اندر آ سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ تیجا رام اپنے کام میں ماہر تھا۔ اور اس نے مجھے اس چالاکی سے سنگارو میں منتقل کیا تھا کہ میں خود بھی حیران رہ گیا۔ ایک چھوٹا سا خانہ کھلا تھا اور اس کے ساتھ ہی ٹوکری کا ڈھکن ہلکا سا ہٹا تھا۔

بس میرے لیے اتنا ہی کافی تھا میں نے پوری قوت سے پھن اٹھا کر دوڑنے کی کوشش کی اور مجھے راستہ بھی مل گیا لیکن یہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ راستہ میرے لیے ہی بنایا گیا تھا تاکہ میں اس ڈبے میں داخل ہو جاؤں۔ جو میرے لیے ترتیب دیا گیا ہے اور جیسے ہی میں اس ڈبے میں داخل ہوا اس کا اگلا سرا پھر سے بند ہو گیا۔

میں نے بری طرح سے پھنکاریں ماریں لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ تیجا ل نے بہت آسانی سے ڈبے کا دروازہ بند کر دیا تھا کہ میری ساری کوششیں اسے کھولنے میں ناکام رہیں تب مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ سنگارو ہے۔ اب تیجا ل میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اس کے بھیانک چہرے پر مسکراہٹیں دوڑ رہی تھیں اور میں اسے خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ ہنس کر بولا۔

"جے ہو مہاراج شیش ناگ کی بڑی مشکل سے پکڑا ہے آپ کو ناگ رانی کو حاصل کرنا میرا کام ہے آپ کی جوڑی بناؤں گا۔ یہ تیجا ل کا سب سے بڑا مقصد ہے بس مہاراج مجھے اپنی پناہ میں رکھیں اور ہمیشہ میری سہائتا کریں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بے ایمان تیری سہائتا تو میں ایسی کروں گا کہ دیکھنے والے دیکھیں گے بس ذرا موقع مل جائے۔

ویسے سنگارو نامی اس چیز کا کچھ اور بھی معاملہ تھا کیونکہ یہ انتہائی عجیب و غریب تھی اور میں اس کی نوعیت کو نہیں جان سکا تھا اس کے اندر میں بالکل مطمئن اور کسی قسم کی تکلیف کا شکار نہیں تھا۔ بلکہ جو تکلیف میں نے اس پٹاری میں اٹھائی تھی۔ اس میں میرا انگ انگ دکھ گیا تھا اس میں آ کر ذرا سی کشادگی ملی تو میں نے اپنے بدن کو بہت سی انگڑائیاں دیں اور لہریں لینے لگا۔

رات کا وقت تھا اور میں نے اپنے آپ کو ایک جھونپڑی جیسی جگہ میں دیکھا تھا گول قسم کی کشادہ جھونپڑی تھی جو یقینی طور پر تیجا ل کا گھر ہی ہوگا۔ بہر حال اس نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا اور اس کے بعد تیجا ل اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

وہ بھی ساری رات سویا نہیں تھا۔ مجھے بھی نیند نہیں آئی تھی اس قید میں بڑی بے چینی

ہو رہی تھی لیکن بالکل مجبور ہو گیا تھا۔ پھر تیجاپال نے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ سفید لباس پہنا اور پوری طرح تیار ہو گیا۔

صبح ہونے والی تھی بالآخر اس نے سنگارو اٹھایا اور اپنے جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ باہر مدھم مدھم اجالا پھیلا ہوا تھا جھونپڑوں میں خاموشی طاری تھی۔ چراغ بجھ چکے تھے۔ بستی نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

تیجاپال مناسب رفتار سے چلتا ہوا کسی خاص سمت جا رہا تھا اور میرا بدن سنگارو میں مل رہا تھا بالآخر وہ ایک وسیع و عریض میدان میں پہنچ گیا یہ میدان بستی سے ملحق تھا اور شاید خاص طور سے بنایا گیا تھا۔ چاروں سمت درخت لگے ہوئے تھے درختوں کے درمیان یہ سپاٹ اور صاف ستھرا میدان تھا جس کو آدھا عبور کرنے کے بعد ایک عظیم الشان سنگی چبوترا نظر آ رہا تھا۔ اس چبوترے پر اوپر تک جانے کے لیے تقریباً چوبیس سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھیوں کے شروع ہوتے ہی دونوں سمت اونچے اونچے ستون استادہ تھے جو پتھر کی چٹانوں ہی سے تراشے گئے تھے۔

سیڑھیوں کی تراش بھی اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ پہلے یہاں کوئی عظیم الشان پہاڑی سلسلہ ہوگا اور اس میں یہ سیڑھیاں تراش دی گئی ہیں اس کے بعد وسیع چبوترے کا آغاز ہوتا تھا اور اس چبوترے کا اختتام ایک بہت بڑے چٹانی سلسلے پر جا کر ہوتا تھا۔

سیاہ رنگ کے اس چٹانی سلسلے کے عین سامنے سانپ کا ایک بہت بڑا مجسمہ تراشا گیا تھا۔ جو بے پناہ بلند و بالا تھا سانپ کا چوڑا پھن ایک چٹان کی شکل میں سائبان کی طرح پھیلا ہوا تھا اور اس کا سڈول جسم نیچے آ کر کنڈلی کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

اس کنڈلی کا دائرہ بھی بے حد وسیع تھا چبوترے کے اس حصے پر جہاں سانپ موجود تھا۔ چھ آدمی گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ غالباً بیٹھے بیٹھے نیند میں ڈوب گئے تھے۔ تیجاپال کے قدموں کی چاپ پر بھی انھوں نے گردنیں نہیں اٹھائی تھیں۔

تیجاپال آہستہ آہستہ چلتا ہوا سانپ کے مجسمے کے قریب پہنچا۔

سنگارو کو اس کنڈلی کے درمیان میں رکھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر گردن جھکا دی۔ چند لمحات وہ اسی طرح بیٹھا رہا اور اس کے بعد رخ بدل کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے اپنا ہاتھ سنگارو پر رکھا ہوا تھا وہ کسی پتھر کے بت کے مانند ہی ساکت ہو گیا تھا

اور اجالا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ تب وہ چھ افراد جاگ گئے۔ انھوں نے انگڑائیاں لیں۔ چہروں پر ہاتھ پھیرے۔ ابھی تک ان کی نگاہیں تیجاپال کی جانب نہیں اٹھی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ستونوں کے عقب میں غائب ہو گئے۔

پھر کچھ دیر کے بعد دوبارہ نمودار ہوئے اور اب انھوں نے تیجاپال کی صورت دیکھی تھی سارے کے سارے اچھل پڑے۔ اور تیزی سے چلتے ہوئے تیجاپال کے پاس آ گئے۔

''ارے تیجاپال مہاراج آپ واپس آ گئے اور یہ...... یہ یہ کیا ہے؟''

''سپیروں کی اولاد ہو...... آنکھیں نہیں ہیں تمھاری...... دیکھ نہیں سکتے کہ یہ کیا ہے؟''

کک...... کیا ہے مہاراج؟'' انھوں نے جھک کر سنگارو میں جھانکا اور دوسرے لمحے وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئے ان کے منہ سے حیرت ناک آوازیں نکلیں۔

''شش شش...... شیش...... شیش ناگ...... ناگ دیوتا کی سوگند یہ شیش ناگ ہی ہے۔'' وہ سب جھک جھک کر مجھے دیکھنے لگا اور پھر گھٹنوں کے بل جھک کر انھوں نے بھی اسی طرح ہاتھ جوڑ دیے۔ جس طرح تیجاپال نے پتھر کے مجسمے کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے پھر وہ سب کھڑے ہو گئے انھوں نے تیجاپال کو دیکھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے بستی کی طرف سے بہت سے افراد آتے ہوئے نظر آئے۔ ان کا رخ اسی چبوترے کی جانب تھا۔

سارے کے سارے مخصوص لباسوں میں تھے۔ ان میں عورتیں بچے بوڑھے بھی موجود تھے۔ وہ بڑے عقیدت و احترام سے سنگی چبوترے کی طرف بڑھ گئے۔ اور وہ چھ آدمی جو درحقیقت ناگ دیوتا کے پجاری تھے ان کے سامنے قطار باندھ کر آ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے چند لمحات کی خاموشی اختیار کی تھی اور پھر ان کے منہ سے آوازیں نکلیں۔

وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کوئی بھجن گا رہے تھے۔ ان کے ساتھ آنے والے بے شمار افراد بھی اس بھجن کی گائیکی میں شریک ہو گئے۔

غالباً وہ عبادت کر رہے تھے لیکن تیجاپال ان کے درمیان نہیں پہنچا تھا۔ وہ بدستور سنگارو کے پاس کھڑا ہوا تھا کافی مغرور آدمی معلوم ہوتا تھا اور اس عبادت میں اس نے حصہ نہیں لیا تھا۔ پھر یہ بھجن ختم ہو گیا اور اس کے بعد پجاریوں نے جو اب تک اپنے آپ کو بمشکل تمام روکے ہوئے تھے بیک وقت کہا۔

"تجاپال مہاراج آ گئے اور شیش ناگ ان کے ساتھ ہے مہاراج تجاپال ہمارے تجاپال مہاراج آ گئے ہیں۔" تب ایک شخص جو خاصا عمر رسیدہ تھا آگے بڑھا اور اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا۔

پھر تیزی سے دوڑتا ہوا سنگارو کے پاس آیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شیش ناگ یعنی مجھے دیکھتا رہا۔ اور اس کے بعد اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی وہ بھی اسی طرح گھٹنوں کے بل جھکا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"جے دھن راج بھگونت، جے شیش ناگ مہاراج۔" اس کی نگاہیں کافی دیر تک میرا جائزہ لیتی رہیں۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے تجاپال کو دیکھا وہ بدستور مسکرا رہا تھا جب کہ تجا کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آ رہے تھے وہ تجاپال سے بولا۔

"ہاں۔ تجا یہ شیش ناگ ہی ہے۔ بالآخر تیری تپیا مکمل ہوئی ہے تُو نے شیش ناگ حاصل کر ہی لیا۔"

"اور جو شخص شیش ناگ حاصل کر لیتا ہے گھوراج جانتے ہو وہ کون ہوتا ہے؟"

"قبیلے کا سردار مگر باؤلے ایسے کیوں کہہ رہا ہے ارے یہ تو ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ شیش ناگ بھگونت ہمارے بیچ آئے اب بھلا کون ہمیں نیچا دکھا سکتا ہے۔ تجا رام سرداری تیرا حق ہے۔ کس نے کہا میں تیرا حق مارنا چاہتا ہوں۔ مگر میں نے تجھ سے جو کچھ کہا تھا وہ بھی تو سچ ہی تھا۔ سرداری صرف اسے ملتی ہے جو شیش ناگ حاصل کرے۔ ارے باؤلے میرا تو کوئی بیٹا بھی نہیں تھا۔ جس کے لیے میں یہ سوچتا کہ قبیلے کا سردار اسے بناؤں گا۔" چند افراد آگے آ گئے۔ اور اس کے بعد انھوں نے مجھے دیکھا یہ سب کے سب بوڑھے تھے۔

"ہاں مہاراج شیش ناگ ہمارے بیچ آ گئے ہیں۔ یہ تو جشن منانے والی بات ہے۔ یہ تو...... یہ تو۔"

"جشن ہوگا اوش ہوگا۔ شیش ناگ مہاراج کے آنے کی خوشی میں جشن ہوگا۔ بھائیو سنو...... خوشی کی خبر سنو۔ تجاپال...... شیر دل تجاپال، شیش ناگ لے آیا ہے۔ اب سرداری اس کا حق بن چکی ہے اور کوئی بھی اس حق کو نہیں مار سکتا۔ میں آپ لوگوں کے بیچ یہ اعلان کرتا ہوں کہ تجاپال کو اپنا سردار مان لیں، وہ اب آپ کا سردار ہے۔ میں بڑی خوشی سے یہ حق اس کے حوالے کرتا ہوں۔"

"یہ سب کچھ اسی طرح ہوگا جس طرح قبیلوں کی ریت ہے۔ تجاپال اس میں کوئی تبدیلی نہیں ممکن نہیں ہوگی۔" ایک بوڑھے آدمی نے کہا۔

"تو میں کب کہتا ہوں کہ تبدیلیاں کرو۔ کچھ غلط فہمیاں ہو گئی تھیں۔ بیچ میں شاید تجاپال یہ سمجھا تھا کہ میں سرداری اپنے کسی من پسند آدمی کو دینا چاہتا ہوں۔ مگر ایسی بات نہیں تھی۔ جو اصول ہوتے ہیں وہ تو ہوتے ہی ہیں۔"

"اب کیا کیا جائے گھوراج...... مہاراج...... ابھی تو آپ سردار ہیں ہی۔"

"آج کا دن جشن کا دن ہے۔ پوری بستی میں کوئی کام نہیں ہوگا۔ ہر شخص جشن منانے کی تیاری کرے گا۔ شیش ناگ، بھگونت کو یہیں ناگ دیوتا کے چرنوں میں رکھا جائے گا۔ تجاپال اس کا مالک ہے۔ ناگ دیوتا کے پجاری شیش ناگ کی سیوا کریں گے۔ ہم انھیں ان کے استھان میں پہنچا دیں گے اور رات کو بستی میں جشن منایا جائے گا۔ جب سورج ڈوبے گا تو تجاپال کو سرداری کا تاج پہنا دیا جائے گا اور اس کے بعد ہمارا نیا سردار اپنے احکامات سنائے گا۔ سب سے پہلے میں آواز لگاتا ہوں...... تجاپال کی جے۔"

اور اس کے بعد بہت سی آوازیں ابھریں۔

اور تجا کے منحوس چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ میں ان تمام چیزوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا سن رہا تھا۔ پھر سورج پوری طرح چڑھ گیا تو وہ لوگ واپس پلٹنے لگے۔ سنگارو ابھی یہیں رکھا ہوا تھا اور میں بھی آرام سے اس میں بیٹھا ہوا تھا اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ عجیب و غریب رسمیں ہی دیکھنے کو مل رہی تھیں۔ چنانچہ وقت بدلتا رہا سورج نے ماحول میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ یہاں سے کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔

لیکن وہ سارے ہنگامے محسوس ہو رہے تھے تجا میرے پاس سے نہیں ہٹا تھا کچھ دیر بعد اس کے دو ساتھی اور بھی آ گئے تھے۔ جو اس کے ساتھ شیش ناگ کو حاصل کرنے کی مہم میں شریک تھے اور تجا ان کے قریب بیٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگا۔ چھ پجاری میرے آس پاس موجود تھے جب کہ تجاپال وہاں سے کچھ فاصلے پر ہٹ گیا تھا اور اپنے ساتھیوں سے گفتگو تھا۔ وہ ان سے باتیں کر رہا تھا یہ میں یہاں سے نہیں سن سکتا تھا لیکن اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسرت بتاتی تھی کہ وہ اپنے سردار بن جانے سے بے پناہ خوش ہے۔ اس کے ساتھی بھی مکارانہ انداز میں مسکرا رہے تھے غرضیکہ وقت گزرتا رہا۔

کچھ دیر کے بعد جب سورج چڑھا تو بے شمار افراد اس علاقے کی طرف آتے ہوئے نظر آئے سب نے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے عورتیں بچے مرد تمام ہی تھے۔ جو صبح کو میں نے دیکھے تھے غالباً یہاں کے سب لوگ باقاعدہ صبح کی عبادت کے لیے آئے تھے۔ ان کا کیا دین دھرم تھا یہ مجھے معلوم نہیں تھا لیکن بہرحال اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سانپوں کے پجاری ہیں۔

پھر انھوں نے لمبی لمبی قطاریں بنالیں۔ پجاریوں نے مجھے دکھانے کا بندوبست کر رکھا تھا اور اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ سب میرا دیدار کرتے آئے ہیں۔ وہ لوگ ایک سمت سے آ رہے تھے مجھے دیکھتے ہوئے ہاتھ جوڑتے اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ جاتے یہ گویا شیش ناگ کے درشن ہو رہے تھے۔ واہ ترویدی، کرم داد کیا مزہ آ رہا ہے دیکھنے کی چیز بن گئے ہو تم بھی۔

خیر ابھی تو بہت سے مراحل ہیں زندگی میں۔ دیکھو نجانے کیا کیا ہوتا ہے۔ بہرحال یہ سلسلہ بھی جاری رہا اور یہ سلسلہ اتنا طویل تھا کہ میں بھی اس سے عاجز ہو گیا۔ بھوک پیاس میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ مہینہ مہینہ بغیر کھائے پیے جی سکتا تھا۔ چنانچہ اس قسم کی کوئی پریشانی مجھے لاحق نہیں تھی۔ اس کے باوجود سنگاردو میں بنے ہوئے برتن میں اوپر کے حصے میں خاص طور سے دودھ ڈالا گیا۔ جس پر میں نے ہزار بار لعنت بھیجی اور اسے منہ لگایا لیکن اس بات کی پروا نہیں کی گئی تھی کہ شیش ناگ بھگونت نے دودھ پیا نہیں۔ بس ان لوگوں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔

پھر شام ہو گئی اور اس کے بعد وہ تمام لوگ جو اس بستی کے باسی تھی ایک بار پھر یہاں آ گئے۔ ستونوں کے اوپری حصے پر خاص قسم کی مشعلیں بنی ہوئی تھیں جو نجانے کس چیز سے جلائی جاتی تھیں۔ بہرحال شام میں انھیں روشن کر دیا گیا اور ان کی یہ پوری عبادت گاہ جگمگانے لگی۔ مشعلوں کی روشنی بہت تیز تھی۔

میں خاموشی اور دلچسپی سے یہ تمام مناظر دیکھ رہا تھا گھوراج، آہستہ آہستہ آگے بڑھا بہت سے بوڑھے اس کے ساتھ تھے۔ تب اس نے اپنے بازو پر لپٹے ہوئے چند عجیب و غریب زیور اتارے، ایک خاص قسم کا تاج جو یقینی طور پر جواہرات کا بنا ہوا تھا سامنے لایا گیا۔ تیجال سنگاردو سے کچھ فاصلے پر زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ بوڑھوں نے وہ تاج اس

کے سر پر رکھا۔ گلے میں بے شمار مالائیں ڈالی گئیں اور اس کے بعد چاروں طرف تیجا مہاراج کی جے، تیجا مہاراج کی جے سے گونج اٹھا۔ پھر ڈھول اور تاشے آئے اور بے ہنگم رقص و موسیقی کا آغاز ہو گیا۔ تیجال سرداری کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اور اب اسے ایک سنگھاسن پر بٹھا دیا گیا تھا۔ سورج ڈھلنے لگا تو پوری ہی بستی سردار کے جھونپڑے کے سامنے امڈ آئی۔

کچھ دیر بعد چند بوڑھے وہاں آ گئے۔ وہ ڈھیلے ڈھالے سیاہ رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے گلوں میں مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ تیجال کے لیے ایک تخت رکھ دیا گیا جس پر وہ بڑی شان سے بیٹھ گیا بوڑھوں نے کہا۔

''ہمارے نئے سردار تو نے دیکھا کہ پرانے سردار گھوراج مہاراج نے ہمارے قبیلے کے رسم و رواج کی پوری پابندیاں کرتے ہوئے سرداری تیرے حوالے کر دی۔ ہم تجھے نئے سردار کی حیثیت سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ اپنا پہلا حکم ہمیں سنا اور ساری بستی کو اس بارے میں بتا دے تیرا پہلا حکم کیا ہے۔ ہم سب تیرے اطاعت گزار ہیں۔''

''مگر یا سیو! میرے من میں کب سے سرداری کی بھاؤ نا تھی۔ چھپایا نہیں میں نے کسی سے سب کو بتا دیا۔ مگر سردار گھوراج نے کہا کہ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ شیش ناگ حاصل کیا جائے۔ آج میں تم لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا خود گھوراج نے شیش ناگ حاصل کر کے سرداری حاصل کی تھی۔ بولو...... جواب دو؟''

''نہیں...... شیش ناگ تو برسوں سے ہمارے بیچ نہیں آئے۔ شیش بھگونت تو پہلی بار ہمارے بیچ پدھارے ہیں۔'' بوڑھوں نے جواب دیا۔

''گھوراج...... صرف اس لیے سردار بنا کہ اس کا پتا سردار تھا وہ تو ناگ دیوتے گھوراج کو کوئی بیٹا نہیں دیا۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ گھوراج سرداری اسے ہی دینا چاہے میں شیش ناگ لے بھی آتا؟''

''حالانکہ میں اس قبیلے کا سب سے طاقت ور تو جوان ہوں۔ میں اس قبیلے کا سب سے تجربے کار سپیرا ہوں۔ ہزاروں ناگ پکڑے ہیں میں نے۔ ہزاروں ناگوں کو قیدی بنایا ہے بہت سے منتر جانتا ہوں مگر مجھے میرا حق نہیں دیا گیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ ٹھیک ہے گھوراج اب میں اسی سے اپنے قبیلے میں داخل ہوں گا جب شیش ناگ لے آؤں گا۔ اور تم لوگ جانتے ہو کہ شیش ناگ کو حاصل کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ میں اعلان کرتا

ہوں کہ جیسا کہ میں نے کہا کہ میں شیش ناگ کی جوڑی بناؤں گا۔ یہاں اس جگہ ناگ استھان پر تم لوگ ناگ رانی کو بھی دیکھو گے اور جب ناگ رانی اور شیش ناگ ہمارے بیچ آ جائیں گے تو قبیلے والوں کو جو فائدے حاصل ہوں گے وہ تم سب جانتے ہو۔ سنو اگر باسیو، میں تم سے کہے دیتا ہوں اگر کسی ایک نے بھی میرے حکم سے منہ موڑا تو اس کے لیے صرف موت کی سزا ہوگی اسے ناگوں کے بیچ ڈال دیا جائے گا اور ناگ اس کے لیے سزا کا فیصلہ کر دیں گے۔ میرا پہلا حکم ہے کہ گھوراج مہاراج کو قید کر کے پنجرے میں بند کر دیا جائے۔ یہ سامنے جو پنجرہ ہے میں نے گھوراج کے لیے ہی منتخب کیا ہے۔"

ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ تمام لوگ سکتے میں رہ گئے۔ تیجا کے چہرے پر آہستہ آہستہ غصے کے نقوش پھیلنے لگے۔

"کیا میرے حکم کی تعمیل ہوگی؟" اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

تب گھوراج بولا۔

"پاپیو...... سردار کی آ گیا کا پالن نہیں کر رہے تم لوگ...... جو وہ کہتا ہے وہ کرو۔"

چند افراد آگے بڑھے اور گھوراج نے گردن جھکا کر خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ تب گھوراج کو اس پنجرے میں ڈال دیا گیا جو بانسوں سے بنایا گیا تھا اور بہت مضبوط تھا۔ اس کے برابر ہی ایک پنجرہ اور بھی تھا۔ غالباً یہ قیدیوں کے لیے پہلے سے بنائے گئے پنجرے تھے تیجال نے گھوراج کو پنجرے میں بند دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

"اور جب میں نے تجھ سے تقاضا کیا تھا گھوراج کہ سرداری کے لیے آئندہ میرے نام کا اعلان کر تو تُو نے مجھے اس پنجرے میں بند کیا تھا ناں...... گھوراج تجھے یاد ہوگا میں نے تجھ سے کہا تھا کہ گھوراج تمھارا وقت ہے تم مجھے قیدی بنا دو، لیکن ایک بات سن لو...... ایک دن میں تمھیں اسی پنجرے میں قید کروں گا۔ تمھیں یاد ہے ناں گھوراج مہاراج؟"

"ہاں...... سردار تیجال مجھے یاد ہے۔ اور یہ بھی یاد ہے مجھے کہ جب تُو نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ سرداری تیرے حوالے کر دی جائے۔ وہ قبیلے کے قانون کے مطابق نہیں تھا۔ قبیلے کا قانون تو وہی باتیں کہتا ہے کہ اگر سردار کا بیٹا ہو تو سرداری اسے دی جائے اور اگر سردار کا بیٹا ہو بھی اور کوئی جوان شیش ناگ پکڑ لائے تو سرداری اس خاندان سے نکل جاتی ہے۔ مجھے جو سرداری ملی تھی۔ وہ اس لیے ملی تھی کہ میں سردار کا بیٹا تھا اور اس لمحے کسی جیالے نے شیش ناگ

کو پکڑ کر لانے کی بات نہیں کی تھی اور بعد میں بھی کوئی نوجوان قبیلے میں ایسا پیدا نہیں ہوا جو شیش ناگ پکڑ کر لے آتا۔ میں نے تجھ سے یہ ضرور کہا تھا کہ تجھے سرداری مل سکتی ہے مگر شیش ناگ پکڑنے کے بعد اور پھر میں نے تجھے آزاد کر دیا تھا۔"

"ہاں...... تُو نے اپنا قول پورا کیا تھا گھوراج اور آج میں اپنا قول پورا کر رہا ہوں۔ مگر باسیو! یہ میری پہلی بھاؤنا تھی جو میں نے پوری کی اور اپنے آپ کو اس قابل کر دکھایا کہ آج میں تمھارے قبیلے کا سردار ہوں۔" یہ کہہ کر اس کی توجہ دوسری طرف ہوگئی۔

"تو یہ بھی سن لے کہ طاقت حاصل کر کے ظلم کرنا اچھا نہیں ہوتا تجھے نقصان ہوگا۔"

ایک بوڑھے نے کہا۔

"میں یہ نقصان اٹھا لوں گا۔"

"تیری مرضی ہے مگر قبیلے میں یہ نئی بات ہوگی اور ہم اسے پسند نہیں کریں گے۔"

"جو میرے کیے ہوئے کاموں کو پسند نہیں کرے گا۔ وہ میرا دشمن ہوگا اور میں اپنے دشمنوں سے لڑنا جانتا ہوں۔"

بوڑھا خاموش ہو گیا لیکن اس کے خاموش ہوتے ہی کئی بوڑھے پھیرے آگے بڑھ آئے۔

"تُو نے سردار بنتے ہی ظلم کرنا شروع کر دیا تیجا۔ بستی والے آگے تجھ سے کیا امید رکھیں۔ تُو کیا سمجھتا ہے، بستی میں ہم بھی یہاں رہتے ہیں۔"

"تم لوگ کچھ نہیں بگاڑ سکتے میرا۔"

"ٹھیک ہے لیکن ہم ایک کام کر سکتے ہیں۔"

"کیا؟"

"تُو یہاں سرداری کر ہم یہاں سے کہیں کوچ کر جائیں گے۔ یہ بستی خالی ہو جائے گی تو تُو خالی زمین پر سرداری کرنا۔" ایک بوڑھے نے کہا۔ اور تیجا غصیلی نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"مگر میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں سُریلی کو چاہتا ہوں۔"

"بستی کی بہو بیٹیاں کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں۔ آج تُو سریلی کو چاہتا کل تُو کسی اور کو چاہتا کو اس کے گھر سے اٹھا لیتا۔"

"میں ایسا نہیں ہوں۔ تم جانتے ہو۔"

"سردار بن کر تُو جو باتیں کر رہا ہے اب ہمیں تجھ پر بھروسہ نہیں رہا۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی اپنے من پر ہمیں ادھیکار ہوتا ہے۔"

"اپنے من پر دوسرے کے من پر نہیں۔" بوڑھے نے کہا۔ اور تیجا ل کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"اور اگر سُریلی مجھ سے بیاہ کرنے کو تیار ہو جائے؟"

"ہاں...... یہ الگ بات ہے لیکن اس کے لیے بھی اس کے پتا کو جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔"

"وہ جرمانہ میں ادا کروں گا۔"

"ٹھیک ہے اگر ایسا ہو تو وہ الگ بات ہے۔"

"مادھو کو اس قید خانے میں قید کر دیا جائے۔" تیجا نے کہا اور بوڑھے پھر بے چین ہو گئے۔

"اسے کس جرم میں گرفتار کرے گا تُو؟"

"یہ میرا اور اس کا جھگڑا ہے ابھی میں تم لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے جیون میں کبھی سُریلی کو حاصل نہیں کر سکوں گا۔"

"تُو اچھا آدمی نہیں ہے تیجا، بے شک تُو نے شیش ناگ پکڑ لیا ہے اور سردار بن گیا مگر ہم تیری سرداری سے خوش نہیں ہیں۔"

"دیکھو بزرگو! میں جوان آدمی ہوں سُریلی مجھ سے بیاہ کے لیے تیار ہو جائے اس کے پتا کی طرف سے میں یہ جرمانہ ادا کروں گا۔"

"ٹھیک ہے مان لو بزرگو! اگر سُریلی اس سے بیاہ کرنے پر راضی ہو جاتی ہے تو میں خوشی سے اس کے حق میں دستبردار ہو جاؤں گا۔ مادھو نے کہا۔

"تو پھر فیصلہ سُریلی پر رہا۔" بوڑھے اس بات پر متفق ہو گئے اور معاملہ سریلی پر چھوڑ دیا گیا۔

لیکن مادھو کو اس قید خانے میں بند کر دیا گیا تھا پھر آہستہ آہستہ لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ میں دلچسپی سے اس تمام صورت حال کو دیکھ رہا تھا۔ شاید تیجا ل کے خاص

آدمیوں میں وہی چار پھیرے تھے جو اس کے ساتھ مصروف رہا کرتے تھے جب تمام لوگ چلے گئے تو تیجا ل نے انھیں بلا کر کہا۔

"تم لوگوں نے سنا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"ہاں سردار تیجا، بستی خالی کرتے ہیں یہ لوگ تو خالی کر دیں ہم تیرے پاس ہیں سُریلی تیری محبت ہے وہ تیرے ساتھ رہے گی۔"

"ارے نہیں پگلو ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر؟"

"کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"تو سوچو سردار۔"

"سوچ رہا ہوں۔" تیجا نے کہا۔ اور گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"سُریلی کو یہاں بلا کر لاؤ میں اس سے بات کروں گا۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" گھوراج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

تیجا کے ساتھی واپس آ گئے لیکن وہ تنہا نہیں ہے سریلی ان کے ساتھ تھی اس کے علاوہ وہ چھ بوڑھے اور سریلی کا باپ بھی اس کے ساتھ آیا تھا تیجا اندر سے نکل آیا۔ ان سب کو دیکھ کر وہ چونک گیا۔

"یہ لوگ کیوں آئے ہیں؟"

"تُو نے سُریلی کو بلایا تھا۔ بات کرنے کے لیے لیکن وہ تمھارے پاس آنا نہیں چاہتی تھی۔"

"میں سردار ہوں۔" اس نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"وہ ایک کنواری کنیا ہے اس سے جو کچھ کہنا چاہتے ہو۔ سب کے سامنے کہہ سکتے ہو۔"

"تم لوگ میرے غصے کو جگا رہے ہو۔" سردار نے تیز لہجے میں کہا۔

"کیا کرے گا کوئی ہمارا۔ جان سے مار دے گا۔ یہ اچھا ہوگا۔ جلدی فیصلہ ہو جائے گا۔ بستی والے سردار سے پوری طرح واقف ہو جائیں گے۔" بوڑھے نے کہا۔ اور تیجا پیچ و تاب کھانے لگا پھر اس نے کہا۔

"مجھے سریلی سے بات کر لینے دو۔ میں اسے پریم سے سمجھاؤں گا۔"

"سریلی۔ اب میں بستی کا سردار بن چکا ہوں۔ تجھے پتہ چل گیا ہوگا۔ میں تجھے بچپن ہی سے چاہتا ہوں اگر تُو مجھ سے بیاہ کرلے گی تو میں تجھے رانی بنا کر رکھوں گا۔ سارے سنسار کی خوشیاں تیرے قدموں میں ڈال دوں گا۔ مادھو تجھے کیا دے گا۔"

حسین لڑکی۔ حسن و جمال میں بے مثال تھی اور ایسی تھی کہ اس کے لیے جنگ ہو سکے لیکن حسن کے ساتھ ذہانت کی آمیزش میں نے پہلی بار دیکھی تھی وہ ذرا بھی نہ گھبرائی اور اس نے صاف لہجے میں کہا۔

"تُو ٹھیک کہتا ہے تیجا۔ سچ سچ اگر میں نے مادھو سے بیاہ کر لیا تو ہمیں سکھ کا ایک پل بھی نہیں ملے گا۔ تو مجھ سے پریم کرتا ہے تو ایک بات بتا مجھے تیجا؟"

"تجھے مجھ سے زیادہ پریم ہے یا اپنی سرداری سے؟" سریلی نے کہا اور تیجا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ بوڑھے بھی چونک پڑے تھے۔ کچھ دیر بعد تیجا نے کہا۔

"تُو کہنا کیا چاہتی ہے۔" سردار تیجا نے حیرت سے سریلی کی طرف دیکھا۔

"اگر میں تجھ سے کہوں کہ میرے لیے سرداری چھوڑ دے اور اپنی جگہ مادھو کو سرداری سونپ دے تو کیا تُو مان جائے گا؟"

"مجھ سے چالاکی کر رہی ہے سُریلی؟" تیجا غصے سے بولا۔

"یہی سمجھ لے۔ میں مادھو سے بھی یہی سوال کرتی ہوں مادھو تجھے اگر سرداری مل جائے تو کیا تُو خوشی سے سگائی توڑ دے گا؟"

"ہرگز نہیں۔" مادھو بولا۔

"اب کیا کہتا ہے تیجا؟" سریلی نے پوچھا۔

"میں سمجھ گیا ہوں یہ بوڑھے تجھے سکھا کر لائے ہیں۔" تیجا نے غصے میں کہا۔

"ارے مجھے کوئی کیا سکھائے گا۔ میں خود سیکھی ہوئی ہوں، ان میں سے کوئی میری سہائتا نہیں کرے گا۔ تُو ان سب کو مار دے گا۔ اگر میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ سچ ہے۔ اگر تُو سرداری چھوڑ دے تو میں تیرا پریم سویکار کر لوں گی۔ میرا ابھی کچھ مان ہے کچھ چاہتی ہوں۔ میں اگر تُو نے میری شرط نہ مانی تو کیا میں زبردستی تیری ہو جاؤں گی۔ ہرگز نہیں...... کوئی میری سہائتا نہیں کر سکے گا۔ مگر...... موت تو میرے بس میں ہے۔ میں جیتی تجھے نہ ملوں گی۔

سمجھا تیجال۔"

تیجا بے بس نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔

"اگر تُو یہی ہے سریلی تو سن اس شرط کے سوا اگر تُو کوئی اور شرط رکھے گی تو میں مان لوں گا۔ یہ بوڑھے تجھے جو کچھ سکھا کر لائے ہوں۔ میں اسے ناکام بنانا چاہتا ہوں۔ شیش ناگ کی سوگند اس کے علاوہ تیری ہر شرط پوری کروں گا اگر نہ کر سکا تو پھر تُو میری نہ ہوگی اور میں تجھ سے دست بردار ہو جاؤں گا۔"

"سوچ لے تیجال!" سریلی مسکرا کر بولی۔

"اچھی طرح سوچ لیا ہے اور سوگند بھی کھائی ہے۔"

"تو پھر میں بھی شیش ناگ دیوتا کی سوگند کھا کر کہتی ہوں کہ اگر تُو نے میری دوسری شرط پوری کر دی تو میں صرف تجھ سے بیاہ کروں گی۔"

"تو مجھے دوسری شرط بتا؟" سردار تیجا نے طیش میں آ کر کہا۔

"تُو نے شیش ناگ پکڑ لیا ہے۔ تو پھر ناگ رانی بھی پکڑ لے تو میں تیرا ہاتھ پکڑ لوں گی ایک جوڑی شیش ناگ اور ناگ رانی کی ہوگی اور دوسری ہماری ہوگی۔"

تیجال کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔ بوڑھے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دونوں طرف دیکھنے لگے۔ اس کل کی چھوکری نے تو ان کے سارے تجربے کی ناک کٹوا دی۔ تیجال کچھ دیر کشمکش کا شکار رہا پھر بولا۔

"مجھے تیری یہ شرط بھی منظور ہے۔" سردار تیجا نے طیش میں آ کر سریلی کی شرط کو قبول کر لیا تھا۔

"تو پھر مجھے بھی منظور ہے اور میں نے سوگند کھائی ہے اور میں جانتی ہوں کہ سوگند توڑنے والوں کو تیر مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔"

"ایسا تو مجھے کرنا تھا سریلی۔ میں تو خود یہ چاہتا تھا کہ میں ناگ رانی کو پکڑ لوں مگر اس بیچ میں مادھو یا گھوراج کو آزاد نہیں کروں گا۔"

"یہ تیرا معاملہ ہے میں اس میں دخل نہیں دوں گی۔"

"بزرگو! فیصلہ ہو گیا ہے اب تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔"

"ہمیں اعتراض کا کیا حق ہے؟" تمام بوڑھوں نے بیک وقت کہا اور پھر وہ سریلی کو

لے کر وہاں سے چلے گئے۔ تیجال نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''بے شیش بھگونت میری سہائتا تم ہی کرو گے۔ ایک طرف تمھاری جوڑی بنے گی اور دوسری طرف میری۔'' میں دل ہی دل میں مسکرا پڑا۔ میں نے سوچا کہ ضرور تیجال تیری جوڑی تو میں ایسی بناؤں گا کہ تُو یاد رکھے گا۔

گھوراج اور مادھو بدستور قید میں تھے تیجال نے اپنے چاروں ساتھیوں کو طلب کیا اور ان سے بولا۔

''اصل میں ناگ رانی کی تلاش کی اچھا تو میرے دل میں بہت پہلے سے تھی۔ اور میں شیش ناگ اور ناگ رانی کی جوڑی مکمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سریلی نے یہ شرط لگا کر اس کام میں ذرا جلدی پیدا کر دی ہے میں سمجھتا ہوں کہ سریلی نے یہ بھی اچھا ہی کیا ہے اور سچ ہے کہ سریلی کا خیال میرے من میں ہمیشہ سے تھا۔

یہ مادھو اس کے قابل کہاں اسے آتا ہی کیا ہے۔ سپیروں کی بستی کا سب سے نکما لڑکا۔ یہ سریلی جیسی سندر ناری کو کیا دے سکے گا۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ سریلی نے یہ شرط لگا دی اور مجھے دیوتاؤں پر پورا یقین ہے کہ ناگ رانی کی تلاش میں وہ میری پوری سہائتا کریں گے۔ سو ہمیں ناگ رانی کی تلاش میں جانے کی تیاریاں کرنی چاہئیں۔ اگر ناگ رانی بھی ہمارے قبضے میں آ جائے تو جانتے ہو۔ بستی ہی کے نہیں بلکہ دور دور تک کے سپیروں کے جتنے قبیلے ہیں وہ سب ہمارے غلام بن جائیں گے اور پھر تمھارا تیجال آس پاس کے سارے قبیلوں کا اکیلا سردار ہو گا۔

ہمارے پاس ناگ رانی اور شیش ناگ کی جوڑی ہو گی تو پھر ہم سے کون آگے ہو سکتا ہے۔ اگر سریلی ایسے ہی تیار ہو جاتی اور میرا اس سے بیاہ ہو جاتا تو ہو سکتا ہے اس کے پریم کے پھیر میں پڑ کر میں ناگ رانی کی تلاش چھوڑ دیتا۔ اب تم لوگ بولو کیا کہتے ہو؟''

''تیجال تُو ہمارا یار تھا۔ اب تُو ہمارا سردار بن چکا ہے تیرا من اگر کچھ چاہے تو کیا ہم اس سے انکار کر دیں گے؟''

''ارے تمھاری یاری پر تو مجھے فخر ہے اور یہ نہ سوچنا کہ صرف تم سے ہی میں فائدہ اٹھاتا رہوں گا اور تمھارے لیے کچھ نہیں کروں گا۔ نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ اگر تیجال سردار ہے تو اس کے یہ چاروں ساتھی بھی سرداری ہیں کسی کی مجال کہ یہ کچھ چاہیں اور وہ پورا نہ ہو بلکہ جب

آس پاس کے قبیلے بھی ہمارے غلام بن جائیں تو ان قبیلوں کے سردار کون ہوں گے تم ہی لوگ نا۔''

''یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں۔ تجھ سے ہم اپنی یاری کا کوئی صلہ نہیں چاہتے بس یاری ہی ہمارے لیے کافی ہے۔'' چاروں نے بیک وقت کہا۔

''مجھے تم پر فخر ہے تو پھر اب ناگ رانی تلاش کرنے چلتے ہیں۔ چلو تیاریاں کرو۔ تم جانتے ہو کہ سفید ناگ کی تلاش میں ہمیں کیا تیاریاں کرنا ہوں گی۔ سارے جنتر منتر اکٹھے کر لینا۔ اس کے بعد ہی ہم سفر کریں گے۔''

''ہم ابھی سے تیاریاں کیے دیتے ہیں۔''

''آؤ اب میرے ساتھ میں بھی اب زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا۔''

''ٹھیک ہے۔ مہاراج لیکن ایک بات پر غور کر لو۔''

''کیا؟''

''اگر ہم لوگ سب کے سب یہاں سے چلے گئے تو کیا ہمارے پیچھے بستی والے کوئی گڑبڑ نہیں کریں گے؟''

''نہیں۔ اب میں اتنا باؤلا بھی نہیں ہوں، ناگ دیوتا کے بت کے سامنے سوگند کھائی جائے گی کہ جب تک میں ناگ رانی کی تلاش میں ناکام ہو کر نہ آ جاؤں اور یہاں آ کر یہ بات نہ کر دوں۔ کوئی ایسا کام نہیں ہو گا یا ناگ رانی مجھے ڈس لے اور اس کی خبر یہاں آ جائے۔ تب پھر میری جگہ قبیلے کا سردار کسی کو بنایا جا سکتا۔ اور یہ تو ویسے بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ قبیلے کے ریت رواج سب کے لیے ہوتے ہیں۔ اور یہ دیوتاؤں کا کام ہے عام منش اگر اس سے منہ چرائے گا تو دیوتاؤں کا عذاب اس پر نازل ہو گا۔''

وہ لوگ وہاں سے چلے گئے گھوراج اور مادھو، پنجروں میں بند تھے۔ دونوں کے دونوں ہی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے گھوراج نے بھوما سے کہا۔

''ارے مادھو۔ یہ سریلی کیا کہہ گئی؟''

''کیوں مہاراج، آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

''بات تو پریشانی کی ہے نا۔ رے، اگر وہ سسرا سچ ناگ رانی کو پکڑ لیتا ہے تو کیا سریلی اپنی شرط پوری کر دے گی۔''

مادھو سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے میری سانس لے کر کہا۔ ''ایک بات میں آپ سے کہوں مہاراج! اچھی بات ہے کہ میں تو سیدھا سادہ آدمی ہوں لیکن سریلی ہمیشہ کی سمجھدار ہے آپ کو پتا ہے کہ ناگ رانی کو پکڑنا آسان کام نہیں ہے یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں۔''

''سو تو ہے۔ مگر اس پاپی نے شیش ناگ پکڑ لیا ہے۔ اگر شیش ناگ اس کے قبضے میں آ گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ ناگ رانی بھی اس کے پھیر میں آ جائے۔''

''اب یہ سب بعد کی باتیں ہیں مہاراج۔ ہمیں تقدیر پر بھروسہ تو کرنا ہی ہوگا۔ اگر سریلی میرے بھاگ میں لکھی ہے تو مجھے ضرور مل جائے گی۔ ویسے آپ مجھے خود بتایئے اس سے جو کچھ ہو رہا ہے آپ کو اس کا اندازہ ہے۔ سریلی اگر وہی بات کرتی کہ میں نہیں کروں گی۔ تو آپ کو تو خود اندازہ ہو گیا کہ تیجا کس قسم کا آدمی ہے۔ سرداری کے قابل تو وہ ہے ہی نہیں وہ تو ایک لپا لفنگا چور ہے جو اپنے من کی بات پوری کرنے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے کیا سمجھے آپ مہاراج؟''

''ہاں...... سو تو ہے...... مجھے اس کا اندازہ ہے۔''

''بس دیوتا ہم سب پر رحم ہی کریں۔ ویسے بھی وہ برا آدمی ہے دیوتاؤں کی سوگند میرے لیے سرداری کسی کے حوالے کرنا کوئی اتنی بری بات نہیں تھی۔ اگر کوئی ایسا آدمی ہوتا جو ایک اچھا سردار بن سکتا۔ مگر سپیروں کی اس بستی کو ایک برا سردار ملا ہے۔ ارے مجھے کون سا چمٹے رہنا تھا اس سرداری سے ذمے داری کا کام ہی ہوتا ہے۔ بشرطیکہ منش اس ذمے داری کو سمجھے۔''

گھوراج کے بعد کے سردار بنائیں۔ لیکن ایک ایسے برے آدمی کو جو دوسروں کو اپنی طاقت کے ذریعے زیر کرنا چاہتا ہے۔ ان لوگوں کے سروں سے ہٹانا میرا خیال میں ایک اچھا کام تھا میرے لیے اور یہ بھی خوشی کی بات تھی کہ ناگ رانی کو پکڑنے کے لیے تیجا کو میرا سہارا درکار تھا۔ سانپوں کا کھیل کیا ہوتا ہے مجھے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم تھیں۔

بہرحال ایک اندازہ مجھے بے شک تھا کہ یہ لوگ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ قید کر لیا ہے۔ وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ مجھے باہر نکلنے کا کوئی بہتر موقع نہیں مل جاتا اور پھر کہانی یہ بھی بڑی دلچسپ تھی اور میں اس کے آگے بڑھنے کا منتظر تھا اور

اس کے لیے مجھے تین دن انتظار کرنا پڑا۔

چوتھے دن میں نے دیکھا کہ چاروں جوان سفید کپڑوں میں ملبوس خاص قسم کے صافے سروں پر باندھے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔ تیجال نے بھی ایسا ہی لباس پہنا تھا۔ یہ لباس کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ انھوں نے کاندھوں پر وہ خاص قسم کی بانسوں میں ڈلی ہوئی ٹوکریاں سنبھال لیں اور اس کے بعد اپنے گھر سے باہر نکل آئے۔ تیجال کی ٹوکری میں میرا سنگاردر رکھا تھا اور میں اس میں موجود تھا۔ دوسری طرف اس نے ایک اور خالی سنگاردر رکھا ہوا تھا جو ناگ رانی کے لیے تھا۔ شاید بستی کے باہر دوسرے لوگوں کو علم ہو گیا تھا کہ بستی کا نیا سردار تیجال ناگ رانی کی تلاش میں جا رہا ہے۔ رسومات ادا کی جاتی تھیں۔

تیجال باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ بستی کے تمام سپیرے اپنے گھروں سے باہر نکلے ہوئے ہیں اور سب کے سب خاموش تیجال کے منتظر کھڑے ہوئے ہیں۔ تیجال آگے بڑھا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

تب میں نے دیکھا کہ وہ لوگ ناگ کے اس پتھریلے مجسمے کے پاس آئے جو عظیم الشان تھا اور اپنی ہیبت سے بہت خوف ناک نظر آتا تھا، میں سمجھ گیا کہ یہاں کیا سلسلہ ہونے والا ہے۔ تیجال ناگ کے مجسمے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے کاندھوں پر سے بہنگی اتاری، اور نیچے رکھ دی۔ اس کے چاروں ساتھی اس کے دونوں سمت دو، دو، کی تعداد میں کھڑے ہو گئے تھے۔ پیچھے تمام سپیرے موجود تھے۔ لکھو کو سب سے آگے بلایا گیا تھا اور تیجا نے کہا۔

''لکھو مہاراج، تم بستی کے بڑے ہو۔ مجھ پر جو شرط لگائی گئی ہے میں اسے پوری کرنے جا رہا ہوں۔ بستی کے لوگوں کی جانب سے تم ناگ دیوتا کے چرنوں میں ہاتھ رکھ کر سوگند کھاؤ کہ میرے پیچھے میرے خلاف کوئی سازش نہیں ہوگی اور کوئی ایسا کام نہیں ہوگا۔ جس سے میری سرداری خطرے میں پڑے۔ بولو...... کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟''

''جو کچھ تو کہتا ہے تیجال وہ سپیروں کے قبیلے کے ریت رواج ہیں، ہم ان سے کیسے الگ ہو سکتے ہیں ارے بستی والو! بتاؤ، تیجا مہاراج جو کچھ کہہ رہے ہیں کیا تم مجھے سوگند کھانے کا حق دیتے ہو؟''

''ہم تمھیں سوگند کھانے کا حق دیتے ہیں۔'' بستی والوں نے ایک آواز میں کہا۔

تچاال نے پھر وہی الفاظ دہرائے اور اس کے نتیجے میں لکھو نے پھر بستی والوں سے پوچھا۔ اور بستی والوں نے جواب دیا۔ غالباً تین دفعہ یہ سوال کیا جاتا تھا آخری بار جب بستی والوں نے لکھو کو سوگند کھانے کے اختیارات دیے تو لکھو نے کہا۔

''اب سب خاموش ہو جاؤ...... اور میری دوسری بات سنو تم میں سے کوئی ایسا ہے جو مجھے اس سوگند کھانے سے روکنے چاہتا ہے، تا کہ اس کا فیصلہ ابھی ہو جائے اور بعد میں تم یہ نہ کہو کہ ہم نے زبان بند رکھی تھی۔'' لکھو رام کے اس سوال کے جواب میں ہر سمت خاموشی چھائی رہی۔ لکھو رام نے یہ سوال بھی تین بار کیا۔ اور تینوں بار اسے اس بات کا کوئی جواب نہیں ملا تب اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے تچاال، میں سوگند کھاتا ہوں کہ تیرے پیچھے ہم تیرے خلاف کوئی سازش نہیں کریں گے اور جب تک تُو واپس نہیں آ جاتا۔ ہم تیری سرداری کی حفاظت کریں گے۔''

''تو پھر میں بھی سوگند کھاتا ہوں کہ اگر ناگ رانی کو نہ پکڑ سکا تو سر یلی سے شادی کا خیال دل سے نکال دوں گا اور وہ جس کے ساتھ چاہے شادی کر سکتی ہے۔ یہ سوگند کھا کر میں پابند ہو گیا ہوں اس بات کا کہ ناگ رانی کو پکڑ کر لاؤں یا ناکامی کا اعلان کر دوں۔''

''ٹھیک ہے۔ ہمیں تجھ پر وشواش ہے۔ تچاال اب تُو آرام سے اپنے کام پر جا۔''

تچاال نے اپنی بینگی اٹھا کر کاندھوں پر رکھی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا، اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ناگ دیوتا کے مجسمے کی حد سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد اس نے ایک خاص سمت کا رخ کیا۔

گویا اس کے منصوبے کا آغاز ہو چکا تھا اور وہ اپنی اس مہم پر چل پڑا تھا۔ مجھے آرام سے سفر کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ سنگارو میں مجھے ویسے بھی کوئی دقت نہیں ہوتی تھی اور اب اس سفر کے دوران مجھے نئے نئے راستے دیکھنے کو مل رہے تھے۔ وہ لوگ یہ سفر پیدل ہی کرتے رہے۔

غالباً انھوں نے ناگ پور نامی کسی جگہ کا نام لیا گویا وہاں ناگ رانی کے مل جانے کے امکانات ہو سکتے تھے اور ناگ پور تک کا یہ سفر نہایت ہی کٹھن اور دشوار گزار تھا۔ سنگلاخ پہاڑوں وادیوں، دروں اور چٹانوں سے انھیں گزرنا پڑا تھا۔ بے شک سر یلی چالاک تھی اس نے اسے ایک ایسے کام کے لیے بھیج دیا تھا جس میں جگہ جگہ زندگی کے لئے خطرات موجود

تھے۔

لیکن ایک خاص بات یہ تھی کہ اول تو پیدل تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ وہ انہی جنگلوں اور پہاڑوں کے رہنے والے تھے۔ اور یہاں کے سفر سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کے لیے بارہا ایسے خطرناک مراحل سامنے آئے جو مجھے بھی دشوار گزار نظر آئے۔ وہ لوگ انسان کی حیثیت سے ان کٹھن راستوں کو عبور کرنے میں ناکام بھی ہو سکتے تھے، لیکن میں نے دیکھا وہ نہایت چابکدستی سے اپنا سفر طے کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں اور غالباً طویل عرصے کے بعد ان لوگوں کو اپنی منزل پر پہنچنے کا موقع مل سکا۔ میں ان کی گفتگو سنتا رہتا تھا۔

ناگ پور کو تلاش کر رہے تھے وہ اور اس کے راستے دریافت کر رہے تھے۔ اس کے کچھ نشانات بھی تھے اور میں نے بھی ان نشانات کو دیکھا۔ چپٹی زمین تھی اور اس پر کالے پہاڑ، ہاں بڑا حیرت انگیز امتزاج تھا یہ کالی کالی، چٹانیں جسے ہم سنگ غمان کہہ سکتے ہیں۔ بڑے بڑے پہاڑ جو انتہائی سیاہ رنگ کے تھے۔ اور پہاڑوں کی دنیا میں ایک عجیب و غریب رنگ و روپ کے حامل۔ میں نے اس سے پہلے سنگ غمان کے پہاڑ نہیں دیکھے تھے۔

سنگ مرمر کی نسبت وہ اتنے ہی کالے سیاہ تھے کہ دونوں کے مزاج میں مختلف کیفیتوں کا صاف اظہار ہو سکے۔ وہ سنگ غمان کی چٹانوں کے درمیان سے گزرتے رہے۔ کالے رنگ کی وجہ سے یہاں کا ماحول بھی بڑا سوگوار اور خطرناک سا تھا۔ پھر اپنے سفر کا آخری حصہ طے کرنے کے بعد وہ ناگ پور پہنچ گئے یہاں بینگیاں رکھ دی گئیں اور وہ لوگ زمین پر لیے لیٹ گئے۔ غالباً وہ اپنی تھکن دور کر رہے تھے پورا دن اسی انداز میں گزر گیا۔ یہاں زیادہ تپش اور گرمی بھی نہیں تھی بلکہ ماحول پر ایک بوجھل سی کیفیت طاری رہتی تھی۔

کالے پہاڑوں کی وجہ سے یہاں اتنا تاریک ماحول پیدا ہو گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے، اور بلاشبہ یہ ایک حیرت انگیز وادی تھی لیکن میرے لیے نہیں کیونکہ میں رات کی تاریکیوں میں بھی اسی طرح دیکھ سکتا تھا۔ جس طرح دن کی روشنی میں، وہ کافی دیر تک یہاں لیٹے پڑے سستاتے رہے اور اس کے بعد تچاال نے کہا۔

''ناگ پور کا علاقہ شروع ہو گیا ہے ہم لوگوں کو اپنی حفاظت کا بندوبست بھی کرنا چاہیے۔''

''ہاں...... مہاراج میں بھی وہی سوچ رہا تھا۔ منتر پڑھ کر لکیر کھینچ دینا زیادہ اچھا

ہوگا۔"

"تم لوگ منتر پڑھنے بیٹھ جاؤ۔ میں ہوشیار رہتا ہوں۔" تیجال نے کہا۔

چاروں چار کونوں پر بیٹھ گئے وہ نجانے کیا کیا بڑبڑاتے رہے تھے۔ بہت دیر تک یہ کیفیت رہی اور اس کے بعد انھوں نے ایک لکڑی سے اپنے گرد حصار بنایا اور اس کے بیچ بیٹھ گیا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جب آدھی رات کو چاند نکلا اور اس کی مکمل روشنی ان پہاڑوں پر پڑی اور انھیں مکمل طور سے روشن کرنے میں ناکام رہی تو میں نے دیکھا کہ اس علاقے کے مختلف گوشوں میں سانپ منڈلاتے پھر رہے ہیں۔ کالے سیاہ رنگ کے ناگ، چھوٹے بڑے پیلے کوڑیالے ہر قسم کے پہاڑوں اور پتھروں سے چپٹے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ بڑی حیرت ناک بات تھی رات کی تاریکی میں یہ سانپ نجانے کہاں سے باہر نکل آئے تھے۔ آہستہ آہستہ سانپ ان کی جانب بھی بڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سب کو سنبھل کر بیٹھتے ہوئے دیکھا لیکن میں نے دیکھا کہ آنے والے سانپ اس حصار سے اندر نہیں آ رہے تھے۔ جو انھوں نے قائم کیا تھا۔

بہر طور انسان نے جینے کے لیے تھوڑا بہت انتظام تو کیا ہی ہے۔ میں ان لوگوں کا کیا ہوا انتظام دیکھ رہا تھا جو مجھے خاصا دلچسپ لگ رہا تھا۔ چاند آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کرتا رہا اور اس کے بعد غروب ہو گیا ایک بار پھر فضا میں تاریکی ہی تاریکی پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

دوسری صبح میں نے ان لوگوں کو وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ کالے پہاڑوں کی ایک گھاٹی سے اتر رہے تھے گھاٹی میں لاتعداد سانپوں کے سوراخ نظر آ رہے تھے۔ جگہ جگہ بل بنے ہوئے تھے اور بعض جگہ سانپ باہر گھومتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ رات کی تاریکی میں اتنے سارے سانپ کہاں سے نکل آئے تھے۔ زمین پر سانپوں کی لکیریں ہی لکیریں پھیلی ہوئی تھیں۔

بلاشبہ یہ ناگ پور تھا۔ ناگوں کی وادی جو ایک روایتی حیثیت رکھتی تھی۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق ناگ رانی کو یہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ اپنے جنتر منتر پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ بین بھی ان کے پاس موجود تھی لیکن یہاں انھوں نے بین بجانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ اگر یہاں وہ بین بجاتے تو ہزاروں کی تعداد میں سانپ آ کر ان کے جسموں سے چمٹ کر رہ جاتے اور یہ ایک خطرناک قدم ہوتا۔

دوپہر سر سے گزر گئی۔ شام کے سائے اترنے لگے۔ اور تیجال مارا مارا پھرتا رہا۔ پھر رات ہو گئی اور ان لوگوں نے آرام کے لیے ایک جگہ منتخب کر لی۔ ویسا ہی حصار بنایا گیا اور وہ لوگ اس میں وقت گزارنے لگے۔ اس کے بعد تقریباً چھ یا سات دن تک وہ اسی طرح دن اور رات گزارتے رہے۔ ناگ رانی کی تلاش میں وہ زمین پر نشانیاں دیکھتے پھر رہے تھے۔ پھر میں نے تیجال کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

"دیوتاؤں کی سوگند ناگ رانی یہیں اسی علاقے میں موجود ہے۔ یہ زمین کا دوسرا پرت ہے۔ یہیں ناگ رانی کا نشیمن ہے اور میرے بھائیو ناگ رانی یہیں ہے۔ میرے بھائیو ناگ رانی ہمیں یہیں ملے گی۔"

"لیکن سردار یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اپنے جیون بھر کے تجربے کی بنا پر۔"

"اگر اتنا آسان ہوتا ناگ رانی کا مل جانا تو کیا دوسرے کوشش نہ کرتے؟"

"پاگل ہو تم لوگ، کیا تمھیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ ہم اب تک ناگوں سے کیوں بچ رہے ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"شیش ناگ ہمارے ساتھ ہے ورنہ اس علاقے میں کسی کا اتنی دور تک اندر آ جانا ناممکن ہے۔"

"تیجال کی جے۔ یہ بات تو ہمارے من سے نکل ہی گئی تھی۔"

"تو پھر اب ہم اپنے دوسرے کام کا آغاز کرتے ہیں۔"

"کیا کرو گے مہاراج؟"

"میں منتر پڑھتا ہوں اور اس کے بعد شیش ناگ مہاراج سے بات چیت کرتا ہوں۔"

وہ طرح طرح کے سوانگ رچا رہے تھے۔ ایک خاص قسم کی گھاس کے پتے نکال کر چاروں طرف پھیلائے گئے۔ بیچ میں جگہ رکھی گئی۔ پھر ایک سفوف سلگایا گیا اور تھوڑی سی آگ سلگائی گئی۔ تیجال پالتی مار کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں اپنا منتر پڑھتا رہا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس بدبخت کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اصل میں اس کے سامنے شیش ناگ ہے ہی نہیں۔ یہ تو ایک ایسا عمل تھا جو مجھ پر ہو گیا تھا اور میں سانپ کی صورت نظر آنے لگا تھا۔

اب میری شکل و صورت کو دیکھ کر مجھے شیش ناگ سمجھ لیتے یا اور کچھ اس کے لیے میں کیا کر سکتا تھا۔

تیجال نے بہت دیر تک اپنا یہ منتر جاری رکھا اس دوران وہ خوشبودار سفوف نما چیز اٹھا اٹھا کر اس جلتی ہوئی آگ میں ڈالتا جا رہا تھا۔ اس ہولناک وادی میں یہ عمل انسانی نگاہوں کے سامنے آتا تو یقیناً اسے دیکھنے والے خوفزدہ ہو جاتے اور یہ سب کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ بہرحال یہ عمل نجانے کب تک جاری رہا اس کے بعد تیجال اپنی جگہ سے اٹھا اور سنگارو کے سامنے آ بیٹھا اس نے کہا۔

"ہے۔ شیش ناگ مہاراج! میرا اور آپ کا تن من کا سنگم ہو چکا ہے۔ اور اب نہ آپ

مجھے دھوکا دیں گے اور نہ میں آپ کو، ناگ رانی مل جائے تو آپ کی بھی جوڑی بن جائے اور اس کے نتیجے میں مجھے بھی گردن اٹھا کر جینے کا موقع ملے۔ شیش ناگ مہاراج مجھ سے دور نہ ہونا میں تمھیں ناگ رانی کی تلاش کے لیے کشٹ دینا چاہتا ہوں۔"

میں خاموشی سے پھن پھیلائے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک بوتل سے دودھ نکالا اور اسے ایک پیالے میں بھر کر کوئی چیز اس میں ڈالی اور میرے سامنے رکھ دیا۔ میں خاموشی سے اس دودھ کو دیکھتا رہا حالانکہ اگر میں چاہتا تو سنگارو سے گردن نکال کر دودھ پی سکتا تھا لیکن میں نے دودھ نہ پیا وہ بہت دیر تک انتظار کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

"ناگ راج نے ابھی میری آرزو پوری نہیں کی دوستو! ابھی ناگ راج کے لیے اور منتر پڑھنا پڑیں گے۔"

غالباً اس کا خیال تھا کہ دودھ پی لینے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کی بات سے متفق ہو چکا ہوں اسے بیوقوف بنانے کے لیے میں یہ دودھ پی بھی سکتا تھا لیکن نجانے کیوں میرا دل اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ اس سے پہلے جو کچھ میں نے کیا تھا اس کا نتیجہ بھگت رہا تھا اب نجانے اس گندی شے میں کیا کچھ شامل ہو۔ کم بخت پدم چندری، اب میں اسے برا کہنے میں اپنی زبان کو لڑکھڑاتے نہیں محسوس کرتا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لیے اب وہ میرا گرو نہیں رہ سکتا۔

تو میں سوچ رہا تھا کہ اگر کم بخت پدم چندری مجھے اپنے گیان میں سے کچھ حصہ دے دیتا تو شاید میرے اندر یہ شکتی بھی پیدا ہو جاتی کہ میں اس قسم کے معاملات کو سمجھتا اب کیا کرنا چاہیے۔

اس نے اپنا منتر جاری رکھا چاروں ساتھیوں کے چہروں پر بھی تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس سے عہد و پیمان کرنے کے بعد جب میں باہر نکلا تو اسے دغا دے کر کہیں گم نہ ہو جاؤں بلکہ اس کے چوکیدار کی حیثیت سے اس کے لیے ناگ رانی کو تلاش کروں۔ بہرحال یہ کام کیا جا سکتا تھا لیکن دودھ پینا میرے لیے ایک مشکل مرحلہ تھا پتا نہیں۔ اس کے کیا اثرات مرتب ہوں۔ ہو سکتا ہے میں واقعی اس کی غلامی میں آ ہی جاؤں اور یہ میں نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے اس کا علم نہیں تھا غرضیکہ وقت گزرتا رہا اور اپنا منتر جاری کیے رہا۔ آج چاند کچھ زیادہ ہی چمک دار تھا۔ اور اول رات میں ہی نکل آیا تھا روشنی پھیل گئی تھی۔

پھر میں نے وہ منظر دیکھا جوان لوگوں نے بھی دیکھا۔ سانپوں کا ایک بہت بڑا غول برآمد ہوا تھا جو برابر برابر چل رہا تھا اور اس کی رفتار کافی تیز تھی اور پھر ان سانپوں کی پشت پر میں نے ایک سفید سانپ کو سوار دیکھا۔ وہ اتنی تیزی سے ہمارے سامنے سے گزرے تھے کہ ہماری آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی تھی۔ تیجال کے حلق سے سحر زدہ آواز نکلی۔

''ناگ رانی...... ناگ رانی۔''

درحقیقت وہ ناگ رانی ہی تھی...... سانپوں کی پشت پر اس طرح سوار جیسے کوئی بہت بڑی شخصیت لوگوں کے ساتھ جارہی ہو۔ پھر ان کی رفتار ہی اتنی تیز تھی کہ ہم لوگ انھیں دیکھتے ہی رہ گئے وہ تیزی سے ہمارے سامنے سے گزر گئے تھے۔ اور تیجال سحر زدہ رہ گیا تھا اس نے خوشی بھری آواز میں کہا۔

''ہے۔ بھگوان، ہے بھگوان، وہ ناگ رانی ہی ہے یہ ناگ رانی ہی کا علاقہ ہے ہماری منو کامنا پوری ہوگئی ہے۔ شیش ناگ مہاراج اپنی پریمیکا کو بھی دیکھ کر تمھارے من میں کوئی بات نہیں جاگتی۔ مجھ سے باتیں کرو۔ میری آنکھوں میں دیکھو مجھے وشواس دلاؤ کہ تم میرے ساتھ اچھا سلوک کرو گے۔''

اس وقت میرے دل میں نجانے کیوں یہ خیال آیا کہ میں ذہنی طور پر اس سے ہم کلام ہو جاؤں۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہ دونوں گھٹنے موڑے ہوئے میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''میں تمھیں سنگارو...... سے نکال دوں گا۔ شیش ناگ مہاراج اور اس کے بعد تم ناگ رانی کے پاس پہنچ جانا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو کہ یہاں ناگ رانی موجود ہے۔ مہاراج پریمی کو پریمیکا مل جائے اس سے بڑا کام اور کیا ہوسکتا ہے۔ میرا کام کردو...... بھگونت میں جیون بھر تمھاری سیوا کرتا رہوں گا۔''

تب میں نے ذہنی طور پر اس سے کہا۔ ''اگر تو میری آواز سن رہا ہے تیجال تو ٹھیک ہے مجھے کھول دے۔'' میں سنگارو سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔

تیجال نے جیسے میرے الفاظ سن لیے وہ خوشی سے اچھل پڑا اور مسرت بھرے لہجے میں اپنے دوستوں سے بولا۔

''شاید ہماری منو کامنا پوری ہوگئی ہے۔ ناگ مہاراج باہر نکلنا چاہتے ہیں میں نے

ان کی آواز اپنے من میں سنی ہے۔ میرا خیال ہے شیش ناگ مہاراج کو کھول دیا جائے۔ تم نے ابھی دیکھا کہ سفید ناگن بجلی کی طرح تڑپ کر یہاں سے نکلی ہے۔ وہ کہیں بھی ہوگی شیش ناگ مہاراج کی خوشبو سونگھ کر ان کے پاس پہنچ جائے گی ہم ان کا پیچھا کریں گے۔''

''ٹھیک ٹھیک ہے مہاراج...... آپ دیکھ لیجیے۔ جس طرح آپ کا من شانت ہو۔''

''میں یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے کہا وہ چاروں اس کے ساتھی اتنی ہمت نہیں کرسکے تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

''آپ جو کچھ بھی مناسب سمجھیں کریں ہم ذرا سا ہٹ جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ جاؤ لیکن میں نے ناگ مہاراج کی آواز صاف طور سے سنی ہے۔'' وہ چاروں ہٹ کر دور چلے گئے۔

تیجال میرے سامنے موجود تھا میں سنگارو سے باہر نکلنے کے لیے بے چین تھا۔ تیجال نے سنگارو کھول دیا۔ میں آہستہ آہستہ باہر نکلا اور پھر کنڈلی مار کر تیجال کے سامنے کھڑا ہو گیا تیجال خاموشی سے مجھے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

''مہاراج، ناگ رانی آپ کی پریمیکا موجود ہے وہ یہیں کہیں ہوگی آپ اسے تلاش کر لیجیے گا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک ہی میری نگاہیں آسمان کی جانب اٹھ گئی تھیں۔ آسمان کے بیچوں بیچ پورا چاند نکلا ہوا تھا اور یہ روشنی اس کی ہی پھیلی ہوئی تھی۔ جو زمین کو منور کر رہی تھی۔ چاندنی رات پورا چاند، آہ۔ پورا چاند یہ پورن ماشی کی رات تھی اور میرے اندر سرسراہٹیں بیدار ہوتی جارہی تھیں اور یہ سرسراہٹیں مجھ پر ایک نشہ آور کیفیت طاری کر رہی تھیں۔ سنگارو سے نکلنے کے بعد میں نے زمین اور آسمان کے درمیان پھیلی ہوئی ہواؤں کا لطف لیا تھا اور میرے ذہن میں جو سرسراہٹیں ہو رہی تھیں وہ میری طلب تھیں۔

وہ طلب جو کم بخت پدم چندری نے میرے اندر پیدا کر دی تھی۔ اور اس کے لیے بھلا تیجال سے اچھا اور کون ہوسکتا تھا۔ میں نے پھن نیچے ڈالا، اور تیجال کے گرد ایک چکر لگانے کے بعد ایک طرف اس طرح رخ کیا جیسے تیجال یہ سوچ رہا ہو کہ میں ناگ رانی کی تلاش میں جارہا ہوں۔ وہ خوشی سے مسکرایا، اور بولا۔

''مہاراج ناگ رانی کو لے کر یہیں آجایئے۔ یہ دوسرا سنگارو اس کے لیے ہے اور

میں وعدہ کرتا ہوں، آپ سے کہ آپ دونوں کے لیے ایک ہی سنگاروبناؤں گا تاکہ آپ کی جوڑی اس میں سلامت رہے۔"

دفعتاً میں پلٹا اور پلٹنے کے بعد تیجاپال پر حملہ آور ہوگیا میں نے اپنے لمبے لچکیلے مضبوط بدن سے سب سے پہلے اس کے پاؤں جکڑے اور تیجاپال کے حلق سے ایک وحشت ناک چیخ نکل گئی۔ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہے۔ بھگوان ہے۔ شیش بھگونت، یہ کیا ہے......؟"

لیکن یہ جو کچھ بھی تھا اس کی سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی۔ میں نے اپنے پورے بدن کو اس کے گرد لپیٹنا شروع کردیا میرا جسم اتنا لمبا اور لچک دار تھا کہ میں نے اسے بآسانی اپنے آپ میں جکڑ لیا تھا۔ تیجاپال کے حلق سے وحشت ناک چیخیں نکل رہی تھیں۔ اور اس کی گردن کی رگیں پھول گئی تھیں۔ بھلا میرے لئے اس سے زیادہ دلکش منظر اور کون سا ہوسکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی شہ رگ پر اپنے دانت گاڑ دیے اور اس کا خون میرے شریر میں اترنے لگا۔ مجھے ان چاروں کے بارے میں نہیں معلوم تھا جو دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے لیکن اتنا اندازہ میں نے تھوڑی ہی دیر کے بعد لگا لیا تھا کہ ان میں سے کسی نے میرے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں تیجا کا خون اپنے جسم میں منتقل کرتا گیا اور اس کے جسم پر سفیدی دوڑتی رہی۔ وہ اس طرح میرے حلقے میں جکڑا ہوا تھا کہ جنبش بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اپنا چہرہ بھی ادھر ادھر نہیں کرسکتا تھا اور مجھے زندگی کا لطف آرہا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے تیجاپال کا سارا خون اپنے جسم میں نچوڑ لیا۔

تنومند اور طاقت ور تیجاپال کے خون نے میرے وجود میں ایک فرحت انگیز کیفیت پیدا کردی تھی۔ یہ تجربہ بھی میرے لیے نیا تھا۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ جس طرح پدم چندی نے میری جون بدل دی ہے اور مجھے انسان سے سانپ بنا دیا ہے اسی سے میری فطرت بھی تبدیل ہوجائے گی۔ ممکن ہے میرے اندر خون کی طلب بھی باقی نہ رہے لیکن پورا چاند آج بھی میرے دل میں وہی اشتہا جگانے کا باعث بنا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پدم چندی میری اس عادت میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکا تھا۔

میں تیجاپال کی لاش کے پاس سے ہٹ گیا اور کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چل پڑا جہاں

میں آرام کرسکوں۔ ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں میں آرام کرسکتا تھا۔

میں اپنی جگہ سے باہر نکل آیا۔ تب مجھے رات کے واقعات یاد آئے تیجاپال بیراجو ناگ بستی کا راجہ بن چکا تھا اور ناگ رانی کی تلاش میں نکلا۔ رات کو میری طلب کا شکار ہوگیا تھا۔ دیکھوں تو سہی، وہ کہاں ہے۔ بچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جس کے بدن سے سارا خون نکال لیا جائے۔ اس کے بچنے کا کیا موقع ہوسکتا ہے۔ مجھے وہ چاروں آدمی بھی یاد آئے۔ جو تیجاپال کے ساتھ آئے ہوئے تھے تھوڑی ہی دور نکلنے کے بعد میں نے پھن اٹھا کر تیجاپال کو دیکھا۔ اس کی لاش اس طرح پڑی ہوئی تھی وہ مرچکا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو۔ تیجاپال واپس نہیں پہنچے گا تو سریلی مادھو کی ملکیت قرار پائے گی۔ مگر وہ چاروں کہاں گئے۔ میں نے اس طرف دیکھا جہاں وہ چاروں ہٹ کر بیٹھ گئے تھے۔ اب وہاں دور دور تک ان کا پتہ نہیں تھا۔ ایک بلند و بالا پہاڑ پر چڑھنے کے بعد میں نے اس کی چوٹی پر پہنچ کر دور تک نگاہیں دوڑائیں۔ میری نگاہیں اچھا خاصا تیز کام کرتی تھیں۔

وہ چاروں کے چاروں بہت دور نکل گئے تھے۔ انھوں نے تیجاپال کی لاش بھی اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یقینی طور پر وہ قبیلے کی جانب چلے گئے ہوں گے۔ اب اس وقت یہ ہی بہتر تھا کہ وہ اپنے قبیلے میں جانے کے بعد وہاں موجود لوگوں کو یہ اطلاع دیں کہ تیجاپال اب اس سنسار میں نہیں ہے۔

اس کے بعد ظاہر ہے گھوراج کو دوبارہ سردار بنادیا جائے گا۔

مادھو کو سریلی مل جائے گی اور کھیل ختم ہوجائے گا۔

سنسار میں ایسے بہت سے کھیل بکھرے ہوئے ہیں۔ میں کوئی ہر ایک کھیل سے دلچسپی لینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تو اپنی ہی مصیبت کا شکار ہوں۔ کوئی ایسا ذریعہ ملنا چاہیے مجھے جس سے میری یہ مشکل دور ہو۔ کیا ایسا کوئی ذریعہ ہے۔ میں اپنے طور پر سوچتا رہا اور اس کے بعد میں نے وہاں سے آگے کا سفر اختیار کیا۔ کیا فائدہ تھا۔ یہاں رکنے سے۔ مجھے ناگ رانی سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی اور ویسے بھی یہ سانپوں کا علاقہ تھا۔

میں حالانکہ خود بھی سانپ کی شکل میں تھا لیکن میں ان لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں چاہتا تھا۔ بہرحال میں نے ایک سمت اختیار کی اور رینگتا ہوا ایک جانب چل پڑا۔

شام تک میں نجانے کتنا سفر طے کر چکا تھا۔ اس کا اندازہ اب سانپ کی شکل میں سفر کرتے ہوئے ممکن نہیں تھا لیکن بہر طور اتنا اندازہ میں نے ضرور لگا لیا تھا کہ اب وہ کالی پہاڑیاں بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ جس کا اندازہ بالکل عجیب تھا۔

رات میں نے آرام کرنے کی سوچی۔ اب چونکہ میرے جسم میں تازہ خون اتر چکا تھا۔ اس لیے میری چوکسی ہر طرح سے بحال تھی پھر بھی میں نے رات کو سفر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ جب تک آرام کرنے کو جی چاہا آرام کرتا رہا۔ میرا کیا تھا میں نے کوئی انسانوں کی مانند تو سفر کرنا نہیں ہے اور میرا یہ آرام آدھی رات تک جاری رہا۔ آج چودھویں کا چاند تھا۔ چاندنی اچھی خاصی بکھری ہوئی تھی۔

چاند کی گول تھالی میں کوئی خاص کمی نہیں آئی تھی۔ اور وہ ان پہاڑوں میں اپنی رونق زیادہ بہتر طریقوں سے بکھیر رہا تھا۔ آدھی رات کے بعد میں نے اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔ اور پھر صبح ہو پھٹنے تک میں رینگتا رہا۔ اب میں ایک سرسبز و شاداب میدان سے گزر رہا تھا۔ چاروں طرف درخت نظر آ رہے تھے ان کے سامنے گھاس بکھری ہوئی تھی لیکن اتنا اندازہ ہو چکا تھا مجھے کہ یہ انسانوں کی نگاہوں سے دور کا علاقہ ہے۔ اور آس پاس کوئی آبادی نہیں ہو سکتی شاید یہ میری فطرت کا ایک حصہ تھا کیونکہ میں بھی انسان تھا کہ میں آبادی کے آس پاس ہی رہنا پسند کرتا تھا۔ حالانکہ اس وقت آبادی میں میرے لیے جو خطرہ تھا اس کے بارے میں میں اچھی طرح جانتا تھا لیکن ممکن ہے پھر کوئی ایسی ہستی جیسے رحیم اللہ صاحب ملے تھے۔ میری مدد کی ضرورت مند ہو۔

ہو سکتا ہے۔ میں کسی کے کام آ سکوں...... اب تو دل میں یہی جذبہ تھا کہ جو کچھ بھی ہے انسان انسان کے کام آتا ہے اگر کسی کے لیے کچھ کر سکوں تو بہت اچھا ہو گا۔ اس لیے آبادی کی تلاش ضروری ہے۔

بہر حال آدھی رات سے شروع ہونے والے اس سفر کا اختتام ایک ایسی جگہ ہوا جہاں پھول کھلے ہوئے تھے، ہوا میں بھینی بھینی مہک رچی ہوئی تھی۔ صبح کے آغاز کے ساتھ ہی ٹھنڈی ہواؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ماحول پر ایک فرحت بخش کیفیت طاری تھی۔ سورج ابھی نکل رہا تھا اور اس کی نرم نرم دھوپ آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی تھی۔

میں بہت دیر تک اپنی جگہ پڑا رہا۔ اور اس کے بعد دوبارہ میں نے سفر کا آغاز کر دیا۔

یہ سفر سورج کے چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ جاری رہا اور پھر سورج کا اتار بھی شروع ہو گیا۔ اس وقت شام جھکنے لگی تھی۔ جب میں ایک بہت ہی خوبصورت جھیل کے کنارے پہنچ گیا۔ درختوں میں گھری ہوئی اس جھیل کا منظر بے حد حسین تھا۔ میں اس کے کنارے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ یہاں بھی انسان نہیں تھے لیکن میرا یہ خیال ایک لمحے میں ہی غلط ثابت ہو گیا۔ مجھے ہلکی ہلکی گنگناہٹ کی آواز سنائی دی تھی۔ نسوانی آواز میں کوئی گنگنا رہا تھا۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کا مقصد ہے کہ آبادی زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ انسانوں کے بارے میں مجھے اندازہ تھا کہ وہ اپنی آبادیوں کو چھوڑ کر جھیل وغیرہ پر نہانے کے لیے آتے ہیں ممکن ہے کوئی لڑکی جھیل کی جانب آ رہی ہو۔ اور میرا یہ اندازہ درست ہی نکلا۔

ایک معمولی سی ساڑھی میں ملبوس وہ لڑکی حسن و جمال کا پیکر تھی۔ سرخ سفید رنگت، گہرے سیاہ بال، ابھرا ابھرا جسم، میرا ذہن نسوانی دلکشی سے دور نہیں تھا اور میرے اپنے دل میں بھی حسن و جمال کے لیے جوار بھاٹے ابھرتے تھے لیکن اس وقت میں جس شکل میں تھا۔ اسے دیکھ کر وہ چیخیں تو مار سکتی تھیں۔ اس کی جانب محبت بھری نگاہوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ پھر اس کے بعد کے مناظر جو میں نے دیکھے وہ بھی میرے لیے خاصی مشکل کا باعث تھے۔

لڑکی غالباً جھیل میں نہانے کے لیے آئی تھی۔ اور یہاں آس پاس اسے کسی کی موجودگی کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ لباس سے بے نیاز ہو کر جھیل میں اتر گئی اور میری آنکھیں اس کا طواف کرتی رہیں۔ وہ جل کی مچھلی کی طرح اٹھکیلیاں کرتی رہی۔ غالباً اس جھیل سے اسے پوری طرح واقفیت حاصل تھی، لیکن یہ بھی تعجب کی بات تھی کہ اس کے علاوہ جھیل کی جانب اور کوئی نہیں آیا تھا۔ حالانکہ آبادی اگر یہاں آس پاس موجود ہے تو دوسرے لوگوں کو بھی یہاں پہنچنا چاہیے تھا لیکن ایسی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔

کافی دیر تک وہ اسی طرح جھیل میں نہاتی رہی پھر گنگناتی ہوئی جھیل سے باہر نکلی اور اپنا لباس پہننے لگی بہر حال مجھے ان ساری باتوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ میں اس کا تعاقب کر کے آبادی تک پہنچنا چاہتا تھا اور یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ نہ لے۔ چنانچہ میں گھاس میں چھپتا چھپاتا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ پھولوں کی ایک چھڑی ہاتھ میں لیے اسے گھماتی گنگناتی جا رہی تھی۔

میں سفر کرتا رہا۔ اور پھر لڑکی نے مجھے دیکھ لیا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے

پیچھے سرسراہٹ سی ابھرتی رہی ہے۔ مجھے دیکھنے کے بعد اس پر جو کیفیت طاری ہونی چاہیے تھی وہی ہوا۔ اس نے چیخ ماری اور دوڑنا شروع کر دیا۔

اور مجھے بھی رفتار بڑھانی پڑی لیکن میں اس سے اتنا فاصلہ رکھنا چاہتا تھا کہ کہیں اسے یہ خوف نہ محسوس ہو کہ میں اسے ڈس ہی لوں گا۔ اب اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ میں سانپ نہیں ہوں!

یہ بھاگ دوڑ جاری رہی اور اس کے بعد ایک چڑھائی آ گئی۔ چڑھائی پر میں نے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے چنی ہوئی ایک کٹیا دیکھی تھی اور اس کٹیا میں اس کے اہل خاندان بھی ہوں گے۔ میں نے ایک درخت کو تاکا۔ غالباً املی کا درخت تھا۔ میں اس کی آڑ میں جا کر بیٹھ گیا لڑکی اندر چلی گئی تھی بھاگتے بھاگتے اس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ بہر حال اب یہاں سے انسانی آبادی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ پتا نہیں اس کٹیا میں اس کے علاوہ اور کون ہے اور اگر کوئی ہے اور لڑکی نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ اور میرے بارے میں اس کو بتا دیا ہے تو یقینی طور پر میری تلاش شروع ہو جائے گی اور میرا اندازہ درست نکلا۔

ایک دبلے پتلے بدن کا سادھو سفید داڑھی، سفید بال اور سفید ہی لباس میں ملبوس اس پہاڑی سے نیچے اترتا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا سوٹا تھا۔ جو کالے رنگ کی کسی لکڑی کا بنا ہوا تھا اور سانپ ہی کی طرح بل کھایا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ بہت بوڑھا اور کمزور آدمی تھا۔ آہستہ آہستہ نیچے اترتا رہا اور اس کے بعد وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی اوپر ہی موجود تھی۔ اس نے وہیں سے کہا۔

''ہاں...... یہیں تک وہ میرے ساتھ آیا تھا۔ بھگوان کی سوگند مہاراج میں بالکل جھوٹ نہیں بول رہی وہ ایک کالا ناگ تھا بڑا لمبا چوڑا۔ میں نے اسے اچھی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''اری تو نیچے تو آ۔''

''نہیں مہاراج مجھے ناگ سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

''نہ بیٹا نہ وہ کاٹے گا نہیں تجھے۔ تو نیچے تو آ۔''

''مہاراج میں نہیں آؤں گی۔''

''ارے باؤلی۔ بیٹا میری بات بھی نہیں مانے گی، میں ناگ دیوتا سے کہوں گا کہ اگر

کاٹنا ہے تو مجھے کاٹ لو۔ میرے بیٹا کو نہ کاٹنا اور وہ میری بات مان لیں گے۔'' بوڑھے نے پیار سے کہا اور لڑکی آہستہ آہستہ آدھی بلندی طے کر کے آ گئی اور پھر ایک جگہ کھڑی ہو گئی۔

''تم دیکھو تو سہی۔ بابا وہ یہاں ہے یا نہیں۔'' اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''اچھا میں دیکھتا ہوں۔''

وہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ املی کے درخت کے نزدیک بھی آیا لیکن میں اس کے عقب میں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بوڑھا مجھے تلاش کرتا رہا پھر لڑکی سے بولا۔

''ارے پرتی بیٹا تو بڑی ڈرپوک ہو گئی ہے آ تلاش تو کر، مجھے تو کچھ نظر نہیں آ رہا۔''

''بابا مجھے نیچے آتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔''

''ارے میں جو ہوں، وہ میری بات مان لے گا، میں کہوں گا۔ بھیا، اگر کاٹنا ہی ہے تو مجھ بوڑھے کو کاٹ لے میرے بیٹے کو نہ کاٹ۔ تو آ تو جا نیچے تلاش کرتے ہیں مل کر اسے۔''

وہ ڈرے ڈرے انداز میں نیچے اتر آئی۔ میں چند لمحات تو کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد بالآخر میں نے ان کے سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا۔

املی کے درخت کے پیچھے سے میں آہستہ آہستہ نکلا اور میں نے لڑکی کی چیخ سنی۔

''وہ...... مہاراج...... وہ۔''

لیکن بوڑھا مجھ سے زیادہ قریب تھا اس نے مجھے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا اور میں نے اپنا چوڑا پھن پھیلا لیا تھا بوڑھے نے ایک ہاتھ سے پیچھے اشارہ کیا۔ شاید وہ لڑکی کو وہیں رک جانے کے لیے کہہ رہا تھا لڑکی پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اور بوڑھا عجیب سی نظروں سے۔

بہت دیر تک مجھے دیکھتا رہا اور پھر وہ میرے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک بالکل خاموشی طاری رہی تھی۔ پھر بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔

''ہم بہت معمولی سے آدمی ہیں۔ مہاراج۔ کچھ نہیں جانتے اس سنسار کے بارے میں پر بھگوان نے تھوڑا سا گیان دیا ہے ہمیں...... ہمارا گیان یہ بتاتا ہے کہ تم وہ نہیں ہو...... جو نظر آ رہے ہو۔ کیا ہمیں یہ بتاؤ گے، بھگوان کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟''

اس نے کچھ دیر انتظار کیا، لیکن وہ مجھ سے نگاہیں نہیں ملا رہا تھا اگر وہ ایسا کرتا تو میں

اسے بتانے کی کوشش کرتا کہ میں کس مشکل کا شکار ہوں اس نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور مجھ سے بے نیاز ہو کر زمین پر تنکے سے لکیریں کھینچنے لگا۔ کچھ دیر تک وہ لکیریں بناتا رہا اور اس کے بعد اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر لڑکی کی طرف اور پھر آہستہ سے بولا۔

"پریتی قریب آ جا۔"

"میں نہیں آؤں گی بابا جی۔"

"آ جا بیٹا جب میں کہہ رہا ہوں تو آ جا۔ تجھے میرے اوپر وشواس نہیں ہے؟"

"وشواس تو ہے۔"

"تو پھر آتی کیوں نہیں۔"

"ہم...... مجھے ڈر لگتا ہے کہیں ناگ مہاراج مجھے نقصان نہ پہنچا دیں۔"

"بیٹا سنسار کے بھید بھگوان ہی جانتا ہے لیکن تھوڑا بہت گیان اس نے اپنے بندوں کو بھی دیا ہے اگر میرا گیان مجھے دھوکا نہیں دے رہا تو یہ ناگ نہیں ہے۔ پریتی یہ منش ہے۔"

"کک...... کیا...... اچھادھاری؟" اس نے سوال کیا۔

"نہ ری نہ...... وہ تو ناگ ہی ہوتا ہے اور اچھادھاری ناگ ہزار سال کے بعد منش کا روپ دھارن کر لیتا ہے۔ پر یہ ناگ نہیں ہے، یہ منش ہے جادو کا مارا اگر میرا گیان مجھے دھوکا نہیں دے رہا تو یہ جادو کا مارا کوئی منش ہی ہے۔ دیکھ نہیں رہی کہ اس نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا تُو آ جا۔"

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی، اور بوڑھے کے پیچھے جا کھڑی ہوئی بوڑھا مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"دیکھو مہاراج یہاں دور دور تک میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں ہے میرا نام شمبھو ناتھ ہے اور یہ پریتی ہے۔ ہم دونوں تمہاری سہائتا کرنا چاہتے ہیں۔ تم یوں کرو اپنی جگہ سے ہٹ کر اس پیڑ کے نیچے جا بیٹھو۔ ہم سمجھ جائیں گے، کہ تم ہماری سہائتا چاہتے ہو۔ پھر میں کوشش کروں گا کہ تمہارے لیے کچھ کر سکوں۔"

میں نے اس کے یہ الفاظ سنے اس بات سے ہی متاثر ہوا تھا کہ اس نے میرے بارے میں یہ جان لیا تھا کہ میں سانپ نہیں انسان ہوں۔ یہ بھی کہا تھا اس نے کہ میں جادو کا مارا ہوں۔ اپنی مدد کی پیش کش بھی کی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ بوڑھا کچھ علم رکھتا ہے اس نے

جس درخت کی جانب اشارہ کیا تھا۔ وہ بس یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنا پھن پھیلایا اور رینگتا ہوا اس درخت کے نیچے جا پہنچا۔ وہاں میں دوبارہ کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ بوڑھے کے ہونٹوں پر ایک نرم مسکراہٹ پھیل گئی اس نے فخریہ نگاہوں سے لڑکی کی جانب دیکھا اور بولا۔ "تُو نے میرے شبد سنے تھے پریتی!"

"ہاں...... بابا۔"

"اور تُو نے دیکھا کہ وہ اس جگہ جا کر بیٹھ گیا؟"

"بابا تم مہان ہو مگر...... مگر یہ کیسی انوکھی بات ہے میں نے یہ تو سنا تھا بڑے بوڑھوں سے کہ اچھادھاری سانپ اپنی جون بدل لیتا ہے لیکن یہ نہیں سنا تھا کہ منش سانپ کے روپ میں آ سکتا ہے یہ سب کیا ہے؟"

"میں نے بھی تو یہی کہا تھا کہ یہ جادو کا مارا ہے۔ تو میری بات ٹھیک ہی نکلی ناں؟"

"ہم...... مگر بابا جی کیا جادو سے منش کو سانپ بنایا جا سکتا ہے؟"

"ارے بھگوان نے سنسار میں شیطان کو بڑی شکتی دی ہے وہ ایسے بہت سے کام جانتا ہے جو عام لوگ نہیں کر سکتے۔ اور اس سے بچنا ہی تو منش کا کام ہے جو اچھے ہیں وہ اس سے بچ جاتے ہیں اور جو برے ہیں وہ یہ شکتی حاصل کر کے دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اس بے چارے کو کسی نے کوئی تکلیف پہنچائی ہے۔ اب زیادہ گیان تو ہے نہیں میرے پاس کہ میں ساری حقیقتیں معلوم کروں لیکن اتنا میرا گیان ضرور بتاتا ہے کہ اسے کسی نے جادو کر کے سانپ بنا دیا ہے۔"

"تو پھر کیا یہ منش بن سکتا ہے؟"

"ہاں بھگوان نے چاہا تو میں کوئی اپائے نکال لوں گا۔ اس کے لیے۔"

"یہ تو بڑا اچھا ہوگا بابا جی۔ اگر یہ کوئی منش ہے جسے کسی جادوگر نے تکلیف پہنچائی ہے تو پھر ہو سکتا ہے یہ ہمارے ساتھ ہی رہنے لگے۔ ہمارے کام آئے۔ ہم دو سے تین ہو جائیں گے بابا جی۔"

بوڑھے نے بڑی محبت سے لڑکی کو دیکھا۔ اور آہستہ سے بولا۔

"تیرے من میں یہ بہت دیر سے ہے کہ یہاں ہم دو کے علاوہ تیسرا بھی کوئی ہو؟"

"ہاں بابا جی۔"

''جانتا ہوں ری۔ ظاہر ہے انسان کی بچی ہے انسانوں کے بیچ رہنا چاہتی ہے۔ پر میں کیا کروں تیری بھاگ لیکھا ہی ایسی ہے۔''

لڑکی کچھ اداس سی ہو گئی۔ میں ان کی گفتگو سن رہا تھا پھر وہ بولی۔

''کیا میں اس کے لیے دودھ لے آؤں مہاراج؟''

''ناری دودھ ندا بس رہنے دے۔ پہلے میں یہ معلوم کرلوں کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے؟''

''کیسے معلوم کرو گے بابا؟''

''بس تو کٹیا بند کر کے اندر بیٹھ جا۔ اپنا کام کاج کر اور خبردار کہیں سے جھانکنا نہیں۔ اگر تو نے جھانکا تو میرا منتر خراب ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے بابا۔ اگر یہ منش ہے اور منش بن جائے تو بھگوان کی سوگند اس سے اچھی بات اور کوئی نہیں ہوگی۔ میں نہیں جھانکوں گی تمھیں وچن دے رہی ہوں۔''

''اچھا تو اب جا۔'' بوڑھے نے کہا۔ لڑکی آہستہ آہستہ واپس پلٹی اور بلندیاں طے کر کے اس کٹیا میں چلی گئی جس میں شاید یہ دونوں رہتے تھے۔

میں ان تمام باتوں کو دلچسپی سے سن رہا تھا۔ اور اس بات سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے اگر بوڑھا یہ کام کرے تو بڑا ہی اچھا ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ بوڑھا چلتا ہوا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور اس کے بعد زمین پر ایک لکیر بنائی اور اس کے پیچھے بیٹھ کر دونوں ہاتھ سیدھے کر لیے، دونوں ہاتھ سیدھے کرنے کے بعد اس نے اپنی گردن آسمان کی جانب اٹھا دی۔ میری جانب سے وہ بالکل بے نیاز ہو گیا تھا۔ بہت دیر گزر گئی۔

کوئی عام آدمی اتنی دیر تک ہاتھ سیدھے کیے نہیں بیٹھ سکتا تھا اور نہ ہی اتنی اونچی گردن اٹھا سکتا تھا۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ شام کے جھٹپٹے فضا میں اتر آئے تو اس نے ایک گہری سانس لی اور اس کے بعد ہاتھ سیدھے کر لیے اب اس نے آنکھیں بند کر کے گردن جھکا لی تھی۔ پھر وہ میری جانب دیکھ کر بولا۔

''تو بھی تھک گیا ہوگا تر ویدی؟'' میں نے یہ الفاظ سنے تو سکتے میں رہ گیا اس نے مجھے تر ویدی کے نام سے پکارا تھا وہ بولا۔

''میں نے تیرا نام جھوٹ تو نہیں لیا۔ رے، جہاں تک میرا گیان کام کرتا ہے تیرے شریر میں ایک ایسا خون اتار دیا گیا ہے جو ناگن کا خون تھا اور اس پر منتر پڑھا گیا تھا۔ دیکھ تر ویدی اگر میں تیرا نام نہیں لے رہا تو مجھے بتا۔ اس طرح کہ اپنا پھن زمین پر ڈال دے۔''

میں نے فوراً ہی اپنا پھن زمین پر ڈال دیا۔ بوڑھا خوش ہو کر بولا۔

''اس کا مطلب ہے کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، اچھا اب اپنا پھن اوپر اٹھا لے۔'' میں نے بوڑھے کی اس ہدایت پر بھی عمل کیا کم از کم اپنے انداز سے ہی میں اسے اپنے بارے میں بتانا چاہتا تھا کیونکہ امید پیدا ہو گئی تھی اس بات کی کہ شاید میں دوبارہ سانپ سے انسان بن جاؤں۔ ویسے بوڑھا گیانی معلوم ہوتا تھا اور میرے دل میں یہ بات بہت پہلے سے ہی موجود تھی کہ کسی ایسے گیانی سے ملاقات ہو۔ جس سے میں کچھ سیکھ سکوں اور اس وقت یہ بوڑھا جس نے اپنا نام شمبھو ناتھ بتایا تھا مجھے بہت غنیمت محسوس ہوا تھا میں اس کی ہر ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ شمبھو ناتھ نے مجھ سے کہا۔

''تیرے بدن سے یہ گندا خون نکالنے کے لیے مجھے تیرے بدن پر ایک چیرا لگانا پڑے گا۔ تھوڑی سی کٹھنائی تو بھگتنا ہوگی تجھے لیکن بھگوان کی سوگند کہ میرا من کہتا ہے کہ میں اپنے گیان سے تجھے تیری اصل شکل دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اگر تو میری بات پر تیار ہے تو ایک بار پھر مجھے اسی اشارے سے بتا۔''

میں نے ایک بار پھر اپنا پھن زمین پر ڈال دیا۔ بوڑھے نے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر آج جب چندرما نکل آئے گا تو میں تیرے لیے کام کروں گا، دیکھو تم میری کسی بات سے پریشان نہ ہونا۔ میں تجھے وچن دیتا ہوں کہ جو کٹھنائی تجھے پہنچے گی وہ تو پہنچے گی ہی لیکن میں تجھے تیرا اصل شریر دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

اس کے یہ الفاظ میرے لیے بڑے دلکش تھے خاص طور پر مجھے اس کے گیان پر یقین اس لیے آ گیا تھا کہ اس نے مجھے میرے نام سے مخاطب کیا تھا اس کے بعد وہ بولا۔

''تجھے کچھ سمے یہاں بتانا پڑے گا۔ رات گئے میں اپنا کام شروع کروں گا۔ تو یہاں آرام سے بیٹھ میں اوپر جا رہا ہوں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس جانب چل پڑا۔ جہاں اس کی کٹیا تھی میرے دل میں امنگوں اور آرزوؤں کا ایک دریا موجزن ہو گیا تھا اگر واقعی مجھے میرا جسم واپس مل جائے تو

میں ایک طویل عرصے پیش آنے والی پریشانیوں سے نمٹ سکتا ہوں۔ بہر حال میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سورج چھپ گیا تھا رات ہو گئی۔ اس دوران ادھر سے نہ تو وہ لڑکی پریتی پیچھے اتری اور نہ ہی بوڑھا نظر آیا تھا۔ پھر خاصی رات ہو گئی اور آہستہ آہستہ آسمان پر چاند ابھرنے لگا۔ بوڑھے نے لازمی طور پر لڑکی کو کچھ تفصیلات بتا دی تھی۔ کیونکہ اس بار جب وہ اپنی کٹیا سے برآمد ہوا تو لڑکی بھی اس کے ساتھ تھی۔

انھوں نے ہاتھوں میں کچھ چیزیں اٹھائی ہوئی تھیں۔ بھان متی کا یہ پٹارہ ایک جگہ رکھ دیا گیا۔ میں وہیں درخت کے نیچے موجود تھا۔ پھر بوڑھے نے درخت کی ایک شاخ سے ایک رسی باندھی اور اس میں کئی پھندے لگائے۔ یہ پھندے لگانے کے بعد وہ لڑکی کی مدد سے درخت کے نیچے چھوٹے چھوٹے لکڑیوں کے ٹکڑے جمع کرنے لگا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے پتھروں کا ایک دائرہ بھی بنا دیا تھا اور لکڑی کے ٹکڑے اسی دائرے میں رکھ رہا تھا۔ بعد میں اس نے لکڑیوں پر کوئی سفوف چھڑک کر آگ لگا دی اور لکڑیوں سے شعلے اٹھنے لگے۔

میں خاموشی سے بوڑھے کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ لڑکی بھی اس کارروائی میں برابر کی شریک تھی اس نے کئی بار بھی نگاہوں سے میری جانب دیکھا تھا۔ اس کی ان حسین آنکھوں میں حیرت اور خوف کی چمک صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ لڑکی بلاشبہ لاکھوں میں ایک تھی اور اس جیسا حسن کم ہی دیکھنے کو آتا تھا لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میری نگاہوں میں ایک سے ایک حسین چہرہ آ چکا تھا۔ سنتا جو ناگن تھی اپنی مثال آپ تھی اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کچھ ایسے کردار، جو حسن و جمال میں یکتا تھے لیکن ان ساری باتوں پر غور کرتے ہوئے میرے دل میں ایسا کوئی تصور نہیں جاگا تھا۔ جسے اپنے طور پر شرمناک کہا جا سکتا۔

لڑکی کی طرف بھی میری نگاہیں پاکیزہ انداز میں ہی اٹھی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں فطری طور پر برا نہیں تھا۔ یہ الاؤ جلتا رہا اور فضا میں کافی تپش پیدا ہو گئی تب بوڑھے نے کہا۔

"بس پریتی تیرا کام اب ختم تُو اب جا۔"

"نہیں بابا، میں یہیں رہوں گی۔" پریتی نے لاڈ سے کہا۔

"بار بار بچوں کی طرح ضد کرنے لگتی ہے۔ تُو ابھی بچی ہے اور بیٹا یہ تیرے دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ جادو منتر کے پھیر ذرا الگ ہی ہوتے ہیں۔ ان میں نجانے کیسی کیسی شکتیوں

سے کام لیا جاتا ہے تیرا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ تُو کنواری کنیا ہے جا، جا اپنی کٹیا میں جا اور دیکھ میں نے جو کچھ کہا ہے اگر اس کے خلاف کیا تو بھگوان کی سوگند برا ہو جائے گا۔ میں بھی مارا جاؤں گا اور تجھے بھی نقصان پہنچ جائے گا سمجھ گئی ناں؟"

"ہاں بابا۔ ویسے بھی جو وچن میں تمھیں دیتی ہوں کبھی اس کے خلاف کیا ہے آج تک میں نے؟"

"ارے تیرے بارے میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں میں کہ تُو وچن کی پکی ہے مگر بیٹا یہ مسئلہ ایسا ہے کہ میں تجھے روک نہیں سکتا۔ اگر روک سکتا تو ضرور روک لیتا۔ بھلا میرا کیا جاتا اگر تُو یہاں بیٹھ جاتی تو۔"

"اچھا بابا میں جا رہی ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

"ٹھیک ہے تُو جا۔" بوڑھے نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "میں بہت کمزور اور ناتواں آدمی ہوں تر ویدی، جو کچھ میں کر رہا ہوں، مجھے کرنے دینا اور جس طرح بھی میں چاہوں میری سہائتا کرنا دیکھو میں تمھیں ان رسیوں میں اس آگ کے اوپر لٹکا دوں گا۔ تھوڑی سی جلن ضرور محسوس ہو گی۔ تمھیں مگر برداشت کر لینا۔"

میں دل ہی دل میں ہنسا، بھلا آگ سے مجھے کیا جلن ہو سکتی ہے اگر بوڑھا اس آگ میں مجھے جلا بھی دے تو میرا کیا بگڑے گا۔

بوڑھے نے آگے بڑھ کر مجھے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔ میرا وزن اچھا خاصا تھا کیونکہ بوڑھا بڑی مشکل سے مجھے اٹھا پایا تھا۔ پھر اس نے مجھے دُم کی جانب سے ان رسیوں میں باندھ دیا اور بولا۔

"اپنے شریر کو رسیوں میں سنبھالے رکھنا۔ کہیں پلک میں آ کر آگ میں نہ گر پڑنا۔ میں نے اپنی دُم کو رسیوں میں لپیٹ لیا۔ بوڑھے نے میری یہ حرکت دیکھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ مطمئن انداز میں گردن ہلا کر بولا۔

"جب تم میرے ساتھ اتنا تعاون کر رہے ہو تر ویدی مہاراج تو بھگوان کی سوگند، مجھے پورا پورا یقین ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

میں آگ کے اوپر لٹک گیا تھا بوڑھے نے آگ میں کچھ چیزیں پھر پڑھ پڑھ کر ڈالیں۔ یہ غالباً دال کے دانے تھے۔ اور بھی کچھ چیزیں تھیں جو سرخ سرخ سی تھیں آگ کے

شعلے آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہے تھے اور آگ خوب دہک چکی تھی۔

بوڑھے نے کچھ منتر پڑھنا شروع کر دیا اور اس کے بعد اس نے اپنے لباس سے ایک چھری نکالی اور چھری ہاتھ میں لے کر آنکھیں بند کر کے وہ میری طرف بڑھا۔ اور اس کے بعد اس نے چھری کی نوک میرے جسم میں داخل کر دی۔ وہ میرے پورے بدن کو نیچے تک چیرتا چلا گیا۔ بے شک مجھے اس کے اس عمل سے تکلیف ہوئی تھی لیکن اب ایسی بھی نہیں کہ میں اسے برداشت نہ کر سکوں۔ البتہ میں نے اپنے بدن سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہوئی دیکھی تھیں۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میں بوڑھے کا یہ عمل دیکھ رہا تھا۔ خون کی بوندیں آگ میں گرنے لگیں اور آگ سے نیلی نیلی شعاعیں بلند ہوتی رہیں۔ بوڑھے کے بدن میں تشنج کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

میرے جسم پر زخم لگانے کے بعد اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور عجیب سی ہیجانی کیفیت میں نظر آ رہا تھا۔ پھر میں نے اس کے بدن کو کانپتے ہوئے دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ کسی نادیدہ قوت سے لڑ رہا ہو۔ کئی بار اس کا بدن اِدھر اُدھر مڑتا ہوا نظر آیا۔ اور اس کے بعد وہ پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کر کے اپنی ہتھیلیاں زمین سے ٹکا لی تھیں اور زمین کو اس طرح سختی سے پکڑ لیا تھا جیسے گرنے سے بچنا چاہتا ہو۔ میرے بدن سے خون کی جو بوندیں نیچے گر رہی تھیں۔ ان کا رنگ عجیب عجیب ہو رہا تھا۔ اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے اندر کا بوجھ ہلکا ہوتا جا رہا تھا۔

یہ ایک عجیب و غریب عمل تھا۔ جو کافی دیر تک جاری رہا اور اس کے بعد مجھے اپنے پیروں میں چبھن محسوس ہونے لگی۔ میں نے تھوڑی سی گردن پلٹ کر اوپر دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس رسی میں جہاں میں نے اپنی دُم کا پھندا لگایا ہوا تھا میرے دونوں پاؤں پھنسے ہوئے ہیں۔ گویا میں انسانی شکل میں آ گیا۔ میں نے حیران نگاہوں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے انھیں جنبش دی۔ اپنے بدن کو چھوا بے شک اب بھی میرے بدن سے خون رس رہا تھا۔

لیکن...... لیکن میرا جسم واپس مل گیا تھا۔

کیف و سرور کی ایک کیفیت میرے جسم میں اٹھی یہ تکلیف تو کچھ بھی نہیں ہے جو مجھے ہو رہی ہے نہ ہی مجھے اس زخم کی پروا تھی۔ بوڑھا خاموشی سے پالتی مارے اور آنکھیں بند کیے

بیٹھا ہوا اپنا منتر پڑھ رہا تھا۔ پھر چاند آدھے سے زیادہ سفر طے کر چکا تو میرے بدن سے خون کی بوندیں گرنا بند ہو گئیں۔ آگ اب بھی اسی طرح دہک رہی تھی۔ غالباً بوڑھے نے کسی خاص وقت کا تعین کر لیا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اس کے بعد وہ دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر سجدے میں گر گیا۔

اس کے منہ سے خوشی بھری آوازیں خارج ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد اس نے جلدی جلدی اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک جگہ سے پانی کی بھری ہوئی بالٹی اٹھا لایا، یہ بالٹی اس نے آگ پر انڈیلی اور مجھ سے بولا۔

"تر ویدی مہاراج میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ لیجیے میں آپ کی ٹانگوں کو کھولنے جا رہا ہوں۔"

"اگر تم چاہو تو میں اپنی ساری رسیاں توڑ سکتا ہوں؟"

"نہیں اس طرح آپ سر کے بل نیچے گر پڑیں گے۔" اس نے کہا۔

"نہیں تم تکلیف نہ کرو۔" میں نے کہا اور اپنے جسم کو موڑ کر اوپر اٹھایا۔ درخت کی شاخ پر اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور اس کے بعد اپنے پاؤں کی رسی کھولی۔ پھر ایک ہاتھ سے درخت کی شاخ کو سنبھال کر دوسرا پاؤں بھی کھولا اور درخت میں لٹک گیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے دونوں پاؤں زمین پر ٹکا دیے۔ بوڑھا مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے انتہائی خوشی پھوٹ رہی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

"بھگوان کا شکر ہے کہ میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا۔ تمھیں اپنے زخم میں تکلیف ہو رہی ہو گی۔ آؤ میرے ساتھ اب کٹیا میں چلو۔ میں تمھارے جسم پر مرہم لگا دوں۔ یہ مرہم گھاس پھوس کا بنا ہوا ہے تمھیں ٹھیک کر دے گا۔" یہ میں آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چلتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ کٹیا کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اور عجیب و غریب آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جو پریتی کے علاوہ کسی کی نہیں تھیں۔ بوڑھے نے دروازہ بجایا تو پریتی نے دروازہ کھول دیا اور پھر اس کے پیچھے پیچھے مجھے دیکھ کر اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکل گئی۔

"ہے بھگوان، ہے بھگوان ہے، بھگوان۔"

"دیکھ پریتی یہ تر ویدی ہے۔ ہم نے اسے ٹھیک کر لیا مگر اس کے بدن پر زخم ہے تو جلدی سے ذرا مرہم نکال لا۔"

"ابھی لائی بابا۔" پریتی نے کہا اور اندر سے ایک چمڑے کا برتن نکال لائی جس پر سبز رنگ کا ایک مرہم رکھا ہوا تھا۔ یقیناً یہ بوڑھے کی ایجاد تھی۔ بوڑھے نے مجھے زمین پر لٹانے کے بعد وہ مرہم میرے زخم پر لگایا اور بولا۔

"اب صبح تک اسی طرح لیٹے رہو۔ صبح کو دیکھو گے۔ بھگوان نے چاہا تو تمہارا زخم بھر چکا ہوگا۔ کیا تمہیں نیند آ رہی ہے؟"

"نہیں شمھونا مہاراج میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہ نہ شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بھگوان نے اگر کسی کو کچھ دیا ہے تو اسی لیے دیا ہے تاکہ وہ دوسروں کے کام آئے۔ میرے پاس جو کچھ تھا۔ وہ میں نے استعمال کیا اور بھگوان کا شکر ہے کہ تم ٹھیک ہو گئے۔"

"پر تم ہو کون؟" پریتی نے پوچھا۔

"نہ نہ پریتی نہ آج کی رات اسے آرام کرنے دے جا بیٹا سو جا چل کر، اسے تنگ نہ کرنا صبح تک یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد تیرا جتنا من چاہے اس سے باتیں کر لینا۔" لڑکی کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بحالت مجبوری بوڑھے کی یہ بات مان کر واپس آ گئی ہے۔ ورنہ اس کا دل مجھ سے باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا میرا دل بھی یہی چاہ رہا تھا کہ میں آنکھیں بند کر کے آرام سے لیٹ جاؤں بہت عرصے کے بعد اس ذہنی کرب سے نجات ملی تھی۔ بوڑھا خود بھی وہاں سے چلا گیا اور میں لیٹے لیٹے یہ سوچنے لگا کہ اگر اس بوڑھے کو میں کسی طرح آمادہ کر لوں کہ وہ کسی طرح یہ علم مجھے سکھا دے تو مستقبل میں میرے لیے بڑی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

دھن راج سے بھی تو میں نے یہی چاہا تھا کہ جب اس نے مجھے اتنی بڑی شکتی دے دی ہے۔ آگ، پانی، مٹی وغیرہ کا کھیل مجھ پر ختم کر دیا ہے۔ تو مجھے اتنا گیان بھی دے دے کہ جو کام اس نے میرے سپرد کیا ہے۔ اسے میں بہتر طریقے سے سرانجام دے دوں لیکن کیا کہا جائے اب جو عالم ہوش میں تجربات ہو رہے تھے۔ اس سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ دنیا میں رہنے والے جو انسان کی شکل و صورت رکھتے ہیں۔ بڑے خود غرض اور صرف اپنے لیے سوچنے والوں میں سے ہوتے ہیں۔ چاہے ان کے پاس کیسی ہی شکتی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ اس نے مجھے اپنے مقصد کے لیے تیار کیا تھا اور میں نے بھی کبھی اس سے منہ نہیں موڑا تھا۔ لیکن

جب میں نے اپنے لیے اس سے کچھ مانگا تو اس کی خود غرضی اس کے سامنے آ گئی۔ اس نے سوچا کہ آگ، پانی، مٹی ہوا اور روشنی ہر چیز سے مجھے بے ضرر کرنے کے بعد اگر اس نے مجھے گیان شکتی بھی دے دی تو پھر اس کے پاس کیا رہے گا۔

یہ سوچ اس کی غلط تھی۔ گیان شکتی حاصل کرنے کے بعد بھی میں اسی کا غلام رہتا تھا کیونکہ میرے ذہن میں اس کے لیے سب کچھ تھا لیکن انسان تو میں بھی تھا۔ جہاں مجھے مشکل پیش آئی تھی میں نے وہیں اس سے کچھ مانگا تھا پتا نہیں شمھونا کون ہے اور یہ بھی مجھے دینا پسند کرے گا یا نہیں۔ اب یہ سب بعد کی باتیں ہیں لیکن اتنا تو میں ضرور سوچ سکتا تھا اپنی عقل سے کہ شمھونا بھی بہت کچھ جانتا ہے۔ اگر وہ دھن راج کے جادو کا توڑ رکھتا ہے اور اس کے بنائے ہوئے طلسم کو توڑ سکتا ہے تو اس کی اپنی بھی کوئی حیثیت ہوگی۔ بہرحال شاید اس سے مجھے کچھ مل جائے۔ حالانکہ اس نے میرے اوپر احسان کیا تھا اور بظاہر میرے پاس اس احسان کا کوئی صلہ نہیں تھا لیکن سودے بازی تو ہو سکتی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ اس کی اتنی اطاعت کروں گا کہ وہ مجھے کچھ دینے کے لیے مجبور ہو جائے۔ یہ زخم اب میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا اور میں جانتا تھا کہ شمھونا نے اپنے طور پر میرا یہ گھاؤ بھرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ گھاؤ تو ایسے ہی بھر جائے گا۔ کیونکہ میرے اصل جسم پر ایسے گھاؤ اثر انداز نہیں ہوتے۔ اور یہی ہوا اب چونکہ میری اصل شخصیت واپس آ چکی تھی اس لیے صبح ہونے تک میرے زخم پر مرہم کے علاوہ اور کچھ نہ رہ گیا۔ پھر بھی میں نے شمھونا سے اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ صبح ہوئی اور سب سے پہلے مجھے پریتی کی صورت ہی نظر آئی۔ اس نے اندر جھانکا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔

"آؤ پریتی۔ میں تمہیں پریتی ہی کہوں گا۔ اس لیے کہ شمھونا تمہیں پریتی کہتا ہے۔ یہ اسی کا حق ہے۔" وہ جھجکی اور پھر اندر آ گئی۔ میں نے اسے جھیل میں نہاتے ہوئے دیکھا تھا اس کے وجود کا ایک ایک نقش میری نگاہوں میں تھا اور میں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے لیکن بہرحال چونکہ وہ شمھونا کے پاس تھی۔ مجھے اس کا اور شمھونا کا رشتہ بھی نہیں معلوم تھا اس لیے میں اس کی جانب میلی نگاہ بھی نہیں اٹھا سکتا تھا وہ جھجکتی ہوئی اندر آ گئی۔

"کیسے ہو تم۔ تردیدی؟"

''ٹھیک ہوں۔ پریتی۔ کیا کر رہی تھیں تم؟''

''کچھ نہیں بس تمھیں، دیکھنے آئی تھی، دودھ گرم کیا ہے میں نے تمھارے لیے، لے آؤں؟''

''یہ دودھ تم لوگ کہاں سے حاصل کرتے ہو یہاں اس ویران علاقے میں؟''

''ہم نے چار بھیڑیں پال رکھی ہیں۔ بڑی خوبصورت بھیڑیں ہیں وہ ہماری ساری ضرورتیں، انہی سے پوری ہو جاتی ہیں اور پھر بھگوان نے یہاں کافی پھل پیدا کیے ہیں۔ بس یہ پھل اور دودھ ہی تو ہمارا کھاجا ہیں۔''

''بہت خوبصورت زندگی ہے تمھاری۔''

''میں دودھ لے آؤں؟''

''میں باہر چلوں۔ مہاراج کیا کر رہے ہیں؟''

''وہ تو بس گیان دھیان میں لگے رہتے ہیں اس وقت بھی گیتا کا پاٹھ کر رہے ہیں۔''

''اچھا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ ایک سچی بات ہے کہ ابتدا سے لے کر آج تک اول تو کسی خاص مذہب سے میرا تعلق نہیں تھا کیونکہ پدم چندری یا دھن راج کا تعلق بھی کسی مذہب سے نہیں تھا۔ برائی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک الگ ہی چیز ہوتی ہے لیکن جہاں کہیں بھی کبھی کچھ مذہبی معاملات میرے سامنے آئے ہیں۔ ان میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ یہ بات بھی مجھے اچھی طرح یاد تھی آج تک کہ میرا نام کرم داد ہے اور میں ایک مسلمان کا بیٹا ہوں ایسا کوئی عمل آج تک نہیں کیا تھا میں نے جو میرے مذہب کے منافی ہو لیکن یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا میں کہ جن حالات میں زندگی گزاری ہے۔ ان میں اپنے مذہب سے بھی میرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے کبھی سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ان تمام امور پر۔ اس نے اس طرح میرے ذہن پر قبضہ جمایا ہوا تھا۔ چنانچہ اب جو میں نے سنا کر شمھو ناگیتا کا پاٹھ کر رہا تھا تو میرے دل میں کوئی رغبت پیدا نہیں ہوئی میں نے کہا۔

''اگر تمھیں برا نہ لگے تو باہر چلوں؟''

''اس میں برا لگنے کی کیا بات ہے۔ آؤ باہر کا ماحول بہت خوبصورت ہو رہا تھا۔ آج آسمان پر بادل بھی چھائے ہوئے ہیں دھوپ بالکل نہیں نکلی ہوئی ہے۔ صبح کو جب میں جاگی تھی ننھی ننھی بوندیں بھی آ رہی تھیں۔ مجھے بارش بہت اچھی لگتی ہے۔''

میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔ بلاشبہ آسمان سے شراب برس رہی تھی۔ ایسا مست موسم تھا کہ دل میں خواہ مخواہ امنگیں پیدا ہو جائیں۔ اس نے کہا۔

''تمھارا گھاؤ تو درد نہیں کر رہا۔''

''نہیں۔''

''ایک بار مجھ سے پھر مرہم لگوا لینا۔ دو تین بار مرہم لگے گا تو دیکھنا گھاؤ ایسا بھر جائے گا کہ اس کا نشان بھی نہیں رہے گا۔ یہ مرہم شمھی مہاراج نے خود بنایا ہے۔''

''تم انھیں شمھی مہاراج کہتی ہو؟''

''ہاں......'' اس نے جواب دیا۔

''میں بھی انھیں شمھی مہاراج کہہ سکتا ہوں؟''

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں، شمھی مہاراج مجھے پریتی کہتے ہیں تم چاہو تو تم بھی پریتی کہہ سکتے ہو۔'' وہ سادگی سے بولی۔

میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور وہ دودھ لینے چلی گئی دودھ کا گرم گرم گلاس اس نے مجھے پیش کر دیا اور میں نے آگ کی طرح کھولتا ہوا گلاس اپنے معدے میں انڈیل لیا۔ تو وہ چونک کر بولی۔

''ہائے رام، اتنا گرم دودھ پی لیا تم نے، جل گئے ہو گے۔ اندر سے سارے۔'' میں نے مسکرا کر اسے گلاس واپس کر دیا۔ اس نے گلاس اب بھی اپنی اوڑھنی سے پکڑا تھا کہنے لگی۔

''اتنا گرم دودھ نہ پیا کرو۔۔۔ نقصان دیتا ہے۔''

''اچھا۔''

''بیٹھ جاؤں؟''

''بیٹھو پریتی۔''

''تمھیں بارش اچھی لگتی ہے؟''

''ہاں۔''

''مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہے مجھ سے میرے بارے میں نہیں پوچھو گے؟'' وہ بولی۔

''نہیں۔ پریتی۔''

''کیوں؟''

"ہو سکتا ہے۔ شمبھو ناتھ مہاراج مجھے تمھارے بارے میں نہ بتانا چاہیں۔ میں ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے مجھے متاثر نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم بہت اچھے آدمی ہو۔"

"اگر نہیں بھی ہوں، تو شمبھو ناتھ مہاراج کے لیے اچھا بننا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ انھوں نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔"

"ویسے بھی صحیح بتاؤں یہ میرے لیے بڑی عجیب بات ہے۔"

"ہاں یقیناً ہوگی۔"

"تم نے پوچھا نہیں، کہ کون سی بات کے بارے میں کہہ رہی ہوں؟"

"میں جانتا ہوں؟"

"تو بتاؤ۔"

"یہی کہ سانپ سے انسان بن گیا یا پھر انسان سے سانپ کیسے بن گیا تھا؟"

"ہاں...... بھگوان کی سوگند مجھے نہیں پتا تھا۔ مگر شمبھو ناتھ مہاراج بڑے گیانی دھیانی ہیں۔ انھیں تو بہت کچھ آتا ہے۔ سب کچھ جانتے ہیں وہ۔"

"وہ مہان ہیں۔" میں نے جواب دیا عقب سے شمبھو ناتھ کی آواز سنائی دی۔

"ہوں...... تو میری تعریفیں ہو رہی ہیں۔"

ہم دونوں چونک کر پلٹے، پریتی مسکرانے لگی۔ میں نے گردن جھکا لی۔ شمبھو ناتھ نے کہا۔

"ساری باتیں سن لی ہیں میں نے، انسان کی ایک بات اس کے پورے جیون کے بارے میں بتا دیتی ہے۔ تم اچھے انسان ہو ترویدی۔ تم نے کہا تھا کہ تم میری مرضی کے بنا پریتی سے اس کے بارے میں نہیں پوچھو گے۔"

"شمبھو ناتھ مہاراج پتا نہیں۔ اس سنسار میں رہنے والے کس طرح جیون بتانا پسند کرتے ہیں۔ ہر آدمی کی اپنی سوچ ہوتی ہے لیکن میں ایک بات جانتا ہوں کہ اگر کوئی کسی پر احسان کرے تو پھر جس پر احسان کیا جائے۔ اسے اپنے احسان کرنے والے کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔"

"اچھے انسان ہو۔ اچھی باتیں سوچتے ہو ورنہ اس سنسار میں احسان نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی کسی کا احسان نہیں مانتا، چلو چھوڑو ان باتوں کو طبیعت کیسی ہے تمھاری؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں مہاراج۔"

"زخم میں تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"بالکل نہیں۔"

"پریتی ابھی تمھارے بدن پر دوبارہ مرہم لگا دے گی۔ مجھے خوشی ہے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم سے تمھارے بارے میں باتیں کروں۔"

"میں آپ کو سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔ مہاراج۔"

"مگر میرے سامنے۔" پریتی بولی۔ اور شمبھو ناتھ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے بابا ہم تجھے اپنے آپ سے دور کہاں رکھ سکتے ہیں۔ پر ایک کام تو کر؟"

"جی مہاراج۔" وہ جلدی سے بولی

"اس کا پرانا مرہم صاف کر دے اور نیا مرہم لگا دے۔"

میں نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس وقت شمبھو ناتھ بھی میرے قریب موجود تھا۔ جب پریتی نے ہلکے ہلکے میرے پچھلا مرہم صاف کیا شمبھو ناتھ میرے زخم کو دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن زخم ہوتا تو دیکھتا۔ مرہم کے نیچے صاف شفاف جلد نکلی تھی۔ وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

"ارے یہ کیا ہو گیا، ایسا کام تو اس مرہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔"

"مرہم بہت اچھا ہے۔ شمبھو ناتھ مہاراج۔"

"ایں۔" شمبھو ناتھ عجیب سے لہجے میں بولا۔ اس نے جھک کر میرے زخم کو دیکھا تھا۔ نشان تک موجود نہیں تھا۔ وہ گردن کھجانے لگا پھر بولا۔ "نہیں مرہم ہی اچھا نہیں ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔ خیر چھوڑ آ جا میرے پاس بیٹھ جا۔" ہم لوگ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ آسمان سے ایک بار پھر ننھی ننھی بوندیں گرنے لگیں تھیں جو بے حد خوشگوار محسوس ہو رہی تھیں۔ شمبھو ناتھ نے کہا۔

"ترویدی اپنے بارے میں بتائے گا؟"

"ہاں مہاراج آپ کو میرا نام تو معلوم ہو ہی گیا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔"

"سچ بتاؤں تر ویدی جھوٹ بولنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بھگوان نے تھوڑا بہت وردان مجھے دیا ہے لیکن اتنا نہیں کہ سنسار کے بارے میں سب کچھ جان لوں۔ بس اس تھوڑے سے وردان نے مجھے یہ تو بتا دیا کہ تیرا نام تر ویدی ہے۔ یہ بھی پتا چل گیا کہ تو کشٹ میں ہے اور ناگ نہیں بلکہ انسان ہے۔ اس سے زیادہ تیرے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"میں آپ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ مہاراج۔"

"تیری مہربانی ہوگی، دیکھ اس میں میرا کوئی لالچ نہیں ہے لیکن، منش کا یہ ہمیشہ کا کام ہے۔ جب کوئی کسی سے ملتا ہے اور ایک دوسرے کے بارے میں جانتا ہے تو اس کی سب سے پہلی آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں جان لیں۔"

"ہاں...... مہاراج ہوتی تو ہے۔"

"بس یہ جذبہ ہے لیکن پھر بھی اگر تو اپنے بارے میں نہ بتانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ البتہ اس پر مجھے حیرت ہے کہ تجھے انسان سے ناگ کس نے بنا دیا؟"

"بہت پرانی بات ہے مہاراج اتنی پرانی کہ شاید اگر تم اپنے گیان سے نہ پتا لگا چکے ہو تو یقین بھی نہ کر سکتے۔ میں اس وقت کا تعین نہیں کر سکتا۔ جب میری ملاقات دھن راج سے ہوئی تھی۔"

"کس سے؟"

"دھن راج سے، غاروں میں دفن تھا۔ ولیشم اس کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ پھر میں نے ولیشم کو مار دیا۔ دھن راج اٹھ گیا اور میں نے اس کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس نے مجھے سنسار کے پانچ جوہر سے روشناس کرایا۔ آگ پانی، ہوا اور روشنی وغیرہ وغیرہ۔ تو مہاراج۔ اس کے من میں ایک کرودھ تھا۔ اس نے مجھے صدیوں پرانی کہانی سنائی۔ یہ کہانی نجانے کتنی پرانی تھی۔ میں اس کے بارے میں تو کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ کیونکہ میرے من میں کوئی پرانی بات نہیں تھی۔

میں تو اس دور کا ایک انسان تھا اور وہیں پر میں نے آنکھ کھولی تھی۔ دھن راج پدم چندری نے مجھے بتایا کہ وہ چنداری کا رہنے والا تھا۔ شپالی جادوگر اس کا باپ تھا۔ اور اس نے اسے اپنی شکتی دے دی تھی۔ دھن راج پدم چندری امر شکتی حاصل کرنا چاہتا تھا اور یہ امر شکتی

حاصل کرنے کے لیے اس نے پانچ جوہر پر قابو پایا تھا۔ مٹی، آگ، پانی، روشنی اور اندھیرا یہ ساری چیزیں اس نے اپنے لیے حاصل کیں تھیں۔ اور اس کے پھیر سے نکل گیا تھا۔ مہاراج اس کے مقابلے میں دو آدمی آئے تھے۔

جن میں سے ایک کا نام سنگھانی جوالہ۔ اور دوسرے کا سیلونا کھوڑانہ تھا۔ یہ دونوں بھی امر شکتی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تینوں کے بیچ لڑائی ہوئی اور وہ سب الگ الگ ہو گئے۔ پدم چندری یا دھن راج نے اپنے لیے سنسار تیاگ لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ مناسب وقت پر وہ جاگے گا اور اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرے گا۔ اس کے دو ساتھی تھے۔ تر ویدی اور دھروانی ان دو ساتھیوں کے اندر اس نے اپنی شکتی سمو دی تھی۔ پھر جب میں اسے ملا تو اس نے مجھے دھروانی کی طاقت اور تر ویدی کی عقل دینا چاہی۔ مہاراج میں اسی دور کا انسان تھا کہ میں اس کے ساتھ ہر طرح کا تعاون تو کر رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ میرا گرو تھا۔ لیکن میری سوچ میں اور بھی بہت سی باتیں تھیں۔ اس نے مجھے تمام مراحل سے گزار لیا مجھے دھروانی شکتی دے دی گئی۔ اور تر ویدی کی عقل دے جانے لگی پھر مہاراج بعد میں جب وہ مجھے اس سنسار میں انسانوں سے ملانے کے لیے لے کر آیا تو میں نے بھی انسانوں ہی کی مانند سوچا۔

سیلونا کھوڑانہ اور سنگھانی جوالہ جب ہمارے مقابلے میں آئے تھے۔ وہ مجھ سے دور رہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے گیان شکتی بھی دے۔ تاکہ میں ان کا مقابلہ کر سکوں۔ اس نے مجھ سے منہ موڑا اور مجھے گیان شکتی دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اگر مجھے گیان شکتی بھی مل گئی تو میں اس سے منہ موڑ لوں گا۔ مہاراج آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ایسا کوئی خیال میرے من میں نہیں تھا۔ میں تو اسے اپنا گرو مانتا تھا۔ گرو کی بات سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے لیکن جب اس نے اس خود غرضی کا مظاہرہ کیا اور مجھے جگہ جگہ اس کی وجہ سے پریشانی ہونے لگی تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے ہر قیمت پر گیان شکتی بھی دی جائے لیکن وہاں اس نے خود غرضی کا مظاہرہ کیا اور مجھے گیان شکتی دینے سے انکار کر دیا۔

یہی نہیں مہاراج بلکہ اس نے مجھے انسان سے سانپ بھی بنا دیا اور اس کے بعد سے میں ابھی اسی کیفیت میں بھر رہا ہوں۔"

میں نے شمبھونا کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار دیکھے۔ پر یتی تو بالکل ہی گنگ ہو

کر رہ گئی تھی۔ شمبھو ناتھ کافی دیر تک مجھے دیکھتا رہا۔ پھر پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

''اور میں نے اپنے آپ کو تمہارے سامنے بڑا گیانی سمجھا تھا۔ تمہاری سہائتا کر کے میں نے یہ سوچا تھا کہ میں نے ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔ مجھے یہ خواب میں بھی خیال نہیں آیا تھا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ ایک ایسے منش کے لیے کر رہا ہوں جو خود بھی بڑا گیانی ہے۔''

''نہیں شمبھو ناتھ مہاراج، ہم اسے مہان نہیں کہہ سکتے جو کسی دوسرے کا دست نگر ہو۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ یہ تھا جو میں نہیں کر سکتا تھا۔''

''ہاں، پ..... تم چاہو...... تو کہہ سکتے ہو...... لیکن سچ سچ تم مہان ہو، تمہارے جیون کی اور بھی کتھائیں ہوں گی۔ لیکن بس جو کچھ تم نے بتایا اتنا ہی کافی ہے۔ جو نام تم نے لیے یقیناً ان کا نشان بڑی بڑی کتابوں، میں ملتا ہوگا۔ میرا گیان تو بہت چھوٹا سا ہے۔ سنگھانی جوالا سیلو نا کھوڑانہ، دھن راج اور ان کے ساتھ اور بھی بہت سے نام ہیں۔ رانی چندر تا بھی تو بے گندے علم کی ماہر۔ جس نے اپنے آپ کو گولر کے پھول میں تبدیل کر لیا تھا اور اس کے سنسار میں اس کی بہت سی کہانیاں سننے کو ملیں۔ گیان دھیان کی لیلا ہی الگ ہے۔''

''مہاراج آپ مجھے یہ بتائیے کہ کیا اس تمام شکتی کے ساتھ گیان شکتی میرے لیے ضروری نہیں ہے؟''

میرے اس سوال پر شمبھو ناتھ سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

''منش کا من کبھی بھی گیان سے بھرتا نہیں ہے۔ تمہاری جو حیثیت ہے لیکن تمہارے من میں بھی کمی رہ گئی ہے۔ بہر حال تم اچھے ہو جاؤ یہی بہت کچھ ہے۔''

''بس مہاراج اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ دیکھئے میرا زخم ٹھیک ہو گیا ہے آپ نے میری وہ کٹھنا دور کر دی ہے۔ جس نے مجھے بے بس کر رکھا تھا۔ اب اس کے بعد مجھے یہاں سے فوراً چلا جانا چاہیے لیکن میرے من میں ایک آرزو ہے۔''

''کیا؟''

''مہاراج مجھے گیان دیجئے، میرے گرو بن جائیے۔ مجھے گیان چاہیے۔''

''ارے۔ تم کیا سمجھ رہے ہو۔ شمبھو ناتھ کوئی گیانی دھیانی نہیں ہوں۔ بس بھوج لیکھا کے کچھ پنے پڑھ لیے ہیں۔ جو میرے ہاتھ لگ گئے تھے۔ ان میں سے جو کچھ ملا ان پر محنت کر ڈالی۔ بھوج لیکھا تو بڑی وسیع کتاب ہے۔ چار پنے ملے تھے مجھے اس کے جواب بھی میرے

پاس محفوظ تم اس کتاب کے بارے میں کیا کہو گے جو پوری کی پوری کنالی کے پاس ہے۔''

''کس کے پاس؟''

''کنالی...... مہارانی کنالی...... اس کا مطلب ہے کہ سنسار کے بارے میں تم نے بہت کم معلوم کیا ہے۔''

''میں نے اپنی کہانی جو آپ کو سنائی ہے۔ شمبھو ناتھ مہاراج وہ بس اتنی ہی ہے آگے پیچھے کچھ نہیں ہے۔ اس کے لیکن میں گیان سیکھنا چاہتا ہوں۔ کنالی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''یہ باتیں تو آپ نے مجھے بھی کبھی نہیں بتائیں۔ شمبھو ناتھ مہاراج۔'' پریتی نے کہا۔ اور شمبھو ناتھ ہنسنے لگا پھر بولا۔

''اری باوری تیرا ان باتوں سے کیا سمبندھ؟ تیرے لئے تو یہ ساری کی ساری بے کار باتیں ہیں۔ یہ الو کہاں سے چلا ہے یہ ہم سب سے بڑا ہے بڑی عمر ہے اس کی۔''

''لگتے تو نہیں ہیں۔'' پریتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... لگتا نہیں ہے۔ خیر ابھی تو تو جانے کی بات ہی نہ کر تر دیدی ابھی تو تیرا اور ہمارا ساتھ کافی دن تک رہے گا۔ تجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تجھے اور بھی بہت سی کہانیاں سناؤں گا۔''

''جی مہاراج اگر آپ کی یہ آ گیا ہے تو مجھے آپ کے چرنوں میں بڑا سکون مل رہا ہے بڑا آنند ہے آپ کے چرنوں میں۔''

بات ختم ہو گئی۔ بارش کے بڑے بڑے قطرے ٹپکنے لگے تھے اس لیے ہم سب کٹیا میں گئے۔ شمبھو ناتھ نے کہا۔

''بہت سا سامان رکھا ہوا ہے۔ ابھی بارش بھی زیادہ دیر نہیں ہوگی۔ بادلوں کے کچھ ٹکڑے ہیں جو جڑ گئے ہیں۔ مہمان کو کھانے پینے کے لیے کچھ دینا پریتی!''

''آپ چنتا نہ کریں مہاراج۔'' پریتی نے کہا۔

''تو پھر میں جا رہا ہوں۔'' شمبھو ناتھ چلا گیا۔ پریتی مجھے لے کر اندر آ گئی تھی اس نے کہا۔

''پھل کھاؤ گے؟''

''نہیں پریتی مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ، یہ سچ کہا ہے تم نے کہ تمھاری عمر اتنی بڑی ہے۔''

''شمبھوناتھ مہاراج کے سامنے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔''

''بڑے تعجب کی بات ہے۔''

''شمبھوناتھ مہاراج تمھارے کون ہیں؟''

''سب کچھ ہیں میرے، میرے ماتا پتا نے مجھے ان کے حوالے کر دیا اور اب وہی میری دیکھ بھال کرتے ہیں۔''

''ماتا پتا کہاں ہیں تمھارے؟''

''چترپور میں۔''

''کہاں؟''

''چترپور، چترپور بستی، ہماری بستی کا یہی نام ہے لیکن مجھے شما کرنا ترویدی۔ اس سے زیادہ میں بھی تمھیں کچھ نہیں بتا سکوں گی۔ اگر شمبھوناتھ مہاراج کو تم پر وشواس ہوا تو وہ تمھیں میرے بارے میں بتا دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ پریتی، میں تم سے اب ایک لفظ بھی نہیں پوچھوں گا۔'' ایسا کوئی کام میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں کرنا چاہتا جو شمبھوناتھ کی مرضی کے خلاف ہو۔ پھر ہم دوسری بات کرنے لگے۔ اس علاقے کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے چترپور کے بارے میں کچھ سوالات کیے۔

مجھے اس بستی کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں معلوم تھا۔ پریتی مجھے ایسی باتیں بتاتی رہی جنھیں بتانے میں اسے کوئی دقت نہ ہو۔ پھر جب رات جھک آئی اور شمبھوناتھ مہاراج آ گئے۔ انھوں نے ہمارے ساتھ کھایا پیا۔ بھیڑوں کا دودھ خود ہی نکالتے تھے۔ یہ بات بھی مجھے پریتی نے ہی بتائی تھی کہ شمبھوناتھ مہاراج اس سے کوئی خاص کام نہیں لیتے۔ اپنے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ پریتی نے مجھ سے کہا۔

''اب تُو میرے ساتھ آئے گا۔ پریتی بیٹا تُو اپنے کام سے کام رکھ، رات کو یہ میرے پاس ہی رہے گا۔ بہت سی باتیں کرنی ہیں مجھے اس سے۔''

پریتی نے گردن ہلا دی۔ اور خاموشی سے اندرونی حصے میں چلی گئی۔

☆☆☆

میں شمبھوناتھ کے ساتھ چل پڑا تھا ایک پہاڑ میں بنے ہوئے ایک غار میں شمبھوناتھ نے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا اور یہ غار یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا...... بس تھوڑا سا اس جگہ سے نیچے اترنا ہوتا تھا اسی پہاڑی ٹیلے کے اندر یہ غار بھی بنا ہوا تھا۔ جو زیادہ وسیع نہیں تھا۔ یہاں مرگ چھالہ بچھی ہوئی تھی۔ پانی کے کچھ برتن رکھے ہوئے تھے اور بس یہی تھی اس غار کی کل کائنات۔

شمبھوناتھ نے مجھے مرگ چھالہ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تو میں تردد سے بولا۔

''نہیں مہاراج اس پر آپ بیٹھیں میں آپ کے سامنے دھرتی پر بیٹھوں گا۔''

''کیسی باتیں کرتا ہے ترویدی...... اب تو یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تُو مجھ سے بہت بڑا ہے تیرے پاس جو شکتی ہے وہ امر شکتی ہے میں آج ہوں کل نہیں ہوں گا مگر تو نہ جانے کہاں تک پہنچے گا۔''

''آپ اس مرگ چھالہ پر بیٹھیں مہاراج۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میرا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔''

''مقصد؟''

''ہاں۔''

''کیا مقصد ہے تیرا؟''

''آپ سے کچھ سیکھنا۔'' میں نے کہا۔

''اچھا پھر یوں کرتے ہیں کہ ہم دونوں ہی دھرتی پر بیٹھتے ہیں۔ میں تیرے سامنے اس مرگ چھالہ پر نہیں بیٹھ سکتا۔ تُو میرا [illegible] کرتا ہے؟'' وہ بھی زمین پر ہی بیٹھ گیا۔ میں نے اس سے کہا۔

''آپ دھرتی پر بیٹھیں یا آکاش پر، آپ کو گرو بنائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔''

''مگر ترویدی۔ میرے پاس ہے کیا؟''

"آپ کے پاس وہ ہے مہاراج جس سے آپ نے یہ پہچان لیا کہ میں ناگ نہیں منش ہوں۔ میں یہ نہیں پہچانا۔ آپ کو یہ پتہ تھا کہ میرے شریر میں ناگ کا خون اتار کر دھن راج نے مجھے ناگ بنا دیا اور اگر ناگ کا یہ خون میرے بدن سے نچوڑ لیا جائے تو میں اپنے اصل روپ میں آ جاؤں گا۔ اس گیانی نے جو عمل کیا تھا اس کا خیال ہوگا کہ جب میں اس کی غلامی قبول کرنے پر تیار ہو جاؤں گا۔ تو وہ مجھے ٹھیک کر دے گا۔

اس کے من میں یہ بات نہیں ہوگی کہ کوئی اور بھی ہے ایسا جو اس کے کیے ہوئے کو ملیا میٹ کر دے۔ مہاراج میں آپ سے وہ علم سیکھنا چاہتا ہوں۔ جس سے میں کم از کم اپنا بچاؤ ہی کر سکوں۔ ہاں اگر آپ مجھے اس کے لیے منع کریں گے تو میرا آپ پر کوئی زور نہیں ہے۔"

شھونا سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بولا۔ "بھگوان کی سوگند میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ بس مجھے دلچسپی ہے۔ ایسے کاموں سے گیان دھیان سیکھنا چاہتا تھا بڑی عمر گنوائی اس میں طرح طرح کے لوگوں سے ملا۔ سادھو سنتوں کی سیوا کی اور اس کے بعد تھوڑا بہت اس سنسار کے بارے میں جان گیا۔ پھر مجھے ست گری کے چار پتے مل گئے اور میں نے ان کا پاٹ کیا۔ منتر جاپ کیے اور یہ تھوڑا بہت علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کے بعد دنیا مجھے اتنی اچھی نہ لگی اور یہاں آ بیٹھا...... بس اگر تم ست گری کے چار پتے پڑھنا چاہو تو میں تمہیں ان کا گیان دے سکتا ہوں...... لیکن یہ بتا دیا، میں نے تمہیں کہ ساری بھوج لیکھا کنالی کے پاس ہے۔ اور اگر کوئی مہان کنالی کو پا لے تو سمجھو وہ اس کا جیون بن جائے کنالی کے بارے میں شاید تمہیں نہ تو دھن راج نے بتایا ہوگا۔ اور نہ ہی تمہیں کہیں اور سے معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ رانی کنالی بس صدیوں پرانی ہے۔ اس کی ایک الگ کہانی ہے۔ ست گری ہمیشہ اس کے پاس رہی۔ اور وہ امر ہو گئی۔ فرق صرف اتنا ہے کنالی نے سنسار تیاگ دیا۔ بس جب بھی اس کا من سنسار دیکھنے کو چاہتا ہے یا وہ ضرورت محسوس کرتی ہے۔ کہ سنسار باسیوں کو اس کی ضرورت ہے تو وہ ان کے بیچ و بیچ پہنچ جاتی ہے ایسے لمحے اگر کوئی اسے پا لے اور وہ اسے کچھ بتانے پر آمادہ ہو جائے تو الگ بات ہے۔"

"کنالی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں بالک اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ ہاں وہ کبھی کبھی نظر آ جاتی ہے۔ اپنے من کے ساتھ۔"

"اس کی پہچان کیا ہے۔ مہاراج؟"

"صرف ایک۔" شھونا نے کہا۔

"کیا؟"

"وہ جس جگہ سے گزرتی ہے وہاں دھرتی پر اس کے قدموں کے نشان بن جاتے ہیں۔ اور یہ نشان چاند کی طرح چمکتے ہیں اگر کہیں یہ نشان نظر آ جائیں تو تم ان کا پیچھا کرتے ہوئے اس تک جا سکتے ہو۔"

میں نے پوری دلچسپی سے یہ بات سنی اور اسے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا پھر میں نے کہا۔

"تو مجھے ان چار پتوں کا پاٹ ہی دے دیجئے مہاراج۔"

"ترویدی، بھگوان کی سوگند کسی عام آدمی کو یہ پتے نہیں دکھائے جا سکتے تھے۔ پر تیری بات کچھ اور ہی ہے۔ میں تجھے ان چار پتوں کا گیان دینے کے لیے تیار ہوں۔ اب یہ جتنا بھی تیرے کام آ جائیں تیرے بھاگ۔"

"جی مہاراج...... میں بھی بس یہی چاہتا ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے۔ میں جلد ہی تجھے ان پتوں کا جاپ کرانا شروع کر دوں گا۔"

"اصل میں مہاراج میرے ساتھ جو برائی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سنسار باسی اپنا جیون جیتے ہیں اور اپنا جیون مرتے ہیں۔ آپ کو یہ بات معلوم ہے۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا اور جھوٹ نہیں بولا۔ آپ سے کہ میں نے یہ سب کچھ اپنے آپ نہیں کیا۔ بس حالات کا شکار ہو گیا اور اس کے بعد ابھی تک اپنے حالات کا شکار ہوں۔ پر اس سے یہ برائی ہوئی کہ اس سنسار میں نہ چاہنے کے باوجود مجھے جینا پڑے گا۔

بہرحال کسی پہاڑی کی چٹان پر بیٹھ کر ایک ایسا لمبا جیون تو نہیں گزارہ جا سکتا۔ جس کا کوئی انت نہیں۔ اس سنسار میں رہ کر سنسار باسیوں کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ تاکہ اپنی بھی ایک پہچان رہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس لمبے جیون کو کیسے گزاروں کیسے ختم کر دوں۔"

شھونا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "ایک بات کہوں تجھ سے گرہ میں باندھ لیجئے۔ جینے میں مزہ اسی لمحے آتا ہے۔ جب صرف اپنے لیے نہ جیا جائے۔ بلکہ تمھارا جینا

دوسروں کے لیے ہو۔ سنسار میں اتنے دکھ پڑے ہوئے ہیں۔ سب کے تن روگی ہیں۔ سب کے من روگی ہیں، روگیوں کا روگ دور کردے۔ سنسار سے جانے کو جی نہ چاہے گا۔ اس سے اچھا کوئی اور کام نہیں ہو سکتا جو منش کرے۔

ساری کتابیں، ساری بھاگ شالائیں، ساری ویدیں، یہی کہتی ہے کہ سنسار باسیوں کے کام آؤ...... اس جینے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اپنے لیے کچھ بھی کرو۔ کون دیکھے گا سنسار کے لیے کچھ کرو...... دعائیں بھی ملیں گی اور جینے کا سہارا بھی۔"

میں بڑے غور سے شمبھو ناکی باتیں سن رہا تھا۔ بلاشبہ اس نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی۔ جو کئی بار میرے ذہن میں تو آئی تھی لیکن کبھی اس کی تشریح نہیں ہو سکی تھی۔ یہ تو سچ ہے کہ اپنی زندگی تو جتنی ہوگی گزار ہی لی جائے گی۔ مگر دوسروں کے لیے جینے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اب تک میں نے چند ایسے کام کر لیے تھے اور مجھے ان کا لطف بھی ملا تھا لیکن اب ایک نیا سبق مجھے ملا تھا۔ اور میں اس پر عمل کرنا چاہتا تھا میں نے شمبھو نا کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"مہاراج میں اس جیون کا انت چاہتا ہوں، لیکن اگر انت نہ ملے اور جینا پڑے تو آپ کو وچن دیتا ہوں کہ ہمیشہ دوسروں کے کام آؤں گا۔ یہ نہ انتظار کروں گا کہ سنسار میں کون دکھی ہے اور کون خوش جس کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔ تلاش کروں گا ان لوگوں کو اور اس کے ساتھ ساتھ ہی مہاراج کنالی رانی کو بھی تلاش کروں گا۔

ہاں یہ میں تجھے بتائے دیتا ہوں کہ سنسار میں قدم قدم پر پدم چندری یعنی دھن راج ہیں کھوڑانا اور جوالہ ہیں، سارے کے سارے اپنے لیے کچھ نہ کچھ کرنے پر آمادہ بھی ملیں گے تجھے۔ رانی چندرتا بھی ملے گی۔ سارے کے سارے ملیں گے۔ پر یہ سمجھ لینا کہ تیرے اور ان کے راستے الگ الگ ہو گئے ہیں۔ دھن راج یا پدم چندری نے جو گندگی تیرے شریر میں اتاری دی ہے وہ بھی کسی نہ کسی سے ختم ہو جائے گی۔ اگر تو نے اچھے کاموں کو جاری رکھا۔ منش کا من اندر سے صاف ہوتا ہے تو اوپر کی گندگی خود بخود صاف ہونے لگتی ہے میری یہ باتیں یاد رکھنا۔"

"بے گرو دیو۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اور وہ ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "تو نے مجھے جال میں پھانس لیا رے۔ خیر کوئی بات نہیں ہے۔ کہیں سے لیا تھا اگر تجھے دوں گا تو مجھے برا نہیں لگے گا۔ کم از کم ایک ایسے کے پاس تو جائے گا جس کا اپنا بھی کوئی مان ہے۔"

میں نے شکر گزار نگاہوں سے شمبھو نا کو دیکھا۔ کم از کم اس شخص سے آغاز ہوتو جو

باتیں اس کے اور میرے درمیان ہوئی تھیں۔ وہ بڑی اہمیت کی حامل تھیں۔ میں نے اپنے دل کی باتیں اس سے کہہ دی تھیں۔ اس نے اپنا لفظ' نگاہ مجھے بتا دیا تھا ہم دونوں ایک دوسرے سے متفق تھے اس کے بعد تین دن گزر گئے۔

معمولات جوں کے توں تھے۔ اب یہ جگہ مجھے اجنبی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ پریتی میرے ساتھ ہی رہتی تھی اور شمبھو نا اپنے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ وہ اپنے وعدے کی پابندی کرے لیکن اس کے لیے اس سے بار بار کہنا مناسب نہیں تھا۔ تھوڑا سا وقت گزر جائے۔ تو پھر اس سے دوبارہ بات کروں گا۔ ویسے بھی میں کون سی مشکل میں پڑا ہوا تھا۔

بہترین جگہ تھی۔ پریتی اب مجھ سے خاصی بے تکلف ہو چکی تھی۔ خوب ہنستی بولتی تھی۔ مجھ سے لیکن ابھی تک میرے ذہن میں کوئی برائی نہیں آئی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ وہ خود بھی پاکیزہ فطرت کی مالک تھی۔ اپنے آپ کو اس انداز میں میرے سامنے پیش ہی نہیں کرتی تھی کہ میرے ذہن میں برائیاں جنم لیں۔

یہ چوتھے دن کی صبح تھی۔ تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد شمبھو نا میرے پاس پہنچا تھا اس نے کہا۔

"آؤ...... ترویدی۔ کچھ باتیں کریں، تم سے تم آرام کرلو...... پھر بیٹھ کر باتیں کریں گے کئی دن سے باتیں ہی نہیں کیں۔"

"جی گرو مہاراج۔" میں نے کہا اور وہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"من تو چاہتا ہے کہ تمہیں گرو کہوں لیکن تم الٹا مجھے ہی گرو کہہ رہے ہو۔"

"بھلا میرے پاس کسی کو سکھانے کے لیے کیا ہے۔"

"نہیں ایسا نہ کہو۔ گرو تو تم میرے بن چکے ہو۔"

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"تم نے ہزاروں سال پہلے کی بات مجھے بتائی ہے۔ میں ان دنوں اپنے گیان میں دھن راج، پدم چندری، سنگھاسی جوالہ، سیلونا کھوڑانا اور رانی چندرتا بھی میرے من میں آئی ہے اور ان سے متعلق بہت سی باتیں میں معلوم کرتا رہا ہوں میں، سارے بڑے ہی پاپی ہیں۔ یہ تو سرے سارے سنسار میں آفت مچائے ہوئے ہیں سرے امر شکتی نہیں ہے۔ اس کے پاس

تو جھوٹے ہیں سسرے، ارے یہی تو شیطان کے پیروکار ہیں۔ یہی تینوں کے تینوں بلکہ چاروں تو سارے سنسار میں گندگی پھیلا رہے ہیں۔ کوئی کہیں مصروف ہے تو کوئی کہیں۔ تم ذرا سنسار کی کہانی اٹھا کر دیکھو۔ جتنی برائیاں اس سنسار میں آئی ہیں۔ ان میں کہیں نہ کہیں ان کا پاؤں ضرور پھنسا ہوا نظر آئے گا۔ اگر تم سوچتے ہو کہ یہ براہِ راست کسی معاملے میں کام کرتے ہیں تو یہ غلط ہے۔ ان کے چیلے چانٹے مصروفِ عمل ہیں۔ جن کے اوپر ان کا قبضہ ہو جائے گا بس پھر اس کی کیا پوچھو سنسار کا سب سے بڑا دشمن بن جاتا ہے وہ اور سوچتا ہے کہ میں سنسار کا بہت بڑا ہوں۔

بس منش کے من میں جو ایک بھاؤنا ہے نا، وہ یہ کہ وہ شکتی حاصل کرے۔ دوسرے اسے اپنے آپ سے بڑا سمجھیں۔ یہی بھاؤنا منش کو ڈبوئے ہوئے ہے۔ اگر وہ اس کی مخالفت میں سوچنا شروع کر دے۔ تو بھگوان کی سوگند یہ سنسار ایک بار پھر سے سوگ بن جائے اور یہاں پھول ہی پھول کھل جائیں۔"

"مخالف سوچنا شروع کر دے سے آپ کی کیا مراد ہے مہاراج؟"

"مطلب یہ کہ وہ یہ سوچے کہ وہ سنسار کا سب سے نیچا آدمی ہے دوسرے بڑے ہیں۔ ان کی عزت کرے ان سے پیار کرے ان کی سیوا کرے، تو تم خود سوچو کہ اسے کتنی بڑی شکتی حاصل ہو جائے۔ صحیح معنوں میں شکتی مان تو وہی ہے جو دوسروں کے لیے اپنے آپ کو بچھا دے۔"

میں نے بڑی عقیدت سے شھوتا کی یہ بات سنی، بات سمجھ میں آنے والی تھی اور دل کو لگ رہی تھی میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مہاراج۔"

"پھر یہ بتاؤ...... گرو تم ہو یا میں۔"

"نہیں مہاراج، میں اس انداز میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ ان باتوں کو جس انداز میں آپ نے میرے سامنے بیان کیا۔" وہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اچھا چھوڑو...... آؤ...... میں نے تم سے جو وعدہ کر لیا ہے۔ آج میں اسے پورا کرنا چاہتا ہوں اصل میں مجھے شما کرنا میں دیکھ رہا تھا کہ تمھارے قول و عمل میں کتنی سچائی ہے تم جو چاہتے ہو من سے چاہتے ہو یا پھر یونہی منہ سے کہہ دیا ہے مجھ سے۔"

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں مہاراج؟"

"پرتی اتنی سندر ہے کہ کسی بھی منش کا من اس پر ڈول سکتا ہے۔ میں نے اسے زیادہ سے زیادہ تمھارے قریب رکھا لیکن جن کے من میں نیکیاں ہوں۔ اچھائیاں ہوں۔ وہ فوراً ہی بدی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ پرتی نے بھی تم سے اپنے آپ کو عورت ہونے کے بارے میں نہیں ظاہر کیا۔ اور تم نے بھی ایک دوست ہی سمجھا۔ حالانکہ آگ پانی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے اور اس کا نتیجہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہتا ہے، لیکن آگ اور پانی بھی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اگر من میں سچائی ہو۔ میں تمھارا امتحان لے رہا تھا اور تم اس امتحان میں پورے اترے ہو۔ اب میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ میں تمھیں دینے سے پریشان نہیں ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ مجھے اس جگہ لے گیا جہاں پہلے بھی میں اس کے ساتھ جا چکا تھا۔ یعنی وہی غار جو اس پہاڑی کے نچلے حصے میں تھا۔ اور جہاں اس نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ غار میں اس وقت مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ایک دیوار میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا اور ایک بوسیدہ کتاب کے چار اوراق میرے سامنے کر دیے۔ کتاب کسی ایسے کاغذ پر لکھی گئی تھی جسے کاغذ نہیں کہا جا سکتا تھا لگتا تھا کہ وہ کسی جانور کی کھال جھلی ہے بس یوں لگتا تھا جیسے کسی پرندے کے بڑے بڑے پر ہوں۔ یہ پر چار کی تعداد میں تھے۔ اور اس نے انھیں میرے ہاتھ میں تھما دیا۔"

"یہ ست گری کے چار پنے ہیں۔ جن کے بارے میں، میں نے تمھیں بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا میں نے تم سے کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

میں نے عقیدت سے ان کاغذوں کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ ست گری کے بارے میں جو کچھ بتا چکا تھا۔ وہ بہت بڑی چیز تھی۔ رانی کنالی جس کا حوالہ اس نے دیا تھا۔ وہ بھی میری نگاہوں میں ایک پُر اسرار شخصیت تھی۔ کیا میں اس کا کھوج پانے میں کبھی کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس دوران میں نے بارہا سوچا تھا۔ بہر طور میں نے وہ چاروں کاغذ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تو اس نے کہا۔

"اور اب تمھیں انہی کے مطابق اپنے جاپ شروع کرنے ہیں۔"

"جی مہاراج۔"

''دیکھو انھیں غور سے دیکھو۔'' اس نے کہا۔ اور میں نے ان کاغذوں میں سے ایک کاغذ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں سنبھال کر بغور دیکھا لیکن وہ ایک سادہ کاغذ تھا۔ اس پر کوئی تحریر نہیں تھی۔ میں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر چاروں کاغذ اس انداز میں دیکھے۔ پھر حیرت بھری نظروں سے شمبھو ناتھ کو دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔

''مہاراج ان پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا۔''

''لکھا ہوا ہے...... لکھا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک پتا لے لو...... کوئی ایک پتا اپنی پسند سے اٹھا لو۔''

میں نے اوپر والا کاغذ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس نے باقی تین کاغذ واپس اسی جگہ پر رکھ دیے۔

''جب اس پتے کا پاٹھ کر لو گے تام تو پھر دوسرا لے لینا۔''

''مم...... مم...... مگر مہاراج۔''

''جلد بازی نہیں کرتے تر ویدی۔ جلد بازی نہیں کرتے۔ آؤ۔ میرے ساتھ۔'' وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چل پڑا۔ اس بار وہ مجھے اس جھیل تک لے گیا تھا جس پر پہلی بار میں نے پریتی کو دیکھا تھا۔ جھیل بہت زیادہ وسیع نہیں تھی۔ اس کا ایک گوشہ ذرا عجیب سا تھا۔ درخت برابر برابر سر جوڑے کھڑے ہوئے تھے اور اوپر سے ان کے درمیان اتنی چھاؤں ہو گئی تھی کہ آسمان نظر نہیں آتا تھا اس نے کہا۔

''یہ سب سے اچھی جگہ ہے۔ اب تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ تمھارے لیے سارے انتظامات ہو جائیں گے۔'' ''بیٹھ کر اس پتے کو اپنے سامنے رکھنا۔ اور اپنی آنکھوں کو اس پر جمائے رکھنا۔ اور یہ سوچنا کہ اس پر لکھا ہوا ہے۔ جب تمھیں اس کا لکھا نظر آ جائے تو اسے پڑھ لینا۔''

''جی مہاراج۔''

''اور اس کام میں کتنا سمے لگتا ہے۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ بات تمھاری آنکھوں کی روشنی کی ہے۔ تم تو بہت دور تک دیکھ سکتے ہو نا تر ویدی رات کی تاریکیوں میں بھی گھور سکتے ہو۔ تم دیکھنا ان پتوں پر کیا تحریر ہے اور کتنی دیر میں یہ تمھاری سمجھ میں آتی ہے۔'' اور میں نے ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلا دی تھی۔

بہر طور میں جانتا تھا کہ ان کے حصول کے لیے مشکلات سے گزرنا ہوتا ہے۔ اور ان

مشکلات کا آغاز ہو گیا تھا۔ میں اتنی دلچسپی لے رہا تھا اس سارے کام میں کہ میں نے اسی وقت سے وہاں بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔ شمبھو ناتھ نے بھی مجھے اس کے لیے منع نہیں کیا تھا۔

چنانچہ میں وہیں بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد شمبھو ناتھ واپس چلا گیا۔ میں نے ست گری کے اس پتے کو بڑے احترام کے ساتھ ایک درخت کے تنے سے اس طرح لگا دیا، کہ وہ اس میں دو چپک جائے اور پھر اس کے سامنے دو زانو بیٹھ کر اسے گھورنے لگا۔ جیسا کہ میں آپ لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ میری نگاہیں، رات کی تاریکیوں میں بھی دور تک دیکھنے کی عادی تھیں۔ کیونکہ پاپی دھمن راج نے روشنی میرے لیے بے اثر کر دی تھی۔ اندھیرا، پانی، ہوا، آگ یہ ساری چیزیں اب میرے لیے بے معنی ہو چکی تھیں۔ اور میں ان کی حیرہ دستیوں سے گزر گیا تھا۔ چنانچہ میری بینائی ست گری کے اس بیر کو تلاش کرنے لگی، لیکن سفید کاغذ کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سارا دن میں اس پر تحریریں تلاش کرتا رہا پھر رات ہو گئی۔

رات کو بھی میں نے اس پر نگاہیں جمائے رکھی تھیں۔ اور پوری رات اسی طرح میں اسے دیکھتا رہا۔ دوسری صبح مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ خوشبو کا ایک جھونکا میری ناک کے پاس سے گزر رہا تھا لیکن دماغ میں کچھ دھندلاہٹیں پیدا ہو گئی تھیں۔ میں نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ کون ہے حالانکہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ پریتی ہے میں اب اس کے سانسوں کی آواز تک محسوس کرنے لگا تھا۔

وہ کچھ دیر وہاں رکی اور پھر میں نے اس کے قدم واپس جاتے ہوئے سنے لیکن اس پر توجہ نہیں دی۔ نجانے وہ کیوں آئی تھی لیکن میں نے قوت شامہ سے اس کی آمد کا پتہ لگا لیا تھا۔ میرے عقب میں شاید کچھ پھل رکھے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ پھل وہ میرے کھانے کے لیے چھوڑ گئی ہے لیکن بھوک کی مجھے پہلے بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ میں اس شام بھی مصروف رہا۔ پھر شام کو دوبارہ مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور یوں لگا جیسے پریتی وہاں کھڑی رہ گئی ہو لیکن میں نے اس کی جانب رخ نہیں کیا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک رکی پھر واپس چلی گئی۔ دوسرا دن بھی گزر گیا تیسرا اور چوتھا دن بھی گزر گیا۔ پریتی ہر صبح اور ہر شام آتی تھی۔ نئے پھلوں کی خوشبو مجھے محسوس ہوتی تھی اور وہ واپس چلی جاتی تھی ان چاروں دنوں میں میں نے کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا۔

یہ پانچویں صبح کی بات ہے کہ اچانک ہی مجھے سفید کاغذ میں کچھ دھندلی، دھندلی

لکیریں نظر آنے لگیں۔ میری تمام تر توجہ اس کی جانب مرکوز تھی۔ اور میں اس پر تحریریں تلاش کر رہا تھا۔ یہ لکیریں آہستہ آہستہ واضح ہوتی چلی گئیں اور ان پر کچھ شبد لکھے نظر آئے۔ میرے دل میں خوشی کا ایک احساس جاگا۔ گرو...... شمبھو نا نے جو کہا تھا۔ اب نمایاں ہو رہا تھا۔ میں ان تحریروں کو دیکھتا رہا۔ لفظ جڑتے گئے۔ اور کچھ جملے میرے ذہن میں اُترنے لگے۔ یہ نیکیوں اور اچھائیوں کی جانب راغب کرنے والے الفاظ تھے۔ جن کی ترتیب غیر مناسب تھی لیکن اگر دماغ کی قوتوں سے ان کی ترتیب کر لی جائے۔ تو یہ الفاظ جملے الفاظ بن جاتے تھے۔ یقینی طور پر یہ کوئی منتر تھا۔ جو اس پر درج تھا۔ میں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

اور یہ منتر میرے ذہن میں آنے لگا۔ ہاں کچھ ایسی عجیب سی باتیں تھیں۔ جن کا صحیح مفہوم سمجھنا بہت مشکل تھا لیکن کبھی کبھی ان کا مفہوم ایک لمحے کے لیے بن بھی جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے اتفاقیہ طور پر ایک بگڑی ہوئی تحریر کسی شکل میں مرتب ہو جائے۔ اور اس کے بعد پھر سے بگڑ جائے۔ میں مصروف رہا۔ اور پوری توجہ سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ کاغذ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اب وہاں وہ کاغذ موجود نہیں تھا لیکن میری نظریں اسے دیکھ سکتی تھیں۔ وہ بہت دور جا چکا تھا۔ میں نے اسے درخت کی جڑ کے پاس دیکھا تھا۔ اور وہ مجھ سے دور سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ درخت کی جڑیں بہت گہرائیوں تک نظر آ رہی تھیں اور ان گہرائیوں میں، میں نے بہت سے کیڑے مکوڑوں کو دیکھا جو اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ ایک ننھا سا کیڑا درخت کی اوپر جڑ سے نیچے گرا اور میری جانب دیکھنے لگا۔

میں اس کی آنکھوں کو اپنی جانب متوجہ دیکھ سکتا تھا۔ پھر مجھے اس ننھے سے کیڑے کی آواز سنائی دی۔

"دیکھ نہیں رہے ہیں گر پڑا ہوں، وہ اوپر جو چھوٹا سا سوراخ نظر آ رہا ہے وہ میرا گھر ہے۔ مجھے اٹھا کر میرے گھر میں پہنچا دو"...... میں نے ہاتھ بڑھایا۔ ننھے سے کیڑے کو بڑی احتیاط سے اپنے ہاتھ پر لیا، اور اس کے بعد اسے اسی سوراخ پر رکھ دیا۔ ایسی بہت سی چیزیں ہو رہی تھیں۔ جو نا قابل فہم تھیں لیکن میں انھیں سرانجام دے رہا تھا۔

پھر نجانے کون سا دن تھا جب شمبھو نا نے عقب سے آ کر اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا۔ اور میں چونک پڑا۔

"اِدھر دیکھو...... اُدھر دیکھو تر دیدی۔ میں شمبھو نا تم سے مخاطب ہوں۔" میں نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ شمبھو نا کے چہرے پر عقیدت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ "جو کچھ تم نے کیا وہ تو میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا...... آؤ...... میرے ساتھ آؤ۔"

"گرو دیو۔"

"ہاں...... آ جاؤ میں دھوکا نہیں ہوں...... آ جاؤ میرے ساتھ تم اب دھوکا کھانے والوں کی حد سے نکل آئے ہو۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں آسانی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔

"جے بھگون جے بھگوان، بڑی بات ہے۔ بہت بڑی بات ہے تم نے جو کچھ کھایا پیا نہیں۔ دیکھو سنسار میں سب سے بڑی بات یہی ہوتی ہے کہ جب علم مل جاتا ہے تو سنسار کی باقی چیزوں سے من ہٹ جاتا ہے لیکن من کو ان چیزوں سے ہٹانا مناسب نہیں ہوتا۔ جنھیں بھگوان نے تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ کھانا پینا بہت ضروری ہے۔ پریتی تو پریشانی سے بیمار ہو گئی ہے۔ یہ سوچ کر کہ آٹھ دن سے تم نے کچھ نہیں کھایا پیا وہ تمھارے لیے پھل اور دودھ لے کر آتی ہے۔ اور رات کو ویسے کے ویسے لے کر واپس چلی جاتی ہے۔ تمھارے شریر میں اُن نہیں پہنچی کیا محسوس کر رہے ہو؟"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

"ٹھیک ہوں بالکل۔"

"وہ پتا کہاں گیا؟"

"وہ میری نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔"

"جانتے ہو کیوں؟"

"نہیں۔"

"اس لیے کہ اب وہ تم نے پڑھ لیا ہے۔"

"پڑھ لیا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں...... بس اب اس کے بارے میں اور زیادہ کچھ نہ پوچھنا۔ آؤ آج میرے ساتھ کھاؤ پیو...... پورا دن بتاؤ کل میں تمھیں...... دوسرا پتا دے دوں گا۔"

میں نے خاموشی سے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ شمبھو نا جانتا ہو گا۔ شمبھو نا جان

چکا ہوگا کہ مجھے کیا مل چکا ہے کیا نہیں۔ بہر طور پریتی بھی سامنے آگئی۔ وہ واقعی بہت پریشان تھی۔ شھونا نے اس سے کہا۔

''نہیں پریتی۔ اب یہ کھایا پیا کرے گا۔ اصل میں بات بتانے کی ہوتی ہے۔ میں نے یہ بات اسے بتائی نہیں تھی۔'' شھونا کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اس نے یہ الفاظ یونہی کہے تھے۔ بعد میں اس نے مجھ سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں نے جان بوجھ کر تمھیں یہ نہیں بتایا تھا اس میں منش کا امتحان مقصود ہوتا ہے۔ اور دیکھنا ہوتا ہے کہ اسے اپنے کام سے کتنی لگن ہے۔ ویسے سچ کہوں تردیدی! اب تو میں خود تمھارا متوالا ہو چکا ہوں۔ تم جو کام کرتے ہو اس سے مجھے شانتی ہی ملتی ہے۔ کتنی آسانی سے تم نے اس پنے کا پاٹھ کر لیا۔ حالانکہ اگر تمھاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے سالوں لگ جاتے اور وہ یہ سب کچھ نہ جان پاتا۔''

میں نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ جلدی سے دوسرا کاغذ بھی میرے سپرد کر دیا جائے اور شھونا نے بھی اس میں دیر نہ لگائی۔ اس نے دوسرا کاغذ مجھے دیا تو میں نے بڑے احترام سے اسے لے لیا۔ اور پھر اس سے پوچھا۔

''اب جاؤں مہاراج؟''

''ہاں...... جاؤ...... مگر کھانے پینے پر دھیان ضرور دینا۔''

''جی مہاراج!'' میں نے جواب دیا۔

بالکل اسی انداز میں میں نے اس دوسرے کاغذ کی گہرائی میں بھی اترنا شروع کر دیا۔ پریتی کی خوشبو مجھے محسوس ہوئی تھی لیکن معمول کے مطابق میں نے اس کی طرف گردن نہیں گھمائی اور اپنے کام میں مصروف رہا وہ بھی کچھ بولی نہیں تھی۔

دوسرا کاغذ پہلے کی نسبت بہت جلد مجھ پر واضح ہو گیا اور مجھے اس کی تحریریں نظر آنے لگیں۔ میرے ہونٹ ان تحریروں کو بدبدانے لگے۔ میں ان کی گہرائیوں پر غور کر رہا تھا اور ان الفاظ کو اپنے اندر اتار رہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے سامنے کچھ سائے گردش کرنے لگے ہیں۔ یہ انسانی سائے تھے عجیب و غریب پرچھائیاں۔ درخت میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے اور میں درختوں کے عقب میں دور دور تک دیکھ سکتا تھا۔ یہ سائے اسی سمت آ رہے تھے لیکن ان کے چہرے واضح نہیں تھے میں نے ان سے پوچھا۔

''کون ہو تم؟'' جواب میں انھوں نے گردن خم کر دی لیکن منہ سے کچھ نہ بولے۔

''مجھے بتاؤ تم کون ہو؟'' لیکن انھوں نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا گروہ کے گروہ آئے تھے۔ اور میرے سامنے سے گزر جاتے تھے کیڑے مکوڑے بھی اب باقاعدہ مجھ سے باتیں کرنے لگے تھے۔ اور عجیب و غریب انداز میں اپنے افکار مجھے سناتے تھے۔ صبح کی وھندلاہٹوں میں پرندوں کی چہچہاہٹوں کو میں صرف ان کی آوازیں نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ میں ان کے مسائل سے آگاہ ہو رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو اطلاع دیتے تھے کہ وہاں ان کے لیے رزق موجود ہے۔ چلو ادھر چلو اور پرندوں کے غول کے غول ادھر چلے جایا کرتے تھے۔ ان کی ساری باتیں مجھے سمجھ میں آ جایا کرتی تھیں۔

زمین کے کیڑے مکوڑے بولتے تو میں ان کے مسائل بھی سنتا اور مجھے ایک انوکھا احساس ہو رہا تھا۔ یہ تو ایک الگ ہی سنسار ہے۔ ہنگھ پکھیرو، ساری چیزیں سمجھ میں آ رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی مجھے کبھی کبھی ہوا کے دوش پر شھونا کی آواز تیرتی ہوئی سنائی دیتی تھی۔ وہ کہتا تھا۔

''وشواس امر ہے۔ سب سے پہلی چیز یقین ہے اگر من میں یقین نہ ہو تو یوں سمجھ لو کہ منش کے پاس اس سنسار میں کچھ بھی نہیں ہے۔''

پریتی پھل اور دودھ لے کر آئی تھی اور میں نے ایک عجیب بات محسوس کی تھی۔ میرا رخ درخت پر لگے ہوئے کاغذ کی جانب ہوتا تھا۔ لیکن میں اسے لحہ لحہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ کس طرح چل رہی ہے۔ کس طرح آ رہی ہے کب اس نے پھلوں کا تھال نیچے رکھا۔ کب دودھ کا گلاس نیچے رکھا۔ مجھے دیکھا۔ مسکرائی اور دیر تک دیکھتی رہی اور پھر واپسی کے لیے چل پڑی۔ وہ پرچھائیاں جو میرے سامنے گردش کرتی رہتی ہیں۔ اب مجھ سے کچھ بولنے بھی لگی تھیں۔ ان کی مدھم مدھم آوازیں کانوں میں گونجنے لگیں لیکن الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ بہت سی تبدیلیاں ہوتی جا رہی تھیں اور میں اب تبدیلیوں کو بخوبی محسوس کر رہا تھا۔

یہ وہ گیان تھا جو مجھے حاصل ہو رہا تھا اب تو شھونا کی آمد بھی ضروری نہیں ہوا کرتی تھی۔ کوئی بات مجھے پوچھنی ہوتی تھی۔ میں اپنے دل میں سوال دہراتا تھا...... اور شھونا کا جواب مجھے مل جاتا تھا اور یہ جواب مکمل طور پر تسلی بخش ہوتا تھا۔ پھر ایک دن پریتی مجھے اسی انداز میں نظر آئی لیکن آج میں نے اس میں کچھ تبدیلیاں دیکھی تھیں۔ حالانکہ میں نے گردن

نہیں کھمائی تھی لیکن وہ مجھے نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسے بغور دیکھا اور وہ ٹھٹک سی گئی۔ اور پھر اس کے جسم کا لباس غائب ہوتا چلا گیا۔ میں اسے بے لباس دیکھ رہا تھا۔

وہی منظر میری نگاہوں کے سامنے دوبارہ آ گیا جو پہلی بار میں نے سانپ کی شکل میں دیکھا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ پریتی نسوانی روپ کا شاہکار تھی کہ انسان ایک بار اسے دیکھے تو ہوش و حواس بھول جائے۔ میرا دل بھی اس کے لیے تڑپنے لگا۔ زندگی میں کئی ایسے مراحل آئے تھے۔ جن میں مجھے زندگی کی اس دلکشی کی جانب متوجہ ہونا پڑا تھا۔ اس میں سب سے پہلی شخصیت اس ناگن کی تھی اور اس کے بعد کئی ایسے مواقع آئے جہاں میری طلب کی گئی۔ لیکن میرے دل میں پریتی کے لیے جو طلب ابھری تھی۔ اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ تب مجھے شمبھونا کی آواز سنائی دی۔

"یہ کالی ہوائیں ہیں اور ان کا گزر بھی من سے ضروری ہے لیکن ان سے بچنا بھی ایک کام ہے اور تو جانتا ہے کہ تجھے کیسے ان کالی ہواؤں سے بچنا ہے تو نے ہوش کے عالم میں پریتی کو ہمیشہ پوتر نگاہوں سے دیکھا ہے۔ لیکن یہ کالی ہوائیں تیرے من کو خراب کر رہی ہیں۔ ان سے بچ۔" اور میں فوراً ہی سنبھل گیا۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا دوسرا پتا، اور پھر تیسرا اور پھر چوتھا یہی چار اوراق تھے۔ جو شمبھونا کے پاس موجود تھے اور ان چاروں اوراق کی تحریروں سے واقف ہونے کے بعد مجھ میں اتنی تبدیلی رونما ہوئی کہ میں چرند پرند سے گفتگو کرنے لگا۔ ان کے مسائل سمجھنے لگا۔ درختوں کے پار آسانی سے دیکھ سکتا تھا دور دور تک نگاہیں دوڑا سکتا تھا۔ وہ پرچھائیاں اب بھی میری نظروں میں واضح نہیں ہوئیں تھیں۔

نجانے یہ کیسی پرچھائیاں تھیں۔ ان کے بارے میں مجھے ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ مجھے ان کی آوازیں سنائی دیتی تھیں لیکن وہ آوازیں نامانوس تھیں۔ میرے لیے چوتھے پتے کا پاٹھ ختم ہونے کے بعد شمبھونا خود ہی میرے پاس پہنچا تھا اس نے مجھے دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

"کہو اب کیسا لگ رہا ہے؟"

"میں اب کیا کروں گرو مہاراج؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں، میں اب تمہارا گرو نہیں ہوں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ست گری کے یہ چار پتے ہی تو میری ملکیت تھے اور اب یہ تمہاری ملکیت بھی بن چکے ہیں پوری کتاب تو کنالی کے پاس ہے اس کے آگے کا گیان وہی دے سکتی ہے تمہیں۔"

"مہاراج یہ پرچھائیاں کیسی ہیں۔ یہ سائے کیسے ہیں جو مجھ سے کچھ کہتے ہیں مگر میری سمجھ میں نہیں آتے۔" وہ افسردگی سے مسکرا دیا۔ اور پھر بولا۔

"بھگوان کی سوگند ان کی آوازیں تو میں بھی نہیں سمجھ سکا لیکن اتنا میں تمہیں بتا دوں کہ یہ سب تمہارے اپنے ہیں سب تمہارے قریب آنا چاہتے ہیں لیکن راستے کی رکاوٹیں ہیں جانتے ہو راستے کی رکاوٹیں کیا کیا ہیں۔"

"نہیں مہاراج۔"

"وہ پتے جو ست گری میں ہیں اور جن کا گیان تمہیں نہیں مل سکا۔ یہ سارے کے سارے ست گری کے ان پتروں کے ساتھی ہیں لیکن تمہارے پاس اسی سے آ سکتے ہیں جب تم پوری کتاب سے گزر جاؤ۔"

"آہ..... اور وہ کتاب کنالی رانی کے پاس ہے۔"

"ہاں وہ بہت موٹی کتاب ہے بس جو کچھ میرے پاس تھا یہی تھا اور تمہارے سامنے سوگند کھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

"جی مہاراج میں جانتا ہوں۔"

"لیکن تر ویدی جو کچھ تمہیں مل چکا ہے وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ اب تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں رہی کہ مجھے کیسے پتا چلا کہ تم ناگ نہیں منش ہو اور باقی یہ ساری باتیں ان کے لیے بھی اب تمہارے من میں کوئی الجھن نہیں ہوگی۔ سب کچھ جانتے ہو گے تم پنچھی پکھیرو، بڑے اچھے ساتھی ہوتے ہیں نجانے سنسار کی کہاں کہاں کی کہانیاں سنا دیتے ہیں۔ یہ سب اب تم سے دور نہیں رہیں گے۔ دھرتی کی گود میں چھپے ہوئے کیڑے مکوڑے ان کا اپنا ایک الگ سنسار ہے لیکن کیسی انوکھی بات ہے کہ یہ سب اب تمہارا ساتھ دیں گے۔ کیا سمجھے؟"

"ہاں مہاراج، اور میں اس کے لیے آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا دل ہی دل میں میں نے کہا۔ ٹھیک ہی تو ہے۔ جو کچھ میرے پاس نہیں تھا۔ وہ مجھے ملا۔ اب جتنا بھی ملا ہے وہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن اگر زندگی کا کوئی مقصد ہو کوئی بات ہو۔ کوئی تلاش ہو

تب جینے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ اور میری زندگی میں اب ایک مقصد پیدا ہو گیا تھا یعنی کنالی کی تلاش رانی کنالی، مجھے مل جائے جس طرح بھی بن پڑے، اسے شیشے میں اتارلوں۔ اور دست گری اس سے حاصل کروں۔ اس طرح ایک لمبی زندگی گزارنے کا ایک بہترین ذریعہ ہاتھ آ جائے گا اور میرا کام آسان ہو جائے گا۔ اب میں ایسے بہت سے مشکل مراحل کو ٹال سکتا تھا جو گیان نہ ہونے کی وجہ سے مجھ تک پہنچ سکتے تھے۔

بہر حال اب اس کے بعد کی بات یہ ہے کہ اس سے زیادہ یہاں وقت گزاری میرے لیے ممکن نہیں تھا اور شاید یہ بات شمبھو ناتھ بھی جانتا تھا جس کا میں بے پناہ احترام کرتا تھا۔ شمبھو ناتھ نے کہا۔

''ترویدی! کیا اب تم یہاں سے جانا نہیں چاہو گے۔''

''جی مہاراج۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے من میں کیا ہے؟''

''ہاں...... اب تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میرے اپنے من میں کیا ہے؟''

''میں نے کبھی آپ کا من پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ مہاراج۔ یہ گرو کا احترام ہے۔''

''بھگوان تمہیں سنسار کی ہر وہ بڑائی دے، جو وہ کسی منش کو دے سکتا ہے۔ تم نے مجھے عزت دی ہے بھگوان تمہیں عزت دے گا میں تمہیں پریتی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔''

''جی مہاراج۔'' میں نے کہا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شمبھو ناتھ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا وہ غالباً ماضی کی کچھ داستانیں تلاش کر رہا تھا۔ وہ دیر تک گہری سوچوں میں گم رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''ایک بستی ہے چترپور اس کا نام پریتی اسی بستی کے ایک سنار روشن کمار کی بیٹی ہے۔ روشن کمار ایک غریب سا سنار ہے۔ چار بیٹے ہیں اس کے اور ان سب میں چھوٹی پریتی ہے۔ ایک غریب آدمی کے بچے شکل وصورت کے ایسے ہی ہوتے ہیں بھگوان کا کام ہے اور وہی جانتا ہے لیکن پریتی پیدا ہوئی تو لوگ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ غریب کے جھونپڑے میں چندرما اتر آیا تھا۔ بہت خوبصورت بچی تھی۔ ویسے تو بھگوان نے حسن کسے کسے دیا ہے۔ یہ وہی جانتا ہے لیکن پریتی کی خوبصورتی کے چرچے سنسار میں چاروں اور پھیل گئے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ پریتی بڑی ہو گئی اور اس کی خوبصورتی نکھرتی

رہی۔ من کی بھی بہت اچھی تھی جب جوانی کی سرحدوں میں داخل ہوئی تو رشتے ناتے داروں نے اپنے اپنے لڑکوں کے لیے کوششیں کرنا شروع کر دیں۔ روشن کمار اور ان کی دھرم پتنی بے چاری سیدھے سادے لوگ تھے۔ رشتے ناتے داروں سے انھوں نے یہی کہا کہ بھائی کرنی کسی ایک سے کرنی ہے۔ ہم نے اپنی بٹیا کی سگائی۔ سارے کے ساروں کا تو من نہیں رکھ سکتا۔ ہر شخص زور دینے لگا۔ بات بس اس کی خوبصورتی کی تھی۔

پھر روشن کمار نے گھبرا کر فیصلہ کیا کہ اب پریتی کا نام خاندان کے کسی لڑکے کے نام کے ساتھ شامل کر ہی دیا جائے۔ تاکہ دوسروں کی زبانیں بند ہو جائیں۔ اس نے اپنی دھرم پتنی سے مشورہ کیا کہ پریوار میں جتنے لڑکے ہیں پریتی کے لیے ان میں سے کون سا لڑکا بہتر رہے گا۔ سیدھی سادی دھرم پتنی کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔

لیکن پریتی کو اپنے بارے میں اندازہ تھا۔ بچپن ہی سے اس نے اپنے سپنوں کے شہزادے کے خواب دیکھے تھے اسے اپنے روپ کا بھی سوبھاؤ تھا۔ اور وہ جانتی تھی کہ وہ محلوں کی رانی بننے کے قابل ہے۔ پھر کسی کٹیا میں کیوں جائے۔ منش اپنا ہوش اپنے من میں طے کر لیتا ہے۔ سو اس نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اور یہ گناہ نہیں ہے کہ اپنے لیے اچھائیاں تلاش کی جائیں۔

سو اس نے اپنی ہمت سے کام لے کر اپنے ماتا پتا سے صاف صاف کہہ دیا کہ پریوار میں ایک بھی ایسا نہیں جو اس کی تقدیر کا مالک بن سکے وہ بے چارے ہکا بکا رہ گئے۔ روشن کمار نے کہنا بھی چاہا کہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو پھر کیا کرے گی لیکن بیٹی کا لہجہ ایسا تھا کہ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ سارا کیا دھرا بے کار جائے گا اور پریتی کسی طور خاندان کے کسی لڑکے سے شادی نہیں کرے گی۔

بہر حال وہ خاموش ہو گئے۔ یہ علاقہ ایک ریاست چتری کا حصہ تھا اور چتری کے مہاراج کنور رادھن نے اس بستی کے اس خوبصورت علاقے میں اپنا محل بھی بنا رکھا تھا۔ راجہ رانی اور محل کے دوسرے لوگ اکثر یہاں آیا کرتے تھے۔ اور اس محل میں ٹھہرا کرتے تھے۔ دور دور تک کھیتوں کی ہریالی تھی۔ باغوں کی بہار تھی۔ اور کبھی کبھی پریتی بھی اس طرف نکل جایا کرتی تھی۔ وہ بھی ساون کے دن تھے۔ درختوں پر آموں کی بہار، کوکوں کی کوک، پریتی ایک کوئل کی نقل کر رہی تھی۔ کوئل بولتی اور وہ بھی کوئل سے مشغول کرتے ہوئے اس کی آواز میں

ہو نے لگی۔ کنور راد ھن کے بیٹے پر میت نے اسے دیکھا اور دھرتی کی اس اپسرا کو دیکھ کر اس کا من ڈول گیا۔

وہ اس کی آنکھوں میں رچ بس گئی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پر یتی اس کی آنکھوں سے بے پرواہ کوئل کی نقل اتارتی رہی اور پر میت پاگلوں کی طرح چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ وہ پر میت کو دیکھ کر چونک پڑی اور پھر اپنے گھر بھاگ گئی۔ پر میت کا دوست پر بجیت بھی زیادہ دور نہیں تھا اور وہ اپنے دوست کو اس طرح بدمست دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ پر میت راج پتھر کے بت کی طرح کھڑا ان راستوں کو دیکھتا رہا۔ جدھر سے پر یتی گزر گئی تھی۔ تب پر بجیت اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے پر میت سے کہا۔

"کیا ہو گیا راج کمار جی؟"

"پر بجیت یہ کون تھی؟"

"دیکھا نہیں کوئل تھی۔ درخت سے اتر کر کوک رہی تھی۔"

"نہیں...... کوئل تو کالی ہوتی ہے۔" پر میت نے کہا۔

"یہ گوری کوئل تھی۔"

"پر بجیت مذاق نہ کر۔ میں تو اسے دیکھ کر پاگل ہو گیا ہوں۔"

"ہرے رام...... ہرے رام اب کیا ہو گا مہاراج؟"

"پر بجیت اگر یہ مجھے نہ ملی تو میں آتما ہتھیا کر لوں گا۔"

"ایک تو تم راج کماروں کے اندر یہ بڑی خرابی ہوتی ہے کہ ہر تیسری لڑکی کو دیکھ کر آتما ہتھیا کر لیتے ہو۔" پر بجیت نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"بھگوان کی سوگند کھاتا ہوں پر بجیت۔ میں اس کے بنا جیتا نہیں رہوں گا۔"

"ارے مہاراج، اتنا آگے نہ بڑھو کہ واپس لوٹنا مشکل ہو۔ جانے کون ہے۔ کیا ہے، کہاں رہتی ہے، کس کی بیٹی ہے۔ نہ پتا نہ نشان اور تم نے اتنی دور کی ٹھان لی۔"

"تو آخر کس لیے ہے؟"

"میں۔"

"تو اور کیا؟"

"میں کیا کر سکوں گا؟"

"دیکھ پر بجیت اگر تو میری باتوں کو مذاق سمجھ رہا ہے تو بھگوان کا واسطہ ایسا نہ سمجھ میں واقعی اس سے من ہار گیا ہوں۔"

"نام بتایا تھا۔ اس نے اپنا؟"

"ارے اس سے تو ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ بس مجھے دیکھا اور بھاگ گئی۔"

"تو پھر کیا کیا جائے؟ نہ پتا نہ نشان۔ نہ نام نہ ٹھکانہ، میں کیسے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں گا۔"

"یہ ایک بہت بڑی بستی نہیں ہے۔ تو ابھی یہاں سے گزرے گا کوئی نہ کوئی تجھے ایسا مل جائے گا۔ جس نے اسے دیکھا ہو گا۔ اس سے تو اس کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ یہ کام میں بھی کر لیتا مگر کیا کروں لوگ مجھے پہچانتے ہیں اور بات پتا جی تک فوراً ہی پہنچ جائے گی۔ دیکھ پر بجیت دیر نہ کر اب اگر تو نے دیر کی تو بات خراب ہو جائے گی پھر کسی نے اسے دیکھا بھی ہو گا اسے تو بھول جائے گا وہ۔"

پر بجیت گردن ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ لوگ کھیتوں پر کام کر رہے تھے۔ پر بجیت نے مختلف لوگوں سے ابھی ابھی ادھر سے گزرنے والی لڑکی کے بارے میں پوچھا۔ اور پھر ایک اور لڑکی ایسی مل گئی جس نے پر بجیت کو بتایا وہ تو پر یتی ہے۔ روشن کمار ستار کی بیٹی۔ پر بجیت نے کچا کام نہیں کیا۔ وہ چلتا رہا اور روشن کمار کے بارے میں ساری معلومات کر آیا۔ وہ کہاں رہتا ہے کیا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے پر یتی کو بھی دیکھ لیا جو وہاں سے سیدھی گھر واپس آ گئی تھی اور پھر وہ پکی جانکاری لے کر اپنے دوست کے پاس پہنچا۔ پر میت بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ پر بجیت کو دیکھ کر اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"کچھ پتا چلا؟"

"ہاں...... ہم نے سچ ہی کہا تھا وہ کوئل ہی تھی۔ جو اپسرا بن کر دھرتی پر اتر آئی تھی۔ اور پھر ساون کی ہواؤں کے ساتھ آسمان پر اڑ گئی۔"

"اگر تو مذاق کر رہا ہے پر بجیت تو تیرا یہ مذاق اچھا نہیں ہے اور میں اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ بجائے اس کے کہ جو کام کرنے تجھے بھیجا گیا ہے اس کے بارے میں ہاں یا ناں کی خبر دے تو مذاق کر رہا ہے مجھ سے۔"

پر بجیت سنگھ جلدی سے بولا۔ "ارے...... ارے مہاراج، من میں جب پریم جاگتا

ہے تو سنش بہت ٹھنڈا ہو جاتا ہے آپ تو گرما گرم ہو رہے ہیں۔ ارے آپ کا یار پرجیت کسی کام کا پتہ لگانے جائے اور اسے خبر نہ ہو سکے۔'' پرجیت نے کہا اور پرمیت اسے گھورنے لگا۔

''معلوم کر آیا؟''

''نہ صرف معلوم کر آیا۔ بلکہ اس کا پتا ٹھکانہ بھی دیکھ آیا ہوں اور خود اسے بھی دیکھ آیا ہوں، جب من چاہے جا کر اسے دیکھ لو۔''

''پرجیت کون ہے وہ؟ کہاں رہتی ہے۔ ماتا پتا کون ہیں اس کے۔''

''اس کے پتا کا نام روشن کمار ہے اور وہ سنار کا کام کرتا ہے۔ بس اتنی سی کہانی ہے۔ روشن کمار کی اکیلی بیٹی ہے وہ...... نام ہے اس کا پریتی چار بھائیوں کی بہن۔''

''پریتی۔'' پرمیت کے چہرے پر زندگی ابھر آئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں بھگوان کی سوگند وہ پریت کے قابل ہی ہے۔''

پرجیت مسکراتی نظروں سے ہرمیت سنگھ کو دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

''لیکن مہاراج اب کیا کریں گے؟''

''یہی سوچ رہے ہیں پرجیت کہ اب کیا کریں گے؟''

''وہ سنار کی بیٹی ہے اور آپ راج کمار ہیں۔ یہ بیل کس طرح منڈھے چڑھ سکے گی۔''

''اسے منڈھے چڑھانا ہے۔ پرجیت تو ہمارا دوست ہے کوئی ترکیب بتا۔''

''ویسے تو یہ قصے کہانیاں راج کماروں کے نام کے ساتھ بہت بار بنی ہیں لیکن یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ کہانیاں اس طرح ہمارے سامنے آ جائیں گی۔ مہاراج ایک سیدھا سادہ راستہ ہے۔''

''وہ کیا؟''

''رانی جی کے سامنے من کھول دیں وہ اگر آپ سے متفق ہو گئیں تو سمجھ لیں کہ کام بن گیا۔''

''بڑی گڑبڑ ہے۔ پرجیت، بہت سی باتیں من میں آتی ہیں۔''

''کیا، کیا؟''

''پہلی بات تو یہ کہ پریتی بھی ہمیں سویکار کرے گی یا نہیں، دوسری بات یہ کہ کہیں

مہارانی جی یہ نہ کہیں کہ وہ ایک سنار کی بیٹی ہے اور ہم کسی سنار کی بیٹی کو راج محل میں نہیں لا سکتے۔ بہت سی باتیں ہیں جن کے بارے میں سوچتا ہوں۔''

''پریتی سے ملاقات کا کوئی بندوبست کیا جائے؟''

''کیسے؟''

''کوشش کرتا ہوں۔'' پرجیت نے کہا اور پھر وہ ان کوششوں میں مصروف ہو گیا۔

لیکن یہ ایک سچ ہے ترویدی کہ پریتی بہت سیدھی سادی لڑکی تھی اپنے جیون کے لیے اس نے ایک راستہ ضرور چنا تھا لیکن سیدھے سیدھے راستے پر چلنے کی عادی تھی۔ چنانچہ پرجیت کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہو سکی۔ وہ دوبارہ پرمیت سے ملنے نہیں گئی۔ اور اب جب کہ اس نے مجھ پر اپنے من کی کہانی کھولی ہے۔ تو وہ یہی کہتی ہے کہ اس نے پرمیت راج کو دیکھا ضرور تھا۔ لیکن اس کے بعد اس کے سپنے، وہ تو جیون میں اپنا ایک مقام چاہتی تھی۔ اس سے آگے اس نے بھی کچھ نہیں سوچا تھا لیکن پرمیت راج پرجیت کی ناکامی کے بعد سیدھا اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اس نے رانی کندھاری سے کہا۔

''ماتا جی ایک بات کہنا چاہتا ہوں میں آپ سے جسے کہنے کی شاید کبھی ہمت نہ کرتا لیکن کیا کروں، من مجبور کر رہا ہے کہ آپ سے من کی بات کہہ دوں۔''

''کیا بات ہے پرمیت، کہو کیا بات ہے بیٹا؟'' اور پرمیت نے پوری کہانی اپنی ماں کندھاری کو سمجھا دی۔ کندھاری کے من میں ہمیشہ یہ خیال تھا کہ اپنے بیٹے کا گھر بسائے، اور وہ اس کے لیے چاروں طرف نظریں دوڑا رہی تھی۔ اب جو پرمیت راج نے اپنی من پسند کا اظہار کیا تو ماں کے دل میں سوئی ہوئی آرزوئیں جاگ اٹھیں۔ اس نے پرمیت راج سے پریتی کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم کیں اور کہا۔

''تو چنتا مت کر پرمیت راج میں فوراً ہی کوئی نہ کوئی بندوبست کرتی ہوں۔'' پرمیت راج نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

''ماتا جی بس اتنا سا کرودھ ہے من میں کہ کہیں آپ یہ نہ سوچیں کہ وہ ایک سنار کی بیٹی ہے اور ہم راجا۔ آپ تو خیر بہت اچھی ہیں مگر مجھے پتا جی سے خطرہ ہے۔''

''تو نے بہت اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا۔ اب میں یہ دیکھتی ہوں کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟''

ماں کا آشیرباد پا کر پرمیت راج کا کلیجہ ہاتھوں بڑھ گیا تھا۔ اس نے پرنجیت کو خوشی خوشی بتایا کہ ماتا جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ پرنجیت بھی خوش ہو گیا پھر یوں ہوا کہ رانی کندھاری نے سنار کے پاس کچھ گہنے بنانے کے لیے بھیجے، بہت سے گہنے تھے۔ سنار تو خوشی سے پاگل ہی ہو گیا۔ مہاراج جی کا کام اسے ملا تھا۔ اب تو وارے نیارے ہو سکتے تھے۔ بہت عرصے سے اس کے من میں یہ آرزو تھی کہ کسی طرح سے اس کے بنائے ہوئے گہنے رانی کندھاری کی نظروں سے گزر جائیں۔ اگر اسے وہاں کا کام مل جائے تو اس کا جیون بن جائے۔ اس نے بہت سے سندر زیورات بنائے اور رانی کو پیش کیے رانی نے ان زیورات کو دیکھ کر بے حد پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور سنار روشن کمار سے کہا۔

''روشن کمار سنا ہے تیری بیٹی بہت سندر ہے۔ میں اسے یہ پہنا کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ گہنے اس پر کیسے لگیں گے۔ اصل میں یہ گہنے میں نے اپنے بیٹے پرمیت راج کی بہو کے لیے بنوائے ہیں ذرا دیکھنا چاہتی ہوں کہ جب میرے بیٹے کی بہو یہ پہنے گی تو کیسی لگے گی تو ایک تکلیف تو کر اپنی بیٹی پریتی کو محل میں بھیج دے میں اسے یہ گہنے پہنا کر دیکھنا چاہتی ہوں اسے عزت آبرو کے ساتھ واپس تیرے گھر بھیج دیا جائے گا۔''

روشن کو یہ بات ذرا بھی بری محسوس نہ ہوئی۔ اور وہ خود ہی پریتی کو لے کر محل آ گیا۔ رانی کندھاری پریتی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی اس نے اندازہ لگا لیا کہ پرمیت کا بے قابو ہو جانا کوئی انوکھی بات نہیں پریتی ہے ہی اتنی خوبصورت۔ روشن کمار کو اس نے واپس کر دیا۔ اور کہا کہ پریتی میرے ذمے ہے۔ میں اسے کچھ دیر کے بعد واپس بھجوا دوں گی پھر اس نے پریتی کو سارے گہنے پہنا کر دیکھے۔ اس کے چہرے کا بناؤ سنگھار اس نے اپنی خاص خادماؤں سے کرایا۔ اور خود بھی پریتی کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئی۔ ترودیدی...... پریتی کو یہ گہنے پہنا کر اور ایک خوبصورت سی ساڑھی میں ملبوس کر کے رانی کندھاری اسے دیکھ رہی تھی کہ مہاراج رادھن اندر آ گئے۔ انھوں نے پریتی کو دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ اور پتھر کے بت کی مانند کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ رانی کندھاری نے ان سے کہا۔

''کیسی ہے لڑکی کنور رادھن مہاراج؟'' رادھن مہاراج چونک پڑے اور آہستہ سے بولے۔

''کون ہے یہ...... کیا آکاش سے اتری ہے؟''

''یہی سمجھ لو...... کیسی لگ رہی ہے؟''

''کاش یہ چندرما ہمارے گھر میں اتر آئے۔'' رادھن مہاراج نے کہا۔

''سوچ لیجیے کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

''بھگوان کی سوگند ہم من سے چاہتے ہیں؟'' رانی خوش ہو گئی گویا اب پرمیت کا کام اور بھی آسان ہو گیا تھا اس نے کہا۔

''یہ روشن کمار سنار کی بیٹی ہے۔ اور ہم نے سنار سے گہنے بنوائے تھے اور یہ گہنے اسے پہنا کر دیکھ رہے تھے۔''

رادھن مہاراج خاموش ہو گئے اور پریتی کو واپس اس کے گھر پہنچا دیا گیا۔ روشن کمار، کو اتنا کچھ دیا گیا کہ وہ نہال ہو گیا اور اس نے خوشی خوشی اپنی دھرم پتنی سے کہا کہ اب تو کسی نہ کسی طرح پریتی کا بیاہ کہیں نہ کہیں کر ہی دیا جائے۔ اچھی طرح رخصت کر دیا جائے گا اسے، بعد میں بیٹے رہ جاتے ہیں تو بیٹوں کی مجھے کوئی چنتا نہیں ہے۔''

رانی کندھاری نے پرمیت سے کہا کہ مہاراج رادھن نے بھی اسے پسند کر لیا ہے اور اب اسے اپنی بہو بنا کر لانے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ میں بہت جلد اس سلسلے میں قدم اٹھاؤں گی۔ پھر وہ واپس ریاست چلے گئے لیکن رادھن کسی اور چکر میں تھے۔ انھوں نے جو الفاظ کہے تھے اس کا مطلب وہ نہیں تھا جو رانی کندھاری سمجھی تھی کنور رادھن مہاراج نے ریاست کے دیوان سے اپنے من کی بات کی اور بولے۔

''بھگوان کی سوگند دیوان جی اوہ لڑکی ہماری ہونی چاہیے۔ تم ایسا کرو بہت سا مال و دولت لے کر روشن کمار سنار کے پاس چلے جاؤ۔ چتر پور میں جا کر اس سے کہو کہ اس کی بیٹی تو راج محل میں جانے کے قابل ہے۔ اور وہ کسی اور سے اس کا بیاہ نہ کرے۔ جاؤ اور اس سے کہنا کہ ہمارے دوسرے سندیس کا انتظار کرے۔ سو ریاست کے دیوان جی مہاراج کنور رادھن کی ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ گئے اور پہنچنے کے بعد اس نے وہی سب کچھ کہا جو کنور رادھن مہاراج نے کہا تھا روشن کمار حیرت سے پاگل ہو گیا اس نے کہا۔

''مہاراج کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔ مہاراج پریتی کو اپنے محل میں جگہ دینا چاہتے ہیں تو میرے اور پریتی کے بھاگ ہیں۔ ان سے کہنا روشن کمار آپ کا داس ہے اور آپ کی مرضی کے بنا کچھ نہیں کر سکتا۔''

چنانچہ دیوان جی واپس آ گئے۔ ادھر رانی کند ھاری سوچ رہی تھی کہ پرمیت راج کے لیے روشن کمار کے کانوں میں بات ڈال دے۔ سو ایسا ہوا کہ وہ خود ہی چتر پور پہنچ گئی۔ اس نے روشن کمار کو خفیہ طریقے سے محل میں بلوا لیا۔ اس نے کہا۔

"روشن کمار بات یہ ہے کہ تمھاری بیٹی پریتی ہمیں پسند آ گئی ہے اور ہم اسے اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے بیٹے پرمیت راج کو تم نے دیکھ لیا ہوگا اور ویسے بھی راج کماروں کا کیا دیکھنا لیکن پرمیت عام قسم کا راج کمار نہیں ہے۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے پھر تمھاری بیٹی ہماری نگاہوں میں رہے گی۔ تم کسی قسم کی چنتا مت کرنا۔" روشن کمار نے کہا۔

"مہارانی جی میں تو پہلے ہی ہاں کر چکا ہوں۔ دیوان جی، مہاراج کا پیغام لے کر آئے تھے۔"

"اچھا کب؟"

"ابھی زیادہ سے کہاں گزرا ہے۔"

"چلو یہ تو بہت اچھا ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ مہاراج کے من میں بھی وہی ہے جو ہمارے من میں۔" چنانچہ رانی کند ھاری مطمئن ہو کر چلی گئی۔

ادھر مہاراج رادھن اپنے دیوان کی معرفت تمام تیاریاں کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ یہ شادی خفیہ طریقے سے ہوگی۔ ضروری نہیں کہ بہت سے لوگ جمع ہوں۔

"باجے گاجے اور ڈھول تاشے ہوں تم چتر پور جا کر روشن کمار سے کہہ دو کہ ہم بارات لے کر آ رہے ہیں اور اس کے لیے کوئی دن مقرر کر دو۔"

دن تاریخ وغیرہ طے ہوئی اور دیوان جی ساز و سامان سے لدا ہوا روشن کمار کے ہاں پہنچ گیا۔ چتر پور میں راج محل کی بارات کا انتظام کیا جانے لگا روشن کمار نے اپنی بساط بھر جو اسے کرنا تھا وہی کیا اور اس کے بعد بارات چتر پور پہنچ گئی۔

لیکن جب پرمیت راج کے بجائے مہاراج کنور رادھن دولہا بنے ہوئے نیچے اترا تو روشن کمار ساکت رہ گیا۔ اس کے دیوتا کوچ کر گئے تھے۔ وہ بری طرح پریشان ہو گیا اس نے دیوان جی کو الگ لے جا کر کہا۔

"یہ کیا ہے، مہاراج؟"

"کیا؟"

"دولہا کون ہے؟"

"ہمارے مہاراج۔"

"مگر کیوں؟"

"کیا مطلب ہے تمھارا؟" دیوان جی حیرانی سے بولے۔

"مجھے تو بتایا گیا تھا کہ یہ رشتہ پرمیت راج کے لیے مانگا گیا ہے۔"

"پاگل ہو گئے ہو۔ روشن کمار، موت آ رہی ہے کیا تمھاری۔ رشتہ مہاراج نے اپنے لیے مانگا تھا اور میں نے تم سے انھی کے لیے بات کی تھی۔"

"مگر راج کماری کند ھاری نے تو پرمیت کے لیے بات کی تھی۔"

"کب؟"

"وہ کئی بار آ چکی ہیں اور ان سے بات پکی ہو گئی ہے۔" روشن کمار نے بتایا اور دیوان جی بھی پریشان ہو گئے۔ وہ دیر تک سوچتے رہے۔ پھر انھوں نے کہا۔

"دیکھو روشن کمار یہ راج محلوں کے کھیل ہیں۔ وہ مہاراج اور راج کمار۔ آگے کا کام مہاراج کے لیے چھوڑ دو۔ اپنا معاملہ وہ خود سنبھال لیں گے۔ بارات آ چکی ہے۔ تم پھیرے کرا دو...... بعد میں اپنا معاملہ وہ خود نمٹا لیں گے۔"

روشن کمار کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اب اگر بیاہ سے انکار کرتا ہے تو اس کے پریوار کے ٹکڑے کر دیے جائیں گے مہاراج بارات خالی لے جانے سے تو رہے۔ مگر دوسری طرف بیٹی کا خیال بھی تھا وہ اندر آ گیا اور اس نے رو رو کر یہ بات پتنی اور بیٹی کو بتا دی۔ سب کا برا حال ہو گیا تھا روشن کمار نے بیٹی سے بنتی کی کہ ماتا پتا اور بھائیوں کی جان بچانے کے لیے وہ اپنا بلیدان دے دے۔ میں باہر جا کر پھیروں کی تیاری کرتا ہوں۔ روشن کمار کی ماں تو رونے پیٹنے میں لگ گئی مگر پریتی خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور چپ چاپ وہاں سے باہر نکل گئی۔

اس کے گھر کے پچھواڑے کچھ دور ایک اندھا کنواں تھا وہ خاموشی سے اس کنوئیں میں کود گئی۔ اس نے گہنے اور کپڑے کنوئیں کے کنارے رکھ دیے تھے تا کہ دوسروں کو پتہ چل جائے۔

"مگر بھیا تر دیدی! ہم بھاگ بھرے اس کنوئیں میں بیٹھے جاپ کر رہے تھے۔ سب

سے بڑھیا جگہ ہمیں وہی نظر آئی تھی۔ یہاں کوئی نہ آتا تھا۔ ارے دیا رے دیا، گردن ہی ٹوٹ گئی تھی ہماری چوٹ تو ہمیں لگی تھی وہ تو ہمارے اوپر گری تھی۔ وہ تو بے ہوش ہوئی تھی ہم بھی ہو گئے۔ پھر ہم دونوں کو ساتھ ساتھ ہوش آیا تھا اس نے ہمیں اپنی کہانی سنائی اور ہم اسے کنوئیں سے لے کر نکل آئے۔ تب سے وہ ہمارے پاس ہے۔''

میں حیرت و دلچسپی سے یہ کہانی سن رہا تھا۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ اور پوچھا۔

''دولہا میاں کا کیا ہوا؟''

''ہمیں کیا معلوم۔'' شمبھو ناتھ نے کہا اور میں عجیب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ عجیب کہانی تھی انسانوں کی ایک اور انوکھی کہانی جسے بہر حال آگے بڑھنا تھا لیکن کیسے......؟ کیسے؟

بہت دیر تک میں خاموشی سے شمبھو ناتھ کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''بہت عجیب کہانی ہے۔ مہاراج شمبھو ناتھ۔''

''ہاں...... ہے تو مگر تر ویدی، سنسار میں بہت سی کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔ یہ دو ٹانگوں والا جانور ایسی ہی کہانیوں کے بیچ جی رہا ہے اور یہی اس کے جیون کا کارن ہے۔''

''دو ٹانگوں والا جانور؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے شمبھو ناتھ کو دیکھا۔

''منش کی بات کر رہا ہوں۔ اصل میں تر ویدی تیرا واسطہ تو برسوں سے منش سے نہیں پڑا ہے۔ تُو اس کے جیون کی کہانی کو بہت تھوڑا سا جانتا ہے۔ اپنے بارے میں جو کچھ تُو نے مجھے بتایا، میں جانتا ہوں سب سچ ہے۔ تجھے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تیرا پیچھا تھا۔ جب تُو نے سنسار تیاگ دیا اور اس کے بعد تجھ پر پوری طرح دھن راج کا تسلط رہا۔ اور تُو سنسار سے دور ہی دور رہا۔ چنانچہ تجھے سنسار کی کہانیاں بہت تھوڑی سی معلوم ہیں۔''

''یہ سچ ہے شمبھو ناتھ مہاراج، میں تو یوں سمجھو کہ اب ہوش کے عالم میں سنسار باسیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ کیسے ہیں یہ سارے کے سارے سب کے سب لوبھی، سب کے سب ہتھیارے، ایک دوسرے کے جیون کے بیراگی، یہ سب ایک دوسرے سے پریم کیوں نہیں کرتے مہاراج؟''

''بھگوان نے تو پریم کو بنیاد بنا کر سنسار جنم دیا تھا مگر کیا کیا جائے ایک پریم بیراگی بیچ میں آ گیا۔''

''کون؟''

''شیطان پھر ویسے بھی بھگوان کے کام نیارے ہی ہوتے ہیں۔ آخر اسے بھی تو کچھ نہ کچھ دیکھنا تھا اپنے بنائے ہوئے اس سنسار میں سو شیطان آ گیا، منش کے بیچ اور اس نے اپنا کھیل شروع کر دیا۔ میں تو سمجھتا ہوں اگر شیطان بیچ میں نہ آتا تو سنسار کے سارے کام ہی رک جاتے منش بس ایک دوسرے سے پریم تے اور جیتے۔ اس طرح سنسار کا رنگ الگ ہو جاتا اور پھر سورگ کی اہمیت نہیں رہتی۔ سورگ بھی تو بنایا ہے۔ بھگوان نے اور اس میں منش ہی رہیں گے بھلا کیا فرق محسوس ہوتا انہیں۔ نرکھ اور سورگ میں۔ سو سنسار ایک طرح سے نرکھ ہی بن گیا اور سورگ سورگ ہے۔''

میں شمبھو ناتھ کی باتوں پر غور کرتا رہا اور پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک کہتے ہیں مہاراج۔''

''سو یہ کہانی سن لی تُو نے؟''

''ہاں مہاراج۔''

''اب تُو جانتا ہے تر ویدی گرست گری کے چار بچوں کا گیان کتنا مہنگا پڑا تجھے۔''

''میں سمجھا نہیں مہاراج۔''

''اس گیان کا دان دے دے تُو۔''

''دان۔''

''تو اور کیا۔''

''میں کیا دان دے سکتا ہوں مہاراج۔''

''تُو کیا سمجھتا ہے پر تی، ایسے ہی پہاڑیوں میں جیون بتا دے گی۔''

''جی!'' میں نے حیرانی سے کہا۔

''ہاں...... تر ویدی تُو جانتا ہے کہ میں کتنا کمزور اور بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے جیون کی کہانی تو بہت تھوڑی ہی رہ گئی ہے۔ ارے باؤلے میں تو نجانے کہاں ہوتا، اس سنسار میں مرنے کے لیے اگر کوئی ایسی جگہ مل جائے، جہاں منش کا سایہ تک نہ ہو۔ تو اس سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں ہوتی۔ میں نے تو یہی سوچا تھا اپنے جیون کی کہانی ختم کرنے کے لیے بس سنسان جھرنے ہوں، آس پاس پرندے ہوں گے۔ جنگل درخت ہوں گے۔ ہوائیں

ہوں۔ اور جب منش جیون کی بازی ہار جائے تو اس کے آس پاس اس کے لیے رونے والے یہ معصوم پرندے ہوں اور کوئی نہ ہو۔ سنسار باسی تو بڑے کالے دل والے ہو گئے ہیں۔ پاپی خلوص سے روتے بھی نہیں ہیں، ہر ایک کے من میں اپنا اپنا خیال ہوتا ہے اور وہ نجانے کیا کیا سوچتے ہیں۔ اگر کوئی کسی کے لیے آنسو بھی بہائے تو پایا تو اس کا اتنا اپنا ہو کہ آنسو اس کی آنکھوں سے نہیں من سے نکلیں اور اگر ایسا نہیں تو پھر رونے والے رونے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مہاراج سنسار میں واقعی ایسا ہی ہوتا ہوگا۔"

"ہوگا نہیں ارے ہوتا ہے دیکھے گا۔ اپنی آنکھوں سے، سب کچھ دیکھے گا اور پھر اپنے صدیوں کے گیان کو بھول جائے گا۔ اور سوچے گا کہ شمبھو مہاراج ہی ٹھیک کہتے تھے۔"

"آپ کی کسی بات کو میں نے کبھی غلط نہیں سمجھا۔ شمبھو مہاراج۔"

"واہ بھئی واہ تیرا اور ہم کیا کہیں۔"

"تو پھر میرے لیے کیا آ گیا ہے؟"

"دیکھ رے تر ویدی، بھگوان نے تجھے امر شکتی دی ہے تیرے شریر میں اتنی جان ہے کہ تُو یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تُو دیوتا سمان ہے پر انسان ہے انسانوں کے دکھ کو دیوتاؤں کی آنکھ سے نہیں دیکھتا۔ وہ تو مہان ہوتے ہیں۔ بڑائی سے سوچتے ہیں۔ زمین پر کھڑے ہو کر سوچنے والا تو منش ہی ہوتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ جس تن لاگے سو تن جانے تو منش کے جیون کے بارے میں جو کچھ جان سکتا ہے۔ دیوتا اس انداز میں نہیں جانتے۔ ان کے پاس تو دیا شکتی ہوتی ہے۔ بس ہاتھ اٹھایا اور سب کچھ کر ڈالا۔ پر منش کو کچھ کرنے کے لیے جو کٹھنائیں بھوگنی ہوتی ہیں۔ وہ الگ ہوتی ہیں۔ اور ان کا درد تُو ہی جان سکتا ہے۔ سو تر ویدی بھگوان نے تجھے جو شکتی دی ہے وہ دیوتاؤں کی شکتی ہے۔ پر تُو منش ہے۔ منش جیسے کام کرنا۔ اس بے چاری کو اپنے ساتھ لے جا اس کی بستی میں جا بھگوان کی سوگند مجھے نہیں معلوم کہ چتر پور میں اس کے پریوار کے ساتھ کیا ہوا۔

پھر بے چارہ وہ روشن کمار ستارا اپنی بیٹی کے غم میں اندھا ہی ہو رہا ہوگا۔ اس کی موت پر یقین کر چکے ہوں گے سارے کے سارے یا پھر ہو سکتا ہے کوئی اور بات ہو اگر کسی کے من کو تیری وجہ سے شانتی مل جائے تو یہ تو بڑی بات ہوگی۔"

"مجھے اس سے انکار نہیں ہے مہاراج لیکن بعد میں دوسرے پھر بھی تو آ سکتے ہیں کیا کنور راوسن دوبارہ کوشش نہیں کرے گا۔"

"تو پھر تیرا کام ہی کیا اس کے ماتا پتا کے پاس میں بھی پہنچا دیتا اور کچھ نہیں تو اتنا سے گزرنے کے بعد بستی کے کنارے ہی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اپنے گھر چلی جاتی اصل میں یہی تو سوچ رہا ہوں کہ میں کیا کروں۔ اس کے لیے میرے پاس شریر شکتی تو ہے نہیں کہ سنسار سے لڑ جھگڑ کر اپنا کام کرا لوں۔ جہاں تک گیان شکتی کا تعلق ہے تو وہ بھی بس اتنی ہے کہ کام چل جائے۔ اب بھگوان نے تیرا سہارا دیا ہے۔ تو کیا یہ بھی تجھے میں ہی بتاؤں کہ تجھے اسے کنور راوسن سے کیسے بچانا ہے۔"

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں گرو مہاراج میں ایسا کام کر لوں گا۔ مجھے اس کی چنتا نہیں ہے۔ بس مجھے تو آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ مجھے کرنا کیا ہے؟"

"اگر مجھ سے پوچھتا ہے تو میں بس اتنا ہی کہوں گا۔ تر ویدی کہ پریتی کو اس کا جیون دے دے۔ بھگوان کی سوگند ویسے تو سنسار میں جو بھی مجھے ملا اور جس کے جتنا کام آ سکا اتنا کام میں ضرور آیا لیکن پریتی کی بات اور ہے۔

"میں نے سنسار میں کبھی من کے سودے نہیں کیے کسی کو اپنی پریم کا نہیں بنایا۔ کوئی میرے جیون میں ایسے نہیں آیا کہ بس اس سے رشتے بن جائیں۔ پر پریتی سے میرا رشتہ بن گیا ہے۔ بیٹیوں جیسا مانا ہے میں نے اسے اور اس نے بھی میری ایسے ہی سیوا کی ہے۔ یہ تر ویدی! سنسار میں رہ کر منش اتنا لوبھی نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہی بارے میں سوچے ارے یہ سارے سنسار کا کام ہے۔ جو سنسار تیاگ دیتے ہیں۔ وہ تو ایسے نہیں سوچتے اس کا جیون پڑا ہوا ہے۔ میں یہ سوچ سکتا تھا کہ چلو اچھا ہے جیون کے آخری سانس تک وہ میرا ساتھ دے گی۔ لیکن پھر، پھر اس کا کیا ہوگا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مہاراج۔ میں پریتی کو چتر پور لے جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"چتر پور لے جانا روشن کمار کے بارے میں معلوم کرنے میں تجھے کوئی دقت نہیں ہوگی اور پھر پریتی بھی اپنا گھر پہچانتی ہے بس تُو یہ کرنا کہ اس سے تک ان لوگوں کا ساتھ دینا

جب تک تجھے یہ وشواس نہ ہو جائے کہ اب ان کے جیون کا پیراگی کوئی نہیں ہے۔ اور ہاں ایک بات تیرے کان میں ڈال دوں۔ سنسار میں پریم کی بات ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ پریم کے بنا تو یہ سنسار سرسبز ہی نہ ہوتا۔ پریم بھاؤنا ہر من میں موجود ہوتی ہے اور بے چاری پریتی بھی اس سے خالی نہیں ہے وہ بھی کسی سے پریم کرتی ہے۔''

''کس سے؟''

''پرمیت راج سے۔ یہ بات میں نے اپنے گیان سے معلوم کی تھی اس کے ہونٹوں سے نہیں۔''

''اوہو...... اچھا...... مگر تم تو کہہ رہے تھے مہاراج۔''

''جو کچھ کہہ رہا تھا اسے بھول جا۔ وہ پرمیت راج سے پریم کرتی ہے کیونکہ ناری جب اپنے من میں کسی کی صورت بٹھاتی ہے تو پھر یوں سمجھ لے کہ وہ یہ صورت ہی اس کا سنسار ہوتی ہے۔ وہ صورت ہی اس کا جیون ہوتی ہے۔ وہ اور بات ہے کہ اس کی زبان پر تالا پڑا ہوتا ہے۔ پرجھانکنے والی آنکھیں من کے اندر جھانک لیتی ہیں۔ ہو سکے اور پرمیت مل جائے تجھے تو ان دونوں کو ایک کر دینا۔ حالانکہ کنور رادھن بڑا خراب انسان تھا لیکن خرابیوں کو دور کرنے کے لیے ہی میں تجھے وہاں بھیج رہا ہوں۔''

''آپ چنتا نہ کریں، مہاراج، اگر ایسی بات ہے تو میں آپ کا سارا حکم آپ کی مرضی کے مطابق ہی پورا کروں گا۔''

''اگر تو اسے حکم سمجھتا ہے تو سمجھ لے اور کچھ نہیں ہے تو کم از کم ایک کمزور بوڑھا تو ہوں میں۔ کمزوری سے بھی محبت کی جاتی ہے طاقت کے پجاری تو سبھی ہوتے ہیں لیکن جو کمزوروں کو من میں بسائے اصل طاقت ور تو وہی ہوتا ہے۔''

''آپ کی باتیں بہت بڑی ہیں مہاراج۔''

''نہ رے...... سنسار میں منش کو جو کچھ سکھا کر بھیجا گیا ہے وہی ساری باتیں میں تجھ سے کہہ رہا ہوں اب یہ دوسری بات ہے کہ منش نے اپنی بھاشا الگ بنالی ہے۔ اور اس کارن بھوگ رہا ہے وہ جتنی پریشانیاں ہیں اس کی اپنی بھاشا کا کارن ہیں۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں تو مجھے کب جانا ہے مہاراج۔''

''اب جب یہ ساری باتیں ہو ہی گئی ہیں تو وہ جو کہتے ہیں ناں، کہ کل کرے سو آج

آج کرے سو اب، دیر کرنا تو کسی کام میں اچھا ہی نہیں ہوتا۔''

''پریتی سے تو بات کر لیں۔''

''ہاں...... تیرے سامنے ہی بات کر لیتے ہیں۔''

اس کے بعد شمبھو ناتھ مہاراج نے پریتی کو تلاش کر لیا۔ موہنی، مسکاتی اپنے کاموں میں مصروف تھی کہ شمبھو ناتھ مہاراج نے کہا۔

''چھوڑ دے پریتی سارے کام تو نے تو میرے شریر کو اپاہج بنا کر رکھ دیا ہے۔''

''ارے مہاراج تمہارے شریر کو کیا اپاہج بنا دیا میں۔ کیا یہ سارے کام میرے کام نہیں ہیں۔''

''نہیں پریتی بس تیرا فرض پورا ہو چکا ہے۔ اب تو ہماری جان چھوڑ، ہاں تیری وجہ سے بھگوان ہم سے دور ہو گئے ہیں۔'' شمبھو ناتھ نے کہا اور پریتی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے تھے پھر وہ آہستہ سے بولی۔

''مجھ سے کوئی بھول ہو گئی مہاراج۔''

''نا بھول تو ہم سے ہی ہوئی تھی۔ اچھے خاصے کنوئیں میں بیٹھے تپسیا کر رہے تھے کہ تو آن پڑی ہمارے سر، کھوپڑی اور گردن الگ توڑ دی اور اس کے بعد سے پیٹھ پر بوجھ مسلسل بنی ہوئی ہے۔''

''میں بوجھ بنی ہوئی ہوں۔ تمہاری پیٹھ پر۔'' پریتی نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''ہاں ری بیٹیوں کا بوجھ کتنا بھاری ہوتا ہے۔ تو کیا جانے باؤلی۔''

''دیکھو تو دیدی! یہ مہاراج کیا کہہ رہے ہیں کیا ہو گیا ہے انہیں آج۔ یہ تو مجھے بڑے من سے چاہتے تھے ہمیشہ مجھ سے پریم کرتے تھے۔ آج یہ جانے مجھے کیا کیا کہہ رہے ہیں۔''

''برا نہ مانو پریتی مہاراج ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''لو...... تم بھی انہی کی باتوں میں شامل ہو گئے۔''

''نہیں مہاراج نے مجھے جو کچھ بتایا ہے اس کے تحت مجھے ان کی ہاں میں ہاں ملانی ہی ہے۔''

''کیا بتایا ہے مہاراج نے؟''

''تمہاری کہانی۔''

''ہیں۔''

''ہاں تمھاری کہانی۔''

''کیوں بتادی آپ نے میری کہانی تروید ی کو مہاراج۔''

''اس لیے کہ اب اس کہانی کو آگے بڑھنا چاہیے۔''

''نہیں مہاراج۔ یہ کہانی اب میرے جیون کے ساتھ انہی خوبصورت پہاڑیوں میں ختم ہو جائے گی۔''

''یہ تُو کہہ رہی ہے پگلی۔ مگر تیرے بھاگ لیکھا میں یہ لکھا ہی نہیں ہے تُو جیون کی ساری خوشیاں پائے گی۔ ایسا سنہرا جیون بتائے گی تُو کہ دیکھنے والے تجھ پر رشک کریں گے۔ اس ناگ کو یہاں بلاوجہ نہیں بھیجا گیا۔ یہاں اسے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تیرے بھاگ اچھے ہوں...... تجھے تروید ی کے ساتھ جانا ہے۔''

''مگر کہاں؟'' پریتی چونک کر بولی۔

''چترپور بستی۔''

''وہاں...... وہاں تو مہاراج میرے سارے کے سارے دشمن ہی ہوں گے۔''

''ہاں کوئی وہاں تیرے ماتا پتا بھی تو ہیں۔''

''سو تو ہے...... لیکن...... لیکن۔''

''بس اب تیاریاں کر لے زیادہ سے نہیں ہے میرے پاس نہ تروید ی کے پاس۔''

میں نے پریتی کو دوہری کیفیتوں کا شکار پایا تھا کبھی اس کے چہرے پر مسرت کے آثار نظر آتے۔ اور کبھی وہ اداس ہو جاتی۔ بہر حال شمبھو ناتھ نے جو کچھ کہا وہ تو کرنا ہی تھا۔ جانے سے پہلے میں نے پریتی سے کہا۔

''چونکہ ہمیں ایک لمبا سفر کرنا ہے اور راستے پُر خطر ہو سکتے ہیں۔ تمھارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تھوڑا سا بھیس بدل کر......'' شمبھو ناتھ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تروید ی کی عقل تیرے ساتھ ہے اور پدم چندری نے یہ عقل اپنے لیے تیار کی تھی۔ لیکن بھگوان کے کھیل نیارے...... یہ اس کے کام نہ آ سکی۔ مگر تیرے کام آ رہی ہے وہ ٹھیک کہتا ہے بھیس بدلنا اچھا رہے گا۔''

☆☆☆

پھر پریتی نے اپنے چہرے پر ہلکا ہلکا بھبھوت مل لیا۔ ناک میں بڑی سی لونگ پہنی سر پر کوندنی اور اس کے بعد اوڑھنی اوڑھ لی۔ اوڑھنی اور گھیر دار لہنگا جیسے بنجارنیں ہوتی ہیں اور یہ روپ ان خانہ بدوشوں کا سا تھا۔ جنھیں میں نے دیکھا تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج سے پہلے جتنی بھی نظر آئیں وہ پریتی جیسی نہ تھیں۔ بے شک بھبھوت نے پریتی کے چندن جیسے رنگ کو مٹیالا کر دیا تھا لیکن اس کے حسین نقوش اس کے ہونٹوں کے گلاب اس کی آنکھوں کی دلکشی، اس کی چال کا بانکپن بھلا یہ بدلا ہوا بھیس کیسے چھین سکتا تھا۔ ہم جانے کے لیے تیار ہوئے۔

شمبھو ناتھ نے ہمیں رخصت کیا لیکن پریتی زار و قطار رو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے کاجل نے اس کے رخسار داغ دار کر دیے تھے شمبھو ناتھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں پریتو...... روتے نہیں بیٹا۔ بیٹیوں کا تو کام ہی یہ ہوتا ہے کہ بابا کے گھر سے رخصت ہوتی ہی ہیں وہ...... بس اب تُو جا۔ اور یہاں بعد میں کبھی ادھر پلٹنے کی کوشش مت کرنا۔ یہ کوشش تیرے لیے ہی نہیں میرے لیے بھی بڑی بری ثابت ہوگی۔ تروید ی! اب پریتی کی رکھشا تیری ذمہ داری ہے۔''

میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔ بہر حال یہ فرض پورا کرنا ہی تھا۔ خصوصاً اس لیے کہ شمبھو ناتھ نے مجھے ست گری کا گیان دیا تھا اور یہ گیان کا مجھ پر قرض تھا۔ سو میں پریتی کو لے کر چل پڑا۔ ایک حسین لڑکی کا ساتھ۔ جس کے انگ انگ سے مستی پھوٹے جس کی چال قدم قدم پر لاکھوں فتنے جگائے۔ بڑی تپسیا کی بات تھی کہ من میں کوئی میل نہ آئے۔ اگر میری عمر کا تجزیہ کیا جاتا تو بڑی بات ہے کہ نجانے کتنے بڑھاپے خود پر سے گزار چکا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابھی بھی ایسا ہی لگتا تھا کہ ابھی شروع ہی ہوئی ہے لیکن پختگی بہر طور تھی۔ خاص طور پر کردار میں جہاں غلاظتوں کو قریب نہ پھٹکنے دیا ہو۔ وہاں اپنے آپ کو بچانے کی صلاحیت

بھی رکھتا تھا۔ اور پریتی کے بارے میں تو یہ معلوم ہو ہی چکا تھا کہ وہ پریت راج کو دل میں رکھتی ہے سو اس کی طرف سے بھی کوئی ایسی ویسی بات نہ تھی۔

ہم دو ایسے بنجاروں کی طرح سفر کرتے رہے جو اپنی راہ بھٹکے ہوئے ہوں۔ منزل پر منزل آتی رہی۔ دن اور رات کا یہ سفر ہم نے آرام سے طے کیا تھا۔ شمبھو نا نے راستے بتا دیے تھے اور ان راستوں سے گزرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا۔ ہر وہ نشان مل رہا تھا جو یہ احساس دلا رہا تھا کہ ہمارا رخ چترپور کی جانب ہی ہے۔ سو پھر یوں ہوا کہ پانچ دن اور پانچ راتیں گزریں اور اس صبح جب سورج نے سر ابھارا تو ہمیں خانہ بدوشوں کی ایک چلتی پھرتی آبادی نظر آئی۔ چھوٹے چھوٹے ڈیروں کا شہر ڈال لیا گیا تھا اور اس کے درمیان خانہ بدوش چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت جس درے سے ہم گزر رہے تھے۔ یہ آبادی اسی درے کے آخری سرے پر تھی اور یہ ممکن نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم اس سے کترا کر نکل جائیں۔

پھر ہم اس آبادی کے پاس سے گزرے۔ اور ظاہر ہے ہمارا دیکھ لیے جانا کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ جو باعث تعجب ہو۔ اور میں اس کے لیے تیار تھا کہ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو اس سے نمٹ لیا جائے لیکن یہ خانہ بدوش پُرامن تھے اور بستی بستی کوچے کوچے سفر کرتے تھے۔ یہ نٹوں کا ایک قبیلہ تھا جو آبادیوں میں جا کر کھیل تماشے دکھایا کرتا تھا۔ ڈگڈگیاں اور سارنگیاں بیچتا تھا، کاغذ کے پھول بنا کر بیچتا تھا۔ اور اس طرح اپنے پیٹ بھرنے کا سامان کرتے تھے۔ یہ لیکن کام وہی کا وہی تھا۔ قبیلے کی تنظیم لازمی ہوتی ہے۔ اور جہاں تنظیم نہ ہو۔ وہاں برائیوں کا رواج ہوتا ہے سو یہاں بھی ایک تنظیم تھی قبیلے کا ایک سردار بھی تھا جس کا نام کپوررما تھا۔ بوڑھا کپوررما نہایت تندرست و توانا تھا اور قبیلے پر اس کی حکمرانی تھی۔ مجال ہے کہ کوئی اس کے حکم کے خلاف ایک پاؤں ادھر اُدھر رکھ جائے۔ سو اس نے ہمیں دیکھا چار آدمی ہماری طرف دوڑائے کہ ہمیں بلا کر لے آئیں۔ اور ہم نے بھی اس پُرخلوص دعوت کو رد نہ کیا اور بلانے والوں کے ساتھ چل پڑے تب کپوررما نے بڑے پیار سے ہمارا سواگت کیا اور کہنے لگا۔

"مہاراج ادھر سے گزر رہے تھے ہم نے سوچا کہ جل پانی پیش کر دیں۔ ہم غریب نٹ ہیں اور کھیل تماشے دکھا کر جیون بتاتے ہیں۔ تمھاری زیادہ سیوا تو نہیں کر سکیں گے لیکن جو تھوڑا بہت بھوجن پانی ہمارے پاس موجود ہے وہ کرتے جاؤ گے تو ہمیں خوشی ہوگی۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ مہاراج آپ کا کیا نام ہے؟"

"کپوررما ہے ہمارا نام نٹ ہیں پشتوں کے۔"

"میرا نام ترویدی ہے۔ اور یہ میری بہن پریتی۔" میں نے جواب دیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"ہم چترپور بستی جا رہے ہیں۔"

"ارے کیا سچ؟" کپوررما نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں مہاراج، لیکن آپ کو تعجب کیوں ہوا؟"

"تعجب نہیں خوشی ہوئی ہم بھی تو چترپور جا رہے ہیں۔ بس تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے ڈیرے اٹھانے ہی والے تھے۔ چترپور میں ہم ڈیرے لگائیں گے اور وہاں کافی دن رکیں گے بڑی اچھی جگہ ہے۔"

"واہ تو یہ اچھا ہوا۔" میں نے کہا۔

"اچھا نہیں بلکہ بہت اچھا ہوا۔ تمھیں بھی اکیلے سفر کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ اور پھر بٹیا بھی ساتھ ہے۔ ہمارے پاس جو بیل گاڑیاں ہیں ان میں تمھیں اور بٹیا کو بیٹھنے کے لیے آرام سے جگہ مل جائے گی۔"

"آپ کو تکلیف ہوگی مہاراج۔"

"نا...... ترویدی بھیا نا ایسی بات نہ کرو...... منش کے کام آ کر کسی کو کوئی تکلیف ہوئی ہے آج تک۔"

"بہت بہت شکریہ کپوررما جی میں آپ کے پاس آ کر بہت خوش ہوا ہوں۔"

اچھے لوگوں کے اچھے کام، ہمیں کھلایا پلایا گیا۔ میرے بارے میں تو خیر آپ کو معلوم ہی ہے کہ کھانا پینا میری زندگی کی ایک اہم ضرورت نہیں ہے لیکن پریتی کے لیے اچھا ہوا تھا کہ اسے آرام کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور باقی سفر کے لیے گاڑی بھی۔ سو یہی ہوا۔ بنجاروں نے ڈیرے اٹھائے تو میں نے بھی اپنا فرض پورا کیا۔ حالانکہ مجھے اس سے روکا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ مہمان کام نہیں کرتے لیکن میں نے کہا کہ کپوررما، مہاراج، مہمان جب تھا سو تھا۔ اب تو آپ کے قبیلے کا ایک ہمسفر ہوں اور اس کاروان کے سفر میں میرا بھی تھوڑا سا حصہ ہونا چاہیے۔ کپوررما نے مسکرا کر مجھے ڈیرے اکھاڑنے کی اجازت دے دی تھی۔ ابھی سارے

نیچے پوری طرح اکھڑے بھی نہیں تھے کہ اچانک ایک شور مچا اور میں چونک کر ادھر دیکھنے لگا کپوروما کچھ چھوٹے بچوں کے ساتھ ایک جگہ کھڑا ہوا ڈیرے اکھاڑنے کا کام ہو دیکھ رہا تھا کہ اچانک ہی مخالف سمت سے ایک سانڈ دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اور اسے دیکھ کر شدید ہیبت طاری ہوتی تھی۔ یہ لمبے لمبے سینگ جو سیدھے کھڑے ہوئے تھے۔ بدن اتنا تنومند اور طاقت ور کہ مانو کوئی چٹان لڑھکتی چلی آ رہی ہے۔ رخ اس سمت تھا جہاں کپوروما تین چار بچوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ فاصلہ بھی بہت کم تھا اس کے دوڑنے کی دہشت ناک آواز پہلے نہیں سنی جا سکی تھی سامنے کہیں جنگل سے آ نکلا تھا اور بس چند لمحے جا رہے تھے کہ وہ کپوروما کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا، کپوروما اور اس کے ساتھ موجود بچے تو خیر ایک لمحے میں اس کے نیچے آ کر کچلے جاتے اور وہ انھیں ہلاک کر دیتا لیکن اس کے بعد اس کا رخ باقی لوگوں کی جانب ہی تھا۔ اور اس وقت سوچنے سے کام نہیں چل سکتا تھا جو کچھ کرنا تھا ایک لمحے میں ہی کرنا تھا۔

میرے قریب ہی پریتی بھی کھڑی ہوئی تھی اور یہ حیرت ناک منظر دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ سانڈ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ بری طرح مستی میں تھا۔ بس پلک جھپکتے میں ایک چھلانگ نے مجھے کپوروما سے آگے پہنچا دیا۔ دوسرے بنجاروں نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ جس جس کی نظر پڑی تھی وہی چیخنے لگا تھا کپوروما اس طرح سکتے میں رہ گیا تھا کہ اپنی جگہ سے ہٹ بھی نہیں سکا تھا۔ لیکن پھر اچانک اس نے ان بچوں کو جو اس کے قریب موجود تھے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ وہ بچوں پر اپنی جان وار دینا چاہتا تھا لیکن اس کے پیچھے میں جا کر کھڑا ہوا تھا۔ اور سانڈ کو قریب آتے دیکھ رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ اس کے دوڑتے ہوئے بدن کی قوت کو سنبھالنا ایک مشکل کام ہوگا اور اس کے لیے مجھے سب سے زیادہ مہارت کا ثبوت دینا ہوگا۔ چنانچہ میں دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ آن کی آن میں سانڈ میرے قریب پہنچا، اور کپوروما دہشت سے چیخ پڑا وہ سمجھ گیا تھا کہ مہمان کا کام تمام ہوا لیکن میرے ہاتھوں کی گرفت نے سانڈ کے دونوں سینگوں کو جکڑ لیا سانڈ کے بدن کی قوت سے میں بہت معمولی سا پیچھے ہٹا تھا۔ اتنی تیزی سے دوڑتی ہوئی چٹان کو روک لینا مشکل کام تھا لیکن میرے کام آسان کہاں ہوا کرتے تھے۔

میں نے اس کی طاقت کو اپنی طاقت سے ٹکرایا، اور اسے روک لیا۔ کپوروما نے حیرانی سے دیکھا کہ سانڈ رک گیا تھا۔ حالانکہ اتنی تیزی سے دوڑنے کے بعد خود اس کا رکنا بھی

ناممکن ہو سکتا تھا اگر وہ کوشش کرتا لیکن میں نے اسے نہ صرف روک لیا تھا بلکہ سانڈ اب پوری طاقت سے مجھے جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس کا سر ہل رہا تھا لیکن اس کے سینگ میری گرفت میں ہی تھے۔ اور اس کے کھر زمین میں گھسے جا رہے تھے۔

میں اسے دھکیلتا ہوا پیچھے لے جا رہا تھا اور اس کے ساتھ پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس کے سر کے ہلنے کی رفتار بھی سست ہو گئی تھی۔ کیونکہ اب اس کے سینگ پوری طرح میری گرفت میں تھے۔ اور پھر میں نے دانت کچکچا کر زور لگایا اور سانڈ کے حلق سے ایک دہشت ناک چنگھاڑ نکل گئی۔ اس کے دونوں سینگ میں نے مخالف سمت کر کے توڑ دیے تھے اور اس کے سر سے خون کا فوارہ بلند ہو رہا تھا۔ سینگ توڑتے ہی میں نے اس کے منہ پر ایک سینگ دے مارا اور سانڈ کا جبڑا ٹوٹ گیا اس کا رخ بدلا اور رخ بدلنے کے ساتھ ہی وہ پوری قوت کے ساتھ دھم سے زمین پر گرا۔

میں نے دونوں سینگ ایک جانب پھینک دیے۔ اور بنجارے شدت خوف سے اب سانڈ کے بجائے مجھے دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ انسانی طاقت کا کون سا کرشمہ ہے لیکن جو کچھ انھوں نے دیکھا تھا وہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

''ایک تکلیف مہاراج۔ تھوڑا سا پانی چاہیے تاکہ میں اپنے بدن سے ان خون کے چھینٹوں کو دھو دوں۔''

''ہاں ارے سنو، جلدی جلدی، پانی پانی۔'' کپوروما عجیب سی بدحواسی سے چیختا پریتی جلدی سے آگے بڑھی اور میرے نزدیک پہنچ گئی۔

''تم ٹھیک ہو ناتر ویدی؟''

''کیا میں تمھیں ٹھیک نظر نہیں آ رہا؟''

''ہاں...... وہ تو تم ٹھیک ہو مگر......''

''اس کا جملہ حیرانگی کی وجہ سے ادھورا رہ گیا۔

آہستہ آہستہ بنجاروں کے ہوش و حواس بھی درست ہونے لگے۔ اور اس کے بعد وہ شور مچا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ سب نے مجھے گھیر لیا اور طرح طرح کی باتیں کرنے لگے کپوروما نے کہا۔

''تم نے سانڈ کو مار دیا۔ ایسے اس کے سینگ اکھاڑ دیے ارے وہ تو دس میں کو بھی

پلیٹ میں سے لیتا تو نہیں روکا جا سکتا تھا اسے اور تم نے۔"

"بس دیا ہے مہاراج...... دعائیں، وہیں بڑوں کی۔" میں نے کہا۔

"ہم نے ذرا سی کچھ چیزیں کھلائی تھیں انھوں نے ہماری پشتوں پر احسان کر ڈالا۔ خرید لیا سدا جیون کے لیے ان بچوں کے ماتا پتا تمھارے احسان تلے دب گئے ہیں۔"

"آپ نے پھر وہی غیروں جیسی باتیں شروع کر دیں۔ جو کام مجھ سے ہو سکتا تھا وہ میں نے کر لیا اور اس میں میرا آپ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ میری جگہ اگر آپ بھی ہوتے تو یہ ہی سب کچھ کرتے، جو میں نے کیا ہے۔"

"اور... ہے ہم ہوتے تو اب تک ہمارا گھر بکھرا ہوا ہوتا۔ ان پتھروں پر۔"

بس ■ اب تو ایک ہی بات کہیں گے ہے ترویدی مہاراج ہے ہو تمھاری۔ بھگوان نے کیا شکتی دی ہے تمھارے شریر میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

میری تعریف و توصیف کے قلابے ملائے جانے لگے اور اس وجہ سے سفر میں کچھ دیر بھی ہو گئی۔ وہ لوگ میرے گرد ناچ رہے تھے۔ اتنا خوش تھے وہ کہ مجھے خود بھی ہنسی آ رہی تھی۔ پریتی بھی اتنی ہی خوش تھی۔

ننوں کے قبیلے نے مجھے دیوتا کی طرح پوجنا شروع کر دیا تھا۔ ذرا سی جنبش ہوئی تو وہ لوگ بیل گاڑیوں سے کود پڑتے۔ اور پوچھتے کہ ترویدی مہاراج کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، ہو تو بتا دو۔"

میں بار بار انھیں شرمندگی سے منع کرتا کہ نہیں بھائی مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے وہ لوگ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔

ہم سفر سے مزے سے آگے بڑھ رہے تھے ہماری خوب خاطر مدارت ہو رہی تھی۔ کپورورما نے پوچھا۔

"چتر پور کے ہی رہنے والے ہو مہاراج؟"

"یہ میری بہن چتر پوری میں رہتی ہے۔ میں کہیں اور رہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا۔ ویسے چتر پور بہت اچھی جگہ ہے۔ میں تو جمنا پوری میں جا چکا ہوں۔ جمنا پوری میں مہا راج کنور رادھن کو ہم نے ایک بار اپنے کرتب دکھائے تھے۔"

"ٹھیک۔" میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ پریتی بھی بالکل خاموش تھی۔ ہم کچھ وقت کے بعد آخر کار چتر پور کی آبادی پہنچ گئے۔ پریتی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ بہت عرصے بعد اپنے ماتا پتا سے ملنے والی تھی اور نجانے اس کے من میں کیا کیا تصورات تھے۔ البتہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرا کام صرف پریتی کو وہاں پہنچا کر ہی ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ آگے دیکھنا ہو گا کہ کیا صورت حال ہے اور کس طرح میں پریتی کو پریت راج تک پہنچا سکتا ہوں۔ نجانے ان لوگوں کے آنے کے بعد وہاں کیا کیفیت رہی ہو۔ خیر اب وقت ہی کتنا رہ گیا ہے تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں جا پہنچیں گے۔

بنجاروں نے اپنے لیے جگہ منتخب کی۔ اور وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ میں نے کپورورما سے اجازت طلب کی تھی۔ تو وہ بڑی اطاعت سے مجھ سے بولا۔ "روکیں گے تو نہیں مہاراج آپ کو اپنے گھر پیارے ہوتے ہیں لیکن ایک بنتی ضرور کریں گے۔ مہاراج اگر سمے مل جائے تو تھوڑی دیر کے لیے ہم سے ملنے ضرور آئیں۔ یا پھر ہمیں اپنے گھر کا پتہ بتا دیں۔ ہم خود آ جائیں گے۔"

"یہاں تم روشن کمار سنار کو پوچھ لینا۔ پریتی اس سنار کی بیٹی ہے۔"

"تم بھول گئیں پریتی کہ تم مر چکی ہو اور اس نے ایک مردہ لڑکی کو دیکھا ہے۔" پریتی کچھ لمحات کچھ نہ سمجھ سکی اندر سے مسلسل ڈری ڈری آوازیں آ رہی تھیں اور کوئی بھی شاید باہر آنے کو تیار نہیں تھا۔ ویسے بہت سے لوگ اندر موجود تھے جن کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ پھر وہ لوگ زور زور سے چیخنے لگے تب پریتی سمجھی۔

"ہے...... یہ لوگ، یہ لوگ تو مجھے آتما سمجھ رہے ہیں شاید۔"

"ان کا سمجھنا بالکل ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے تم مر چکی ہو۔ تمھاری موت کی دھوم مچی ہو گی۔ اب تم سامنے نظر آئی ہو تو ان لوگوں کا ڈرنا تو لازمی ہے۔"

"اور آپ؟"

"میں اس کا بیٹا نہیں ہوں۔ پریتی کا منہ بولا بھائی ہوں۔"

"اچھا، اچھا۔ ویسے میں خود بھی تمھارے پاس ضرور آؤں گا تم بہت اچھے انسان ہو۔"

بہر حال ان لوگوں سے اجازت لینے کے بعد ہم چل پڑے۔ اب راستہ بتانا پریتی کا

کام تھا۔ اس کے بدن پر کپکپی طاری تھی اور وہ شدت جذبات سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

ہم اس بستی اس محلے میں پہنچ گئے جہاں روشن کمار رہتا تھا۔ پریتی کپکپاتی ہوئی گلی میں داخل ہوئی اور آخر کار اپنے مکان کے سامنے پہنچ گئی لیکن مکان کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ پریتی تالے کو دیکھ کر حیران رہ گئی اس نے ادھر اُدھر دیکھا پھر سامنے کے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ زیادہ بڑی گلیاں نہیں تھیں۔ پتلی پتلی گلیاں۔ گھر ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ دروازے کی زنجیر بجانے پر ایک عورت باہر نکل آئی۔

''جے رام جی کی موسی۔''

''کون ہے بیٹا؟''

''موسی تم نے مجھے پہچانا نہیں۔''

''نہیں بیٹا۔''

''تم...... تم...... تم موسی ہوناں۔''

''تُو...... تُو...... ہائے رام...... ہائے دیا۔'' اچانک موسی کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں اور وہ دوڑتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔ پریتی ششدر رہ گئی تھی۔

''یہ کیا ہوا؟'' اس نے تعجب سے پوچھا اور میں مسکرانے لگا۔

''واہ یہ بھی خوب رہی۔ مجھے تو یہ خیال ہی نہیں آیا تھا۔ موسی کا ڈرنا...... موسی کا ڈرنا تو بالکل درست ہے۔''

''اندر کی چیخیں سن کر باہر والے لوگ بھی نظر آئے تھے بہت سے لوگ باہر جمع ہو گئے۔ اور ایک دوسرے سے صورت حال معلوم کرنے لگے۔ پریتی ایک معمر شخص کی جانب بڑھی جو لاٹھی ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا تھا۔

''ویرو چاچا آپ بھی مجھے نہیں پہچانے؟''

''کون ہے ری تُو...... تُو کون ہے؟'' ویرو چاچا خوف زدہ لہجے میں بولے۔ شاید انھوں نے پریتی کو پہچان لیا تھا۔

''چاچا آتما نہیں ہوں پریتی ہی ہوں۔''

''تت...... تت تُو زندہ کیسے ہوگئی۔ بھاگو بھاگو۔'' ویرو چاچا چیخے لیکن وہ اکیلے ہی بھاگ گئے تھے۔ باقی تمام لوگ کھڑے کڑی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔

پھر ایک باہمت شخص آگے آیا، لمبا چوڑا آدمی تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں، آنکھوں میں سرخی، شاید نشے میں بھی تھا وہ سینہ تان کر بولا۔

''کون ہے ری تُو؟''

''کاکا میں پریتی ہوں۔''

''تُو پریتی کہاں سے ہوگئی ری۔ تُو تو کنوئیں میں ڈوب کر مر گئی تھی۔''

''کمال کرتے ہو۔ میری لاش مل گئی تھی کنوئیں سے۔''

''لاش تو نہیں ملی تھی ہم نے تلاش بھی کیا تھا؟''

''تو پھر کہاں سے مر گئی۔ مجھے چھو کر دیکھو۔ ہاتھ لگا کر دیکھو۔ میں تمھاری پریتی ہوں۔''

''وہ جو تیرے کپڑے اور گہنے جو ملے تھے۔''

''بس کاکا میں کنوئیں میں کودی نہیں تھی۔''

''کپڑے رکھ کر بھاگ گئی تھی کیا؟''

''ہاں۔''

''تیرا ستیاناس سب کو ڈرا دیا تُو نے، بھائیو یہ تو زندہ ہے۔''

''ساری باتیں ٹھیک ہیں ویرو کاکا مگر میرے ماتا پتا کہاں ہیں۔''

''اری اندر آ...... یہ کون ہے تیرے ساتھ؟''

''یہ میرا منہ بولا بھائی تر ویدی ہے۔''

''آ جاؤ بھیا اندر...... پریتی تُو نے سب ہی کا بیڑا غرق کر دیا۔ ارے کیوں چیخ رہے ہو۔ چپ ہو جاؤ، وہ زندہ ہے۔''

بہر حال خوب ہنگامہ ہوا تھا اور میں نے ہی نہیں بلکہ پریتی نے بھی کافی لطف لیا تھا۔ البتہ وہ اپنے ماں باپ کے وہاں نہ ملنے سے پریشان تھی۔ ویرو کاکا کے گھر پہنچی وہاں بھی عورتیں وغیرہ تھیں۔ ان پر بھی حیرت کے دورے پڑ رہے تھے۔ سب کی سب پریتی سے الٹے سیدھے سوالات کر رہی تھیں۔ ویرو کاکا نے کہا۔

''تم لوگ ہی کھے جاؤ گی یا اسے بھی کچھ بولنے دو گی۔''

''ویرو کاکا میرے ماتا پتا کہاں ہیں...... کہاں گئے ہیں دونوں؟''

پر یتی بیٹھ جا اور تُو بھی بیٹھ جا بھیا...... کیا نام ہے تیرا۔"

"ترویدی۔" میں نے جواب دیا انھوں نے ہمیں ایک پلنگ پر بٹھایا اور پھر ویروکا کا کہنے لگا۔

"مجھے نا ہی پتا پر یتی کہ تیرے ماتا پتا کے ساتھ کیا ہوا؟"

"خیر تو ہے کاکا۔ کیا ہوا ہے میرے ماتا پتا کے ساتھ...... وہ جیتے تو ہیں۔"

"ہاں...... جیتے تو ہوں گے۔" ویروکا کا نے جواب دیا اور پر یتی ہراساں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر لجاجت سے بولی۔

"کیسے آرام سے کہہ رہے ہو ویروکا کا۔ تمھیں بھگوان کا واسطہ، مجھے بتاؤ تو سہی میرے ماتا پتا کے بارے میں...... کیا ہوا انھیں؟"

"تُو کہاں چلی گئی تھی پہلے یہ بتا؟"

"بس کا کا جو کچھ ہوا تھا وہ تمھیں پتا ہی ہے میں گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی۔"

"دوسروں کو دھوکا دے کر۔"

"یہی سمجھ لو...... مم...... مگر تمھیں بھگوان کا واسطہ بتا تو دو، کیا ہوا کہاں گئے میرے ماتا پتا؟"

"مہاراج آئے تھے بارات لے کر کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ارے رانی بن جاتی ہماری پوری بستی کی، چترو پور کی رانی بن جانا کوئی معمولی بات تھی۔ پر تیرا تو من ہی نا مانا۔ نہ جانے کیا سوار ہوئی تھی تجھ پر مصیبت کہ سب کو مصیبت میں ڈال دیا۔"

"ہوا کیا تھا۔ ویروکا کا کیا ہوا تھا۔ بتا دو۔"

"ہونا کیا تھا۔ مہاراج کی بھی عزت پر بن گئی تھی نا۔ ارے کوئی معمولی بات تھی۔ بارات لے کر آئے تھے۔ اور جس لڑکی سے شادی ہونے والی تھی وہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ اب تُو خود سوچ مہاراج کوئی ایسے ویسے آدمی تو تھے نہیں۔ چپ چاپ بارات لے گئے پر ساتھ میں تیرے ماتا پتا کو بھی لے گئے۔ انھیں کیسے چھوڑ دیتے ان سے تو سب کو ساری حقیقت پتا چل جاتی۔ مہاراج کا خیال تھا کہ تُو مری نہیں ہے۔ بعد میں پتا بھی چل گیا تھا کیونکہ ان کی موجودگی میں ہی تیری لاش تلاش کرائی گئی تھی۔ اور جب تُو نہیں ملی تو مہاراج کو یقین ہو گیا کہ خود روشن کمار نے کچھ کیا ہے۔ پہلے تو وہ پوچھتے رہے کہ دیکھ روشن بتا دے کہ

کہاں بھگایا ہے تُو نے بیٹی کو اس کی لاش تو ملی نہیں۔ پر جب روشن کمار نے کچھ نہیں بتایا تو مہاراج بولے۔

"ٹھیک ہے اگر تُو نے کوئی چال بھی چلی ہے تو میں تیری اس چال کو اس طرح بے کار کیے دیتا ہوں کہ تُو ہی یہاں نہیں رہے گا۔ وہ کبھی تو تجھے ملنے آئے گی نا اور جب تُو یہاں نہیں ملے گا تو تلاش کرے گی۔ تجھے اس پوری بستی میں۔ اور مہاراج کے پاس پہنچ جائے گی۔ اری مہاراج کی عزت پر بنادی تھی تُو نے کیسے چھوڑ دیتے وہ روشن کمار سنار کو۔" ویروکا کا کے لہجے میں ایک عجیب سا طنز تھا۔

"کاکا اس کا مطلب ہے کہ میرے ماتا پتا کو مہاراج کنور رادھن لے گئے ہیں۔"

"ہاں وہی لے گئے ہیں کیا سمجھی؟"

"تو وہ لوگ چتری میں ہیں۔ ویروکا کا کچھ پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔"

"کچھ نہیں پتہ چل سکا۔" ویروکا کا نے جواب دیا۔ اور پر یتی آنسو بہاتی رہی۔

بہت دیر تک یہی کیفیت رہی تھی۔ میں بھی خاموش بیٹھا ان حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے جو کچھ بولنا تھا بعد میں ہی بولنا تھا۔ ابھی اس سلسلے میں کیا کہتا، چنانچہ خاموشی سے ایک ایک کی صورت دیکھتا رہا۔

"چلو ترویدی اب ہمارا یہاں کیا رکھا ہوا ہے۔ گھر میں بھی تالا پڑا ہے۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہا۔ "گھر تو تیرا ہی ہے نا پر یتی۔"

"ہاں گھر میرا ہی ہے۔"

"تو تالا کھول کر گھر میں جا سکتی ہے۔ تجھے تیرے گھر جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

پر یتی نے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا پھر اس نے کہا۔

"ہاں...... چلو اپنے گھر میں چلتے ہیں۔"

ہم لوگ ویروکا کا کے ہاں سے اٹھ گئے۔ کسی نے پر یتی کو گھر جانے سے نہیں روکا تھا دروازے کا تالا توڑ دینا میرے لیے مشکل نہ تھا۔ ہم گھر میں داخل ہو گئے خالی گھر سائیں

سائیں کر رہا تھا۔ پریتی پر رقت طاری ہوگئی۔ جو فطری تھی، وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔ پھر پاس پڑوس کے لوگ اس کی خبر پا کر آنے لگے۔

یہ سب روشن کمار کے پرانے ملنے والے تھے۔ سب نے اپنے اپنے تاثرات اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ کچھ ایسے تھے جو پریتی سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اور مہاراج کنور رادھن کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ پریتی آنسو بہاتی رہی۔ میں بھلا ایسے معاملات میں کیا بول سکتا تھا۔ البتہ بکواس کرنے والوں کی بکواس مجھے پسند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پریتی سے کہا۔

''پریتی، لوگ آتے رہیں گے اور جو ان کے منہ میں آئے گا۔ بکتے رہیں گے میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے۔''

پریتی نے آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھا اور کہا ''سوچا تو یہ تھا مہاراج کہ چترپور آنے کے بعد تمام مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ ماتا پتا مل جائیں گے ان سے پتا چلے گا کہ آگے کیا ہوا۔ بات تو ختم ہی ہو چکی ہو گی لیکن ہمارے تو دکھوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ وہیں پہاڑوں پر پڑی رہتی۔ شمبھو ناتھ مہاراج کی سیوا کرتی رہتی۔ اور جیون بیت جاتا۔

''مشکل تھا۔ پریتی۔''

''کیا مشکل تھا۔ اچھی بھلی تو رہ رہی تھی وہاں کوئی چنتا نہیں تھی مجھے۔''

''ان کا جیون کتنا تھا۔ وہ مر جاتے تو اس کے بعد تم اکیلی رہ جاتیں۔''

''تم جو آ گئے تھے۔''

''نہیں پریتی۔ میری منزل وہ نہیں ہے میں تو نجانے کہاں کہاں کا مسافر ہوں۔ مجھے تو نجانے کتنا طویل سفر طے کرنا ہے۔''

''تو اب بتاؤ میں کیا کروں۔''

''کیا چترپور نہیں جاؤ گی۔''

''جاؤں گی کیوں نہیں جاؤں گی۔ وہاں میرے ماتا پتا ہیں پاپی کنور رادھن نے انھیں قید کر رکھا تھا۔''

''ہاں..... پرمیت بھی تو ہے؟'' میں نے کہا اور پریتی مجھے دیکھنے لگی۔

''اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ بھلا اپنے پتا کے خلاف وہ کیا کرے گا؟''

''وہ راج کمار ہے۔''

''چھوڑ تر دیدی اور کچھ کر سکتا تو نوبت یہاں تک پہنچتی ہی کیوں؟'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

اس کے بعد میں نے اس موضوع پر اس سے کوئی بات نہیں کی۔ چند لمحات خاموشی رہی اس کے بعد اس نے کہا۔

''ہمیں چترپور چلنا ہے ناں۔''

''محلے والے کہتے ہیں کہ وہ میرے پتا اور ماتا کو اس لیے لے گیا ہے کہ میں چترپور ضرور آؤں گی۔ ان کا خیال تھا کہ میں نے کنوئیں میں کودنے کا دھوکا دیا ہے لوگوں کو حالانکہ تم اصلیت اچھی طرح جانتے ہو۔''

''چھوڑو ان باتوں کو۔ ہمیں کسی کو جواب نہیں دینا۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ہمیں کس حیثیت سے چترپور جانا چاہیے۔''

پریتی سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''چترپور تو ہمیں جانا ہی ہے۔ وہیں جا کر صورت حال معلوم ہو گی لیکن ہم براہ راست رادھن کے پاس نہیں جائیں گے۔ بلکہ کسی طرح کوشش کر کے چوری چھپے چترپور میں داخل ہوں گے اور رادھن کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔''

''یہی تو میں کہہ رہی تھی کہ میرے لیے اکیلے یہ کام کرنا مشکل ہے تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا۔''

''ہمیں چترپور کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔ یہاں وقت گزارنا بالکل بے کار ہی ثابت ہو گا۔''

''میں تمھارے ہر حکم کی تعمیل کروں گی۔''

''تو پھر ہمیں سفر شروع کر دینا چاہیے۔''

''اگر اجازت دو تو دو دن یہاں رہ لوں۔ ماتا پتا کا گھر ہے من چاہتا ہے کہ اسے پھر سے ویسے ہی سنوار دوں جیسے یہ پہلے تھا۔ کیسا گندہ ہو رہا ہے۔''

''ہاں..... ہاں..... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد تین چار دن ہم نے یہاں خاموشی سے گزار دیے۔

پانچویں دن پریتی نے کہا۔ "ترویدی مہاراج۔ اب ہم چتری چلیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تمھیں وہاں جانے کا راستہ معلوم ہے؟"

"نہیں معلوم تو نہیں ہے۔ پر اس کے بارے میں سنا ہے کہ یہاں سے سیدھی سڑک جاتی ہے۔ ویسے یہاں سے بہت زیادہ دور بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر راستے میں چھوٹے موٹے گاؤں تو پڑتے ہی ہوں گے۔ پوچھتے ہوئے چلیں گے۔"

ایک پوٹلی بنا کر پریتی نے اپنی بغل میں دبالی تھی اور اس کے بعد ہم دونوں مسافر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ جدھر پریتی کے خیال کے مطابق چتری کا راستہ تھا۔ نجانے کیا خیال آیا تھا مجھے۔ میں نے پریتی سے کہا۔

"پریتی کیوں نا ہم کپورورما سے ملتے ہوئے چلتے ہیں وعدہ بھی کیا تھا بے چارے سے مگر جا ہی نہیں سکے۔ یہیں بائیں طرف ترائیوں میں۔" میں نے پریتی کو بتایا۔

وہ بھی کپورورما سے ملنے کے لیے تیار ہو گئی۔ پھر ہمیں سڑک کا راستہ چھوڑ کر ان ڈیروں تک جانے کے لیے تھوڑا سا فاصلہ طے کرنا پڑا لیکن جب ہم نے ترائیوں میں پہنچ کر دیکھا تو وہاں کپورورما کے ڈیرے تھے۔

ہم نے ایک بار پھر اپنا راستہ پکڑ لیا۔ اور تیز رفتاری سے سفر کرتے رہے پھر ایک گاؤں نظر آیا شام ہو چکی تھی۔ گاؤں کے سرے پر پہنچنے کے بعد میں نے کہا۔

"کیا خیال ہے رات یہیں بسر کی جائے صبح سفر کریں گے۔"

ہم نے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں قدم آگے بڑھائے۔ ضروری نہیں تھا کہ یہاں کے رہنے والوں سے مدد لی جائے۔ رات گزارنے کے لیے مسافروں کو کسی درخت کا سایہ ہی کافی ہوتا ہے۔ ہم کسی اچھی جگہ کی تلاش میں ایک سرے سے دوسرے سرے پر نکل آئے۔ ویسے بھی چھوٹی سی جگہ تھی۔ سو ڈیڑھ سو مکانات پر مشتمل یہ بستی لیکن دوسرے سرے پر پہنچ کر ہماری آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ کیونکہ وہاں خانہ بدوشوں کا ڈیرہ تھا۔ ان کے جانور کھلے ہوئے تھے۔ اور انھوں نے جگہ جگہ آگ جلا رکھی تھی لیکن خیمے نہیں لگائے تھے۔ مجھ سے پہلے پریتی نے کہا۔

"ارے یہ تو وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں۔"

"لگتا تو مجھے بھی کچھ ایسے ہی ہے۔"

"آؤ چلیں۔"

ہم لوگ آگے بڑھ گئے اور پھر ہمیں دھرم پال مل گیا۔ ہمیں دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا تھا۔

"ارے مہاراج تم میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے۔"

"کیا کرتے تمھیں دیکھنے اس جگہ گئے تھے۔ جہاں تم نے ڈیرے لگائے ہوئے تھے۔ وہاں تمھیں نہ پایا تو تمھیں تلاش کرتے ہوئے چل پڑے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے لوگ آج ہی تو ہم نے ڈیرے ڈالے ہیں یہاں...... آج ہی ہم وہاں سے یہاں پہنچے ہیں۔"

"ہاں کپورورما، بس اس دوران تم سے مل نہیں سکے۔ مگر تم نے کہاں کا راستہ اختیار کر لیا۔ تم تو کہتے تھے کہ چتر پور میں کافی دن تک قیام کرو گے۔ ہم نے بھی یہی سوچا تھا کہ اب تو تم یہاں موجود ہی ہو مل لیں گے تم سے جا کر۔"

"بس مہاراج پتا یہ چلا کہ چتری میں ایک میلہ لگا ہوا ہے۔ یہ میلے ٹھیلے ہی ہمارے لیے کام کے ہوتے ہیں۔ مہاراج چار پیسے انھی میلوں میں مل جاتے ہیں۔ جب ہمیں یہ پتا چلا تو ہم نے فوراً ہی ڈیرے اٹھا دیے۔ اب چتری جا کر ڈیرے لگائیں گے۔ میلے میں کھیل کرتب دکھائیں گے اور بھگوان نے چاہا تو اچھے خاصے پیسے کمائیں گے رات ہو گئی تھی اس لیے یہاں رکنا پڑا۔ صبح کو پھر سفر شروع کر دیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے کپورورما ہماری اور تمھاری تقدیر میں ایک ہی سفر لکھا ہوا ہے۔"

"سمجھے نہیں ہم مہاراج ترویدی۔"

"ہم بھی چتری ہی جا رہے ہیں۔"

"ارے واہ۔ بھگوان کی سوگند مزہ آ گیا۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے پھر تو ساتھ ہی چلیں گے۔"

چنانچہ ہم نے بھی کپورورما کے ساتھ ہی قیام کیا۔ بے چارہ بڑا عقیدت مند تھا وہی نہیں بلکہ اس کے قبیلے کے تمام ہی لوگ اس واقعہ کو نظرانداز نہیں کر سکے تھے۔ جس میں ان

بچوں کے علاوہ کپوروما کی بھی جان بچ گئی تھی۔ ورنہ نجانے کتنے اس کی لپیٹ میں آجاتے اس کے ساتھ ساتھ وہ میری قوت کا مظاہرہ بھی دیکھ چکے تھے اور مجھے آج بھی اوتار ہی سمجھتے تھے۔

دوسری صبح کا آغاز ہو گیا پریتی کی تقدیر اچھی تھی کہ اسے پیدل سفر نہیں کرنا پڑ رہا تھا۔ تھی بھی نرم و نازک لیکن بہرطور باہمت تھی۔ اور سفر کے دوران بھی کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرتی تھی۔ ایک بار پھر اسے بیل گاڑی مل گئی۔ میرا مسئلہ بالکل الگ تھا میں تو زندگی بھر پیدل چل سکتا تھا۔ پھر ہم نے بستی کے اس حصے میں پہنچ گئے جہاں میلا لگا ہوا تھا۔ خوشیوں کا ایک طوفان اُمڈا ہوا تھا۔ کھیل، کھلونے، جھولے طرح طرح کے پکوان کپڑوں اور گہنوں کی دکانیں نجانے کیا کیا سجا رکھا تھا لوگوں نے وہاں پر۔ بس انسان اپنے خوش ہونے کے بہانے کتنے جتن کرتا ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ کوئی خاص ہی قسم کا اہتمام ہو۔

کپوروما نے بھی اپنے ڈیرے ایک طرف لگا دیے۔ عورتوں نے سارنگیاں نکالیں ٹوکریاں سر پر رکھیں اور چل پڑیں، مرد طرح طرح کی چیزیں بنا بنا کر بیچنے نکل پڑے اور جو کرتب جانتے تھے بانس کھڑے کر کے اور ڈھول بجا کر لوگوں کو جمع کر کے پیسے کمانے لگے۔ کپوروما سردار تھا۔ یہ ساری چیزیں اس کی نگرانی میں ہی ہو رہی تھیں۔ مجھے یہ سب بہت دلچسپ محسوس ہوا۔ کپوروما نے کہا۔

''چترری میں آپ کو کس سے ملنا تھا؟''

''اس دوران میں فیصلہ کر چکا تھا، کہ کپوروما کو کسی نہ کسی طرح اپنا رازدار بنایا جائے۔ پریتی تو بے چاری سیدھی سادی تھی اسے تو جو کچھ کہا جاتا تھا وہی کرتی تھی لیکن مجھے ذرا غور کرنا تھا اور اس سلسلے میں کپوروما کو میں نے ایک مناسب آدمی پایا تھا۔ میں نے کپوروما سے کہا:

''کپوروما میں تم سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتا ہوں دراصل میں نے تم سے کہا تھا کہ پریتی میری منہ بولی بہن ہے۔ وہ بے چاری بڑی پریشانی کا شکار ہے۔''

''کیا ہوا؟'' کپوروما نے پوچھا اور میں نے مختصراً کپوروما کو پریتی کی کہانی سنا دی۔ وہ دانتوں میں انگلیاں دبا کر رہ گیا تھا۔ بہت دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''تو پریتی کے ماتا پتا کنور رادھن مہاراج کی قید میں ہیں۔''

''ہاں اور ہمیں رادھن مہاراج کے بارے میں پتہ لگانا ہے۔''

''پتہ میں لگاؤں گا مہاراج۔ یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''تو پھر کپوروما میری مدد کرو۔ اور مجھے بتاؤ کہ تمہیں صورت حال کا علم کیسے ہو؟''

''یہاں چترری میں میرا ایک جاننے والا تھا کنال کپڑے کا کاروبار کرتا تھا۔ پہلے بھی کئی بار یہاں آچکا ہوں مہاراج۔ بڑی اچھی دوستی ہو گئی تھی اس سے میں اسے تلاش کرتا ہوں اس سے ہم ساری معلومات حاصل کر لیں گے۔''

دوسرے دن اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ کوئی دو گھنٹے بعد ہی وہ میرے پاس ہنستا ہوا آ گیا۔

''لو مہاراج یہ تو کمال ہی ہو گیا...... ارے کنال نے تو میلے ہی میں اپنی دکان لگائی ہوئی ہے۔ یہیں پر ہے وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا کہ رات کو آئے گا۔ میرے پاس اور اب جب وہ آئے گا۔ تو ہم اس سے ساری باتیں معلوم کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے یہ بڑا اچھا ہوا۔''

کنال ایک عمر رسیدہ آدمی تھا۔ دھوتی اور کرتے میں ملبوس اچھی خاصی شخصیت کا مالک مجھے بھی اس نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا تھا۔ میں نے بھی ان کے اصولوں کے مطابق دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

کنال سے خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد کپوروما اصل بات پر آ گیا۔ ''یار تم سے کنور رادھن مہاراج کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔'' کنال نے کہا۔

''بھیا بڑھاپے میں، میں آگ ہم نے مہاراج رادھن کے من میں ہی سلگتی ہوئی دیکھی۔ جو بات تم پوچھ رہے ہو وہ ایسی نہیں ہے کہ کسی کو معلوم نہ ہو۔ پر وہی کہتے ہیں ناں کہ طاقتور مارے بھی اور رونے بھی نہ دے۔ بھلا کس کی مجال کہ مہاراج رادھن کا مذاق اڑائے۔ اصل میں بھیا بات کچھ اور ہی ہوگی۔ رادھن مہاراج کے بارے میں تم تو خیر نہیں جانتے ہو گے۔ تم ٹھہرے بستی بستی نگر نگر کے لوگ، پھر ہمیں معلوم ہے کہ مہاراج رادھن اتنے برے آدمی نہیں تھے۔ کافی پہلے کی بات ہے کہ وہ پاپی۔ پرنام سنگھ یہاں آ کر آباد ہو گیا۔ بھگوان کی سوگند اگھوری ہے کالے علم والا میں نے بھی دیکھا ہے اسے صورت ہی سے گھن آئے دیکھ کر سسرے کو۔''

''کون پرنام سنگھ؟''

''ارے بنا ہوا تو سادھو ہے۔ اور وہاں بیٹھا نجانے کیا کیا کھیل کھیلتا رہتا ہے۔ ہمارے راودھن مہاراج اچھے برے نہیں تھے۔ پر ان کا اور اس کا ساتھ ہو گیا۔ راودھن مہاراج پرنام سنگھ کے چیلے بن گئے۔ اب آدمی شیطان کا چیلا بن جائے تو خود سوچو کہ وہ خود کیا رہے گا۔ سیدھا سادا شیطان ہو جائے گا۔ بھگوان کی سوگند ہم راودھن مہاراج کو بُرا نہیں کہہ رہے۔ مگر اب وہ جو کچھ ہو چکے ہیں وہ بہت برا ہے بھیا بہت برا ہے۔ جن کے گھروں میں جوان بیٹیاں ہیں چپکے چپکے بستی چھوڑ رہے ہیں۔ بہت سے لوگ اس بستی سے نکل گئے ہیں۔ اب تم تو جانے نہیں کس کس کے نام لیں تمھارے سامنے۔''

کپور ورما حیرت سے کنال کی بات سن رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''کنال تمھاری باتیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہیں۔''

''سمجھاتے ہیں...... اصل میں پرنام ایک کالے علم والا ہے۔ یہاں آیا تھا بڑی معصوم سی صورت بنا کر اور سادھو سنت بننے کے بعد مٹھ کے لیے جگہ مانگی مہاراج راودھن نے جگہ دے دی مٹھ بنا لیا اور اس نے اپنا اور اس کے بعد راودھن مہاراج سے اس کی دوستی بڑھتی چلی گئی۔ بھیا تھوڑے فاصلے پر ایک بستی ہے چتر پور مہارانی کندھاری نے چتر پور میں پرمیت مہاراج کے لیے ایک لڑکی دیکھی سنا ہے بہت سندر تھی۔

مہاراج کو بتایا مہاراج خود بارات لے کر پہنچ گئے اس لڑکی کے لیے۔ یہ سنا ہے کہ اس نے آتم ہتھیا کر لی۔ کر لی یا نہیں کی بھاگ گئی گھر سے اب مہاراج تو بڑے بگڑے کہ یہ کیا ہوا۔ لے کر گئے تھے بارات اور ڈنڈے بجا کر آ گئے۔ اور بھیا لڑکی بے چاری کے ماتا پتا کو پکڑ لائے۔ وہ غصے میں اور یہاں لا کر قید میں ڈال دیا۔ اس کے بعد سے جو بگڑے ہیں کہ...... رام...... رام...... رام۔''

''بگڑے ہیں سے تمھاری کیا مراد ہے؟''

''راودھن مہاراج پاگل ہو گئے ہیں۔ اس شیطان نے اپنا جو مٹھ بنایا ہے ناں...... اس مٹھ میں نجانے کیا کیا ہوتا ہے۔ کہنے کو تو وہ مندر ہے پر سندریاں آتی ہیں۔ راتوں کو بستی کی خوبصورت لڑکیوں کو اٹھا کر لے جایا جاتا ہے اور لوگوں کو عزت بچانی مشکل ہو گئی۔ کئی لڑکیاں جان دے چکی ہیں پر راودھن مہاراج کے لیے کون اپنی زبان کھولے وہ پرنام کے ساتھ یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ یہ ہو رہا ہے آج کل یہاں۔ بس یوں سمجھ لو کہ پرنام نے جو کالی گندگی پھیلائی ہے وہ سب کے سروں پر آ گئی ہے جس کے گھر جوان بیٹی نہیں ہے وہ تو ذرا سکھ کی نیند سو رہا ہے اور جس بدنصیب کے ساتھ یہ سب کچھ لگا ہوا ہے وہ یہ سوچ رہا ہے کہ جائے تو کہاں جائے۔ راودھن کے آدمی تو دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔''

رانی کندھاری کو یہ سب کچھ نہیں معلوم؟''

''کیوں نہ معلوم ہو گا، مہاراج آپ خود سوچیں پر وہ کیا کریں گی بے چاری راودھن مہاراج کے سامنے بھلا وہ بول سکتی ہیں۔''

''اور راج کمار پرمیت؟''

''بات باہر تو نہیں آئی۔ پر سنا یہ ہے کہ اسے بھی قید کر دیا گیا ہے۔'' کنال نے بتایا۔ اور میں شدید حیرت کے عالم میں یہ کہانی سنتا رہا۔ شمبھو نا کی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی کہ سنسار میں جیون بتانے کا ایک بہترین ذریعہ یہ ہے کہ انسانوں سے ہمدردی کی جائے۔ ان کے لیے کام کرو...... فطری طور پر جب سے راودھن راج سے میرا واسطہ ٹوٹا تھا۔ میرے دل میں بھی یہی جذبے جاگے تھے اور مقدور بھر میں نے اس کے لیے کوشش بھی کی تھی۔ بعد میں شمبھو نا نے مجھ پر احسان کیا۔ اور جو مصیبت پدم چندری نے مجھ پر ڈالی تھی۔ اس سے نجات دلا دی۔ اب اگر میرے سامنے ایک اہم مسئلہ آیا ہے تو میرے خیال میں مجھے اپنا فرض پورا کرنا چاہیے۔''

پرنام کالی قوتوں کا مالک ہے اور ست گری کے چار پتے میرے پاس موجود ہیں۔ تو پھر کیوں ان کا کھیل دیکھا جائے!! اور دل ہی دل میں...... میں اس کے لیے تیار ہو گیا۔

کنال تھوڑی دیر کے بعد چلا گیا۔ اور کپور ورما نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب کہو، مہاراج جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہ معلوم ہو گیا۔ یا کچھ رہ گیا۔''

''نہیں کپور ورما میرا خیال ہے کافی کچھ معلوم ہو گیا۔''

''پھر بھی مہاراج ہمارے لیے کوئی بھی خیال من میں آئے تو ہمیں ضرور بتا دینا۔''

''کپور تمھیں میری مدد کرنا ہو گی۔ اب تو یہ سمجھ لو کہ یہ سب کچھ ضروری ہو گیا ہے۔''

''بھگوان کی سوگند وہ آپ کی مدد نہیں ہو گی۔ ہمارا کام ہو گا۔'' کپور ورما نے کہا۔

میں اس کا شکریہ ادا کر کے اٹھ گیا۔ البتہ اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا طریقہ

اختیار کرنا چاہیے۔ رات بھر کی سوچ کے بعد میں نے ایک اور طریقۂ کار منتخب کر لیا۔ اس کے لیے پریتی کو راز دار بنانا ضروری تھا۔ اور میں مناسب وقت پر اس سے اس موضوع پر بات کرنے کا خواہش مند تھا۔ جو باتیں کنال نے مجھے اور کپور ورما کو بتائی تھیں۔ پریتی ان باتوں سے بے خبر تھی۔ اور میں نے بھی اسے یہ سب نہ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس بے چاری کو بتا بھی دیتا تو وہ خوفزدہ ہونے کے علاوہ اور کیا کر سکتی تھی۔ ترویدی کی عقل سے میں نے جو منصوبہ بنایا تھا اسے کارآمد ہونا چاہیے تھا۔

البتہ اس کے لیے خاصے الٹ پھیر کرنے کی ضرورت تھی سب سے پہلے میں نے پریتی ہی سے اس بارے میں بات کی۔ میں نے کہا۔

''پریتی! یہاں آنے کے بعد ہم نے جو معلومات حاصل کی ہیں وہ بڑی عجیب ہیں۔ میں تمھیں ان کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔''

''بتایئے ترویدی مہاراج۔'' پریتی نے سادہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔ تھوڑی سی باتیں تو ہمیں چترپوری میں معلوم ہو گئی تھیں۔ پتہ نہیں رادھن کیسا انسان تھا ایک ایسے بیٹے کا باپ ہو کر جو اپنی پریمیکا کو اپنے جیون میں بسانا چاہتا تھا اس نے اتنے برے انداز میں سوچا کہ خود بارات لے کر چترپور پہنچ گیا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ برا اور ہوس پرست آدمی ہے لیکن اب جو پتا چلا ہے یہاں اس کے بارے میں وہ یہ ہے کہ وہ شیطان بن چکا ہے اور ایک شیطان کی صحبت میں رہتا ہے۔ کالے علم کا ایک ماہر پرنام سنگھ کے نام سے یہاں کہیں منھ چھپا کر رہتا ہے۔ رادھن مہاراج پرنام کا دوست ہے۔ اور دونوں مل کر اپنی بستیوں اور دور دراز کی آبادیوں سے معصوم لڑکیوں کو اغوا کر کے لاتے ہیں اور انھیں بے عزت کرتے ہیں۔ یہ انھوں نے اپنا شکار بنا لیا ہے۔ پریت کو بھی مہاراج نے قیدی بنا لیا ہے۔ کیونکہ وہ تمھارے واقعے کے بعد اپنے پتا سے باغی ہو گیا تھا یہ کہانی میں نے سنی ہے۔

پریتی کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ میں جانتا تھا کہ وہ من ہی من میں سلگنے والی لڑکی ہے۔ زبان سے بہت کم بولتی ہے لیکن دل میں نجانے کیا کیا درد بسائے ہوئے ہیں۔ میں نے اس سے کہا۔

''پریتی! رونے سے سنسار میں کوئی کام نہیں بنتا۔ ہر مشکل کے حل کو تلاش کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔ یہ ساری باتیں معلوم کرنے کے بعد میں نے من میں کچھ منصوبے بنائے ہیں اور ان منصوبوں میں چالاکی کے ساتھ تمھارا کام کرنا بہت ضروری ہے۔ آنکھیں صاف کرو...... دماغ ٹھنڈا کرو...... اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ میری بات ماننا تمھارے لیے بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ رادھن سے تمھاری ماتا پتا کو چھڑانا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی پریت کو بھی بچانا ہماری ذمے داری ہے۔ اور عقل ہی ہمیں اس کام میں کامیاب کر سکتی ہے۔ لیکن اگر تم نے رونے دھونے کا چکر چلایا تو یہ سمجھ لو نہ میں کچھ کر پاؤں گا اور نہ تم۔'' پریتی نے آنسو صاف کر لیے۔ پھر بولی۔

''بتایئے ترویدی! مہاراج مجھے کیا کرنا ہے؟''

''پریتی! پاپی کو پاپ سے ہی مارنا پڑتا ہے۔ میرے من میں ایک خیال یہ ہے کپور ورما کو آلۂ کار بنا کر ہم اپنا کام شروع کریں۔''

''وہ کیسے مہاراج؟''

''میں تمھیں محل میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ یہ بتاؤ جیون میں کبھی ناچ گانے سے بھی دلچسپی رہی ہے۔''

''گانا تو نہیں جانتی مہاراج پر بچپن کی ایک سکھی تھی اس سے باقاعدہ ناچ سیکھا تھا۔ اور کبھی کبھی مندر میں ناچتی بھی تھی۔ لوگ اس ناچ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔''

''اس کا مطلب ہے تمھیں ناچنا آتا ہے کیا تم راج محل میں رادھن مہاراج کے سامنے......''

''ہائے...... رام یہ تو بڑا مشکل کام ہو جائے گا۔''

''نہیں...... پریتی یہ ضروری ہے بھگوان کے مندر میں تم بھگوان کو خوش کرنے کے لیے ناچتی تھیں یہی بات ہے نا؟''

''ہاں۔''

''تو پھر سمجھ لو کہ رادھن کے سامنے تمھیں اپنے ماتا پتا کو بچانے کے لیے ناچنا ہو گا۔'' وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر الم کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے مہاراج تو میں ناچوں گی۔"

"پریتی آج سے تمہیں اپنا نام بھی بدلنا ہوگا۔"

"وہ کیوں مہاراج؟"

"پریتی کے نام سے مہاراج کے سامنے نہیں جاؤ گی۔"

"تو ہم بھیس بدل کر وہاں جائیں گے؟"

"ہاں...... میں تم سے بات کرنے کے بعد کپور ورما سے بات کروں گا۔ وہ نٹ ہے کھیل تماشے دکھاتا ہے ہوسکتا ہے رادھن سے اسے بھی کچھ انعام مل جائے۔ میں تمہیں اس کی بیٹی کی حیثیت سے راج محل بھیجنا چاہتا ہوں۔"

پریتی گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔

"جیسا آپ کہیں گے، ہم ویسا ہی کریں گے مہاراج، آپ اس کی بالکل چنتا نہ کریں۔ اب ہم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا ہے۔"

"میں اطمینان رکھوں پریتی کہ تم ہمت سے کام لوگی؟"

"ہاں...... مہاراج ہم نے اپنا جیون آپ کے حوالے کر دیا ہے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ جو کچھ کہیں گے اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔"

پریتی کی جانب سے اطمینان کرنے کے بعد میں نے کپور ورما کی طرف رخ کیا نٹ کپور ورما بہت اچھا آدمی تھا۔ اس بات کا پوری طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ مجھ سے دلی عقیدت رکھتا تھا۔ چنانچہ جب میں نے اس سے کہا کہ کپور ورما اب وقت آ گیا ہے کہ تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"مہاراج بھگوان کی سوگند ہمارے جیون کی ضرورت بھی پیش آئے ہم آپ پر جیون وار دیں گے۔ اتنا پریم سما گیا ہے آپ کے لیے ہمارے من میں۔"

"تمہارا شکریہ کپور ورما...... اصل میں یہاں لوگوں کی یہی پہچان ہوتی ہے۔ ورنہ کون کسی کا اتنا مان رکھتا ہے۔ اچھا تو اب بات یہ ہے کپور ورما کہ میں تمہیں پریتی کی کہانی سنا ہی چکا ہوں۔ کافی کچھ بتا چکا ہوں تمہیں اس بارے میں۔ ہم نے ایک منصوبہ بنایا اور وہ منصوبہ یہ ہے کہ تم پریتی کو لے کر راج محل جاؤ گے۔ اسے بنا سنوار کر بنجارن بنا کر لے جانا ہے۔ وہاں یہ رادھن کے سامنے رقص کرے گی اس کے بارے میں کنال نے جو کچھ بتایا

ہے۔ تمہارے علم میں بھی ہے ہوسکتا ہے وہ تمہیں انعام و اکرام سے بھی نوازے، بہرحال یہ الگ بات ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم مایا کے لالچی نہیں ہو لیکن مجبوری ہے کہ پریتی کو کوئی بھی نام دے دو۔ میرے خیال میں اگر اس کا نام چندروتی رکھ دو تو زیادہ مناسب ہے۔ جب تم سے پوچھا جائے کہ چندروتی کون ہے تو تم یہی بتاؤ گے ان سارے لوگوں کو کہ وہ تمہاری بیٹی ہے اور اس کی ماں مر چکی ہے۔ ہمیں اسی طرح رادھن تک پہنچنا ہے اس کے ساتھ ہی ہمیں دوسرا کام بھی کرنا ہے۔"

"وہ کیا۔ مہاراج؟" کپور ورما نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پرنام سنگھ کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، اس پر بھی نظر ڈالنی تھی۔ میں اسے پرنام کے مٹھ میں لے جاؤں گا۔ وہاں اسے پرنام کی نگاہوں کے سامنے بھی لانا ہے۔"

"مہاراج خطرے بڑھ جائیں گے۔" کپور ورما نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

"خطرے تو مول لینا پڑیں گے ایسے کام آسانی سے نہیں ہوتے۔ ہمیں بڑی ہمت سے یہ کام کرنا ہے۔ باقی جہاں تک اور معاملات کا تعلق ہے تو تم انہیں مجھ پر چھوڑ دو۔"

اس کے بعد میں نے پریتی کو سمجھایا بجھایا اور اسے بتایا کہ ہمیں کس طرح اپنے کام کا آغاز کرنا ہے۔ سو پھر پہلا کام میں نے یہ کیا کہ اس مٹھ کے بارے میں معلومات حاصل کیں بستی کے جس شخص سے میں نے پرنام کے بارے میں پوچھا، اس نے برا سا منہ بنا کر دیکھا۔

"میں اس کے مٹھ کا راستہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"سیدھے چلے جاؤ...... بہت سے باؤلے جاتے ہیں۔ اس کے پاس راستے میں کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔"

"کیا بات ہے۔ مہاراج، پرنام کے بارے میں تو ہم نے یہ سنا ہے کہ بڑے مہان سادھو ہیں۔"

"ارے بھائی معاف کردو۔ کوئی بات نہیں ہے بس سیدھا راستہ ہے وہاں جانے کا۔"

اس شخص کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ پرنام کی شیطانیت سے لوگ کافی حد تک واقف ہو گئے ہیں اور شاید در پردہ اس سے نفرت بھی کرتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ اس کی کالی شکتی سے ڈرتے بھی ہوں گے۔"

بہر حال وہاں کا راستہ مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ میں نے مزید کچھ معلومات حاصل کیں۔

اور اس کے بعد پریتی کو تیار ہونے کے لیے کہا۔ پریتی میری ہدایت کے مطابق تیار ہو گئی۔

ایک سادہ سی سفید ساڑھی میں وہ جس قدر حسین اور پُر وقار نظر آ رہی تھی اس نے مجھے بھی متاثر کیا تھا۔ بہر طور میں اسے لے کر پرنام کے مٹھ کی جانب چل پڑا اور مٹھ پر پہنچ گیا۔

ایک منحوس سی عمارت تھی۔ جس کی صورت ہی سے اندازہ ہوتا تھا کہ گناہوں کا گڑھ ہے۔ وہاں بہت سے چیلے چانٹے موجود تھے۔ اطراف کا ماحول کافی بھیانک تھا۔ اور عمارت آبادی سے کافی دور ہٹ کر بنائی گئی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ عمارت کے احاطے میں بہت سے پنڈے پجاری موجود تھے۔ شکل تو مندر کی سی بنا رکھی تھی انھوں نے لیکن یہ گناہوں کا مندر تھا۔ سب نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پریتی کو دیکھا۔ حالانکہ یہاں عورتیں بھی نظر آ رہی تھیں لیکن ایسی عورتیں جنھیں دیکھ کر ان کے بارے میں اندازہ ہو جائے کہ وہ پرنام کی داسیاں ہیں لیکن صورت ہی سے فاحشائیں نظر آ رہی تھیں۔ بہت سی مجھے بھی دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ میں نے اپنے آپ پر قابو رکھا اور ایک پنڈت سے کہا۔

”یہ چندروتی ہے۔ کسی کی مراد مانگنے آئی ہے ہمیں دیوتاؤں کے بتوں کے سامنے پہنچا دو۔“

ہماری رہنمائی کر دی گئی۔ بھیانک مندر میں ایک نیا ہی بت نظر آ رہا تھا۔ نہ یہ کالی دیوی کا بت تھا نہ کسی اور جانے پہچانے دیوتا کا بلکہ صحیح معنوں میں یہ شیطان کا مجسمہ تھا۔ اس کے آگے بہت سے مرد اور عورتیں سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے میں بھی پریتی کے ساتھ وہیں جا بیٹھا۔ میرا اصل کام کچھ اور تھا۔ تھوڑی دیر تک ہم وہاں بیٹھے رہے۔

پھر پرنام وہاں آیا۔ لمبے قد و قامت کا تنومند آدمی تھا۔ مونچھیں بہت بڑی بڑی باقی چہرہ صاف شفاف۔ بال جٹاؤں کی طرح کمر تک لٹکے ہوئے تھے اوپری بدن ننگا تھا۔ ہاتھ میں ترشول تھا۔ نچلے بدن پر سفید دھوتی باندھے ہوئے تھا۔ پیروں میں لکڑی کی کھڑاویں پہنے ہوئے۔ وہ سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ یہاں مجھے بڑی مشکل پیش آئی تھی لیکن ہمارا سجدہ ریز نہ ہونا ہی پرنام کی توجہ کا باعث بنا اس نے ہمیں دیکھا پھر اس کی نگاہیں پریتی کی جانب اٹھیں اور وہ دیر تک اسے گھورتا رہا۔ اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس درشن دینے آیا تھا۔ ہاتھ سیدھا کیا اور اس کے بعد اپنی کھڑاؤں سے کھٹ کھٹ کرتا ہوا واپس چلا

گیا۔ گویا سب کو آشیرباد دے گیا تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ جب میں پریتی کے ساتھ واپس پلٹا تو میں نے دو پجاریوں کو اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا اور میں سمجھ گیا کہ پجاری ہمارا پیچھا کر کے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہم کون ہیں کہاں رہتے ہیں۔

پھر میں میلے میں کھوروما کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ پہلا کام مکمل ہو گیا تھا اور آج دوسرا کام کرنا تھا۔ آج ہی شام کو یہ کام بھی کروا لینا تھا۔ تاکہ کھیل کے آغاز میں دیر نہ ہو جائے کھوروما بھی تیار تھا۔

☆☆☆

شام کو اس نے دو عورتوں اور چار مردوں کو ساتھ لیا یہ سب کے سب ڈھول مجیرے لیے ہوئے تھے۔ اور انھوں نے ناچنے گانے والا روپ دھار رکھا تھا۔ میں بھی کپورورما کے ساتھ وہی بھیس بدل کر چل پڑا۔ اور ہمارے ساتھ پریتی بھی تھی۔ جس نے خوب بناؤ سنگھار کیا ہوا تھا۔ اور جب میں نے رنگوں میں رنگے ہوئے رنگین کپڑوں کے ساتھ سجے بنے ہوئے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

سچ مچ پریتی کا حسن ایسا تھا کہ لوگوں کو پاگل کر دے۔ بہر حال راج محل پہنچ گئے پہرے داروں نے ہم سے پوچھا کہ ہم کیوں آئے ہیں تو کپورورما نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ہم ناچنے گانے والے ہیں۔ مہاراج کنور رادھن کے سامنے ناچ رنگ پیش کرنا چاہتے ہیں ہمیں آگیا دی جائے۔"

"مہاراج سے پوچھے بغیر آگیا نہیں مل سکتی۔"

"تو پوچھ لو بھائی۔" کپورورما نے کہا۔

کنور رادھن خود بھی ناچنے گانے کا رسیا تھا۔ ہم لوگوں کو ایک جگہ ٹھہرا دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ مہاراج چاند نکلے ناچ رنگ سے لطف اندوز ہوتے ہیں تم لوگ رکو کھاؤ پیو اور اس کے بعد تم جو من چاہے کرنا۔

سو یہی کیا گیا، ہم یہاں تک پہنچ گئے تھے اور اس کام کو اپنی پہلی کامیابی تصور کرتے تھے۔ ہماری خوب خاطر مدارت ہوئی پھر رات کو محل کی بارہ دری میں روشنیاں کر دی گئیں اور کچھ دیر کے بعد ہمیں وہاں پہنچا دیا گیا۔ ہمارے ساتھ آنے والوں نے ڈھول مجیرے اور دوسرے ساز تیار کر لیے۔ پریتی اب بھی سفید چادر میں لپٹی ایک درخت کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی۔ اسے جس طرح مہاراج کے سامنے آنا تھا وہ اسے بتا دیا گیا تھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد کنور رادھن آ گئے۔ اچھا خاصا آدمی تھا نجانے کیوں دیوانہ ہو گیا تھا۔ وہ سنگھاسن پر بیٹھ گئے

اور حواری آس پاس کپورورما نے کہا۔

"سرکار، کپورورما، ہے میرا نام۔ نٹ ہیں ہم لوگ کھیل تماشے دکھاتے ہیں۔ بڑی سرکار میں آئے تو سوچا کہ کچھ ناچ رنگ دکھائیں اور انعام پائیں۔"

"یہ ناچنے والیاں ہیں تمھارے ساتھ۔" کنور رادھن نے ان دو عورتوں کی جانب اشارہ کیا جو جوان تو تھیں لیکن بہت زیادہ حسین شکل و صورت کی مالک نہیں تھیں۔

"تیسری بھی ہے مہاراج وہی ناچے گی یہ گائیں گی۔"

"ٹھیک ہے تم اتنی دور سے آئے ہو۔ ہم نے تمھیں بلا لیا چلو ناچ رنگ شروع کرو۔"

چنانچہ ساز بجانے شروع ہو گئے۔ وہ سب اپنے کام میں ماہر تھے۔ انھوں نے ایک سماں باندھ دیا تھا۔ آسمان پر چاند نکل آیا تھا۔ پھر درخت کے پیچھے سے پریتی چھم چھم کرتی ہوئی برآمد ہوئی اور کنور رادھن نے دلچسپی سے اسے دیکھا وہ اب بھی اپنے آپ کو سفید چادر میں چھپائے ہوئے تھی چند لمحات وہ چادر ہی میں لپٹی لہریں لیتی رہی اور اس کے بعد اس نے آہستہ آہستہ چادر خود پر سے کھسکانا شروع کر دی اس کے لیے اس کو سب کچھ بتا دیا گیا تھا۔

چادر اتری اور پریتی نے منی پوری رنگ پیش کیا تو رادھن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ایک بار تعجب سے وہ اپنی جگہ سے اٹھے، منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے پریتی کو دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ سحر زدہ سے بیٹھ گئے۔ میں جانتا تھا کہ اس کے اندر کی کیا کیفیت ہوگی اور اس کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا پریتی نے ناچنا شروع کر دیا اور یہ مجھے پہلی بار معلوم ہوا تھا۔ کہ دور ویرانے میں جنگلوں میں شمبھو ناتھ کی بنائی ہوئی جگہ پر رہنے والی یہ سادہ سی معصوم سی لڑکی اس سے اتنی اچھی طرح واقف ہے کہ کسی کو بھی اپنے رقص سے دیوانہ بنا دے۔

پریتی ناچ رہی تھی۔ نجانے وہ بھی کس خیال میں کھوگئی تھی کہ جی توڑ کر ناچتی رہی اور ایک انوکھا سماں بندھ گیا تھا۔ پھر بہت دیر کے بعد اس کا ناچ ختم ہوا وہ مہاراج کنور رادھن کے سامنے دوزانو بیٹھی اور اس نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر کر کے جوڑے اور پھر پیچھے جھکتی چلی گئی کنور رادھن مہاراج اپنی جگہ سے اٹھتے چلے گئے تھے انھوں نے اپنے بدن پر بے شمار زیورات پہنے ہوئے تھے سونے اور ہیروں کے زیورات، ہار سارے کے سارے انھوں نے اپنے لباس سے توڑے اور پریتی کے سامنے ڈال دیے، پھر وہ خود بھی اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے۔

"پرتی کہاں چلی گئی تھی تُو۔ تُو نے ہمیں پاگل کر دیا۔ اپنا دیوانہ کر لیا ہے۔" مہاراج کی آواز ابھری۔ باقی لوگوں کو انھوں نے نظرانداز کر دیا تھا۔

"جے ہو مہاراج کی...... میرا نام پرتی نہیں چندروتی ہے۔"

"کیا؟" مہاراج نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہمارا نام چندروتی ہے۔ مہاراج۔"

"پرتی مجھ سے کیوں جھوٹ بول رہی ہے۔ تیرے لیے میں پاگل ہو گیا ہوں۔ تُو نہیں جھی۔ اگر عام آدمی ہوتا تو جنگل جنگل خاک چھانتا پھرتا، کہاں نہیں تلاش کیا تھا میں نے تجھے میرے آدمی کہاں کہاں نہیں گھومے تیری تلاش میں کہاں چلی گئی تھی۔ پرتی بول کہاں چلی گئی تھی؟"

"مہاراج آپ سے ضرور غلطی ہو رہی ہے۔ ہمارا نام چندروتی ہے۔ ہم پرتی نہیں ہیں۔"

"آں۔۔۔ سچ کہہ رہی ہے تو؟"

"ہاں...... مہاراج یہ پرتی کون ہے؟"

"ہماری بھاگ لیکھا ہے۔ مگر ہم کیسے مان لیں ارے دیکھ ہم سے سچ بول دے پرتی۔ کچھ نہیں بگاڑیں گے تیرا۔ تجھے دیکھ کر تو ہم اتنے خوش ہوئے ہیں کہ شاید اپنی خوشی کا اظہار بھی نہ کر سکیں۔ تُو نے جو کچھ بھی کر لیا۔ ہمیں اعتراض نہیں ہے، پر ہم سے نہ چھپا اچھے آپ کو...... کوئی اور پرتی ہو ہی نہیں سکتی۔ اس سنسار میں ہمیں بتا دے پرتی؟"

"مہاراج آپ اگر مجھے پرتی کہنا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی مگر میں ہوں چندروتی۔"

"اے ادھر آؤ۔" اس بار مہاراج نے کپوروما کو بلایا تھا۔ کپوروما ہاتھ جوڑے ہوئے مہاراج کے پاس پہنچ گیا اور سر جھکا کر بولا۔

"جے ہو مہاراج کی۔"

"اس لڑکی کا نام کیا ہے۔"

"یہ چندروتی ہے۔ مہاراج۔"

"کس کی بیٹی ہے؟"

"میری بیٹی ہے۔ مہاراج اس کی ماں مر چکی ہے۔ ہم لوگ نٹ ہیں، بنجارے ہیں۔ میلے میں آئے تھے۔ ہمیں پتا چلا کہ مہاراج ناچ گانے کے رسیا ہیں۔ ہم نے سوچا کہ اپنی بٹیا کو آپ کے سامنے نچا کر انعام پائیں مہاراج۔ چندروتی ہے ہماری بٹیا۔ کیا آپ کو اس کا ناچ پسند نہیں آیا۔"

"یہ تمھاری بیٹی ہے۔"

"جی مہاراج۔"

"تعجب ہے۔ کیا اس کی ہم شکل کوئی اور بھی لڑکی ہے؟"

"نہیں مہاراج چندروتی ہماری اکیلی ہی بیٹی ہے۔"

"اچھا کہاں ٹھہرے ہوئے ہو تم لوگ؟"

"ڈیرہ لگایا ہے مہاراج میلے کے میدان کے اس پار۔"

"کپوروما...... تمھاری بیٹی بہت اچھا ناچتی ہے۔ ہمیں بہت خوشی ہوئی ہے۔ یہ انعام ہم نے اسے دیا ہے۔ اسے سمیٹ لو...... اور تمھیں بھی بہت سے انعام دیں گے۔"

مہاراج نے اشارہ کیا۔ اور کچھ دیر کے بعد ایک آدمی تھالی میں سونے کی گنیاں بھرے آ گیا مہاراج نے تھالی اپنے ہاتھ میں کی۔ اور بولے۔

"جھولی پھیلاؤ، کپوروما۔"

کپوروما کی آنکھیں حیرت سے پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس نے جھولی پھیلا دی اور مہاراج نے ساری گنیاں اس کی جھولی میں ڈال دیں۔

"کپوروما ہم اپنے آدمیوں کو تمھارے پاس بھیجیں گے۔ وہ تم سے بات کریں گے۔ تم جیسا بھی مناسب سمجھو کرنا کیے ہمارے آدمیوں کا انتظار کرنا۔"

"جے ہو مہاراج کی بھگوان سکھی رکھے۔" کپوروما نے سارے گہنے اور زیور بھی سمیٹ لیے۔ اس کے ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔ جو کچھ اسے مل گیا تھا اس نے شاید کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ بہرحال یہ سب کچھ ملا تھا اسے واپسی میں اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مہاراج یہ جو کچھ ہمیں ملا ہے اس کا کیا کریں؟"

"یہ تمھارا ہے کپوروما ہمیں ہماری کہانی سے نمٹنے دو۔ جو منافع اس میں تمھیں ہو۔

جائے وہ تمہارا۔"

"ہم ...... میں تو خوشی سے مرجاؤں گا مہاراج۔ اتنا دھن دولت میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"سنبھال کر رکھو...... کپوردرما بہرحال یہ تمہارے کام آئے گا۔" میں نے جواب دیا۔

کچھ دیر کے بعد ہم نے ڈیرے پر پہنچ گئے کپوردرما کو چکر آ رہے تھے۔ وہ اتنی دولت کا بوجھ سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ میں تو اپنے نظریے پر کام کر رہا تھا لیکن کپوردرما کو میں نے زندگی کی سب سے بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔

دولت ایسی ہی چیز ہوتی ہے میجر۔ انسان کو گھن چکر بنا دینے والی۔ میں نے صدیوں کی زندگی میں بڑے بڑے کھیل دیکھے ہیں ان کا تعلق دولت سے نہیں ہے تم میری طویل داستان سے اکتائے تو نہیں۔"

"میں سوچ رہا ہوں تم اس کائنات کے کتنے بڑے جھوٹے ہو۔ تم مزید کتنا جھوٹ بول سکتے ہو۔" میجر نے واقعی اکتاتے ہوئے کہا اور پہلی بار اس کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے۔

"میں نے اپنی زندگی کی کتاب تمہارے سامنے کھول کر رکھ دی اور تم ابھی تک مجھے کھلونا سمجھ رہے ہو مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمہیں اپنی سچائی کے کچھ اور ثبوت دوں۔"

مثلاً...... ؟ میجر نے کہا۔

میں شیر...... یا بھیڑیے کا روپ بدل کر تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ سکتا ہوں لیکن...... معاف کر دیتا ہوں تمہیں۔ یہ دیکھو یہ میری سچائی کا ثبوت ہے اس نے کہا...... وہ زمین پر سیدھا سیدھا لیٹ گیا اور دو چار کروٹیں بدلیں اور اس کا بدن چھوٹا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ سب چھوٹے سے پرندے کی شکل اختیار کر گیا پھر پروں سے پھڑپھڑانے کی آواز ابھری اور پرندہ ایک روشن دان سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

ادارے کی بہترین کتب

دعا پبلی کیشنز

Rs.170/-